

مکتوبات مہاروی

حضرت خواجہ امام بخش مہاروی القدس علیہ
فارسی مکتوبات کا
اردو ترجمہ

حسب ارشاد کراچی وزیر سرپرستی و نگرانی

حضرت **میاں کریم بخش مہاروی** دامت
الحاج خواجہ

مہار شریف، تحصیل چشتیاں شریف، ضلع بہاول نگر

اردو ترجمہ

پروفیسر محمد عبد الغفور غوثی ایم

ترتیب

پروفیسر افتخار احمد چشتی سلیمانی

چشتیہ اکیڈمی، فیصل آباد، پاکستان

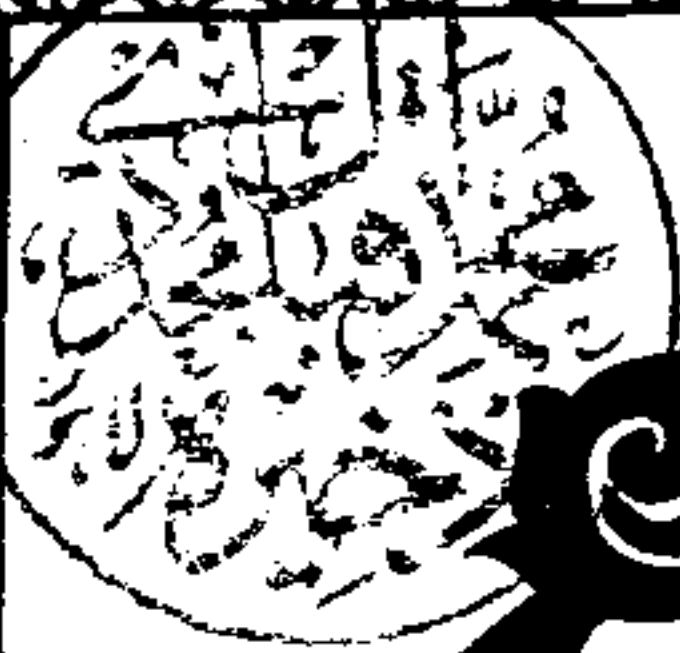
**Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.**

**پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ**



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

بَلَغَ الْعُلَمَاءُ بِكَمَالِهِ
 كَشَفَ الْاَلْحَىٰ بِجَمَالِهِ
 حُسْنَتْ جَمِيعَ خِصَالِهِ
 صَلَوَاتُ عَلَيِّهِ وَآلِهِ



مکتوبات مہاروی

حضرت خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ
کے فارسی مکتوبات کا
اُردو ترجمہ

حسب ارشاد گرامی وزیر سرپرستی و نگرانی،

حضرت **میاں کریم بخش مہاروی** دامت
الہاج خواجہ **میاں کریم بخش مہاروی** برکاتہ

مہار شریف، تحصیل چشتیاں شریف، ضلع بہاول نگر،

اُردو ترجمہ

پروفیسر محمد عبید اللہ غوثی ایم

تدریس

پروفیسر افتخار احمد چشتی سلیمانی

چشتیاں اکیڈمی، فیصل آباد، پاکستان

سلسلہ مطبوعاتِ چشتیہ نمبر ۱۲

جلد متوق بحق الحاج خواجہ میاں کریم بخش صاحب دہلی و چشتیہ اکیڈمی محفوظ رہیں

کتاب	128268	مکتوباتِ بہاروی
تصنیف		حضرت خواجہ امام بخش بہاروی
سال تصنیف		تیرھویں صدی ہجری
زبان		فارسی
اردو ترجمہ		پروفیسر محمد عبد الغفور غوثی ایم اے
صفحات	۲۵۶	
سال اشاعت	۱۴۱۵ھ (۱۹۹۵ء)	
ناشر		چشتیہ اکیڈمی فیصل آباد
طابع		ہارون پرنٹنگ پریس فیصل آباد
کاتب		محمد اکرم جاوید اسمن کاتب فیصل آباد
بیت		/



ملنے کا پتہ

حضرت الحاج خواجہ میاں کریم بخش صاحب دہلی ضلع بہاروی
چشتیہ اکیڈمی فرحت منزل گل پور وکیلاں والی پینسٹ بازار فیصل آباد

مندرجات:

حصہ اول: _____ صفحہ ۱ تا صفحہ ۱۶

- شناس نامہ
- انتساب
- دعائے
- حمد و نعت

حصہ دوم: _____ صفحہ ۱۷ تا صفحہ ۲۸

- تقدیم: پروفیسر محمد اسحاق قریشی
- دیباچہ: پروفیسر محمد اختر چیمہ
- تعارف: پروفیسر منظور حسین سیالوی
- عرض مرتب: پروفیسر افتخار احمد چشتی

حصہ سوم: _____ صفحہ ۲۹ تا صفحہ ۶۲

- خواجہ امام بخش بہاروی کی تصانیف
- خواجہ امام بخش بہاروی کا تعارف
- خواجہ کریم بخش بہاروی صاحب کا تعارف

حصہ چہارم: _____ صفحہ ۶۵ تا صفحہ ۲۲۲

- مکتوبات کا اردو ترجمہ (۲۶ مکتوبات)

حصہ پنجم: _____ صفحہ ۲۲۵ تا صفحہ ۲۵۶

- حرف آخر
- پنج گنج
- دیوان عاجز سے چند اشعار

شِناَسْ نَامَةُ كِتَابُ

مکتوبات	_____	نام کتاب
فارسی	_____	زبان
حضرت خواجہ امام بخش بہاروی <small>رحمۃ علیہ</small>	_____	مصنف
مختلف فیہ مسائل کے جوابات قرآن و حدیث کی روشنی میں	_____	موضوع
تیسویں صدی ہجری	_____	زمانہ تصنیف
مکتوبات - فارسی خطی نسخہ - ۲۱۸ صفحات	_____	نسخہ موجود
ذاتی کتب خانہ مہسار شریف ضلع بہاولنگر	_____	
الحاج میاں کریم بخش صاحب بہاروی <small>دست بردار</small>	_____	سرپرست و نگران اعلیٰ
پروفیسر محمد عبدالغفور غوثوی	_____	ترجمہ
۱- پروفیسر الشدید فریدی	_____	نظر ثانی
۲- پروفیسر منظور حسین سیالوی	_____	
۳- پروفیسر ڈاکٹر محمد اختر کسرچیمہ	_____	
۴- پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی	_____	
پروفیسر افتخار احمد چشتی	_____	ترتیب



انتساب

آفتابِ ملکِ ولایت، نورِ شیدِ بُرجِ ہدایت، وارثِ ملکِ نبوت،
 شاہِ شاہِ اقلیمِ غوثیت، قلبِ مدارِ عالم، سندِ الواصلین، فخرِ العارفین،
 منبعِ الوارِ الصمد، مظہرِ اسرارِ احد، قبلہِ عالم،

حضرت خواجہ نور محمد مبارکی رحمۃ اللہ علیہ

کے نام



نشار تم پہ ہیں پروانہ ساں ہزاروں دل
 کہ شمعِ محفلِ صاحبِ دلاں تمہیں تو ہو!

دُعائے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بعد حمد و صلوة قارئین کرام کی خدمت میں واضح ہو کہ خواجہ امام بخش صاحب رحمۃ اللہ کی دو تصنیفات گلشن ابرار اور مخزنِ حِشْت کا ترجمہ قبل ازیں شائع ہو چکا ہے جن سے متوسلین مشائخ کرام اور اہل ذوق قارئین مستفید ہوئے ہیں اور پورے ہیں۔ اب صاحب موصوف کی ایک تصنیف مکتوباتِ دعاگو کے خاندانی کتب خانہ میں باقی رہ گئی تھی، جو اہل سنت کی رشد و ہدایت کے لئے خصوصاً اور عامۃ المسلمین کے لئے عموماً موجب ہدایت و رہبری ہے۔ دعاگو نے جابجا کہ اس کا ترجمہ بھی طباعت کے بعد شائع کیا جائے اور اسے قارئین کے استفادہ کے لئے منظر عام پر لایا جائے۔ چنانچہ پروفیسر عبدالغفور غوثوی صاحب نے ترجمہ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ بعد اس کی تصحیح و ترمیم پروفیسر الشریار فریدی صاحب نے کی۔ پھر یہ مسودہ پروفیسر افتخار احمد صاحب چشتی کی خدمت میں کتابت طباعت اور اشاعت کے لئے بھیج دیا گیا۔ بحمد اللہ انہوں نے خیر و پیشانی سے یہ ذمہ داری اپنے ذمہ لے لی۔ اور ان کی ہمت اور محنت سے آج یہ ترجمہ آپ حضرات کے زیر نظر ہے۔

دعاگو بارگاہِ ایزدی میں مُلتَمِس ہے کہ وہ ذات لایزال قارئین کو اپنے اپنے علم و ذوق کے مطابق مستفید ہونے کا شرف عطا فرماوے۔ مترجم اور ناشرین کو اپنے فضلِ عام سے دُنیاء و آخرت میں سُرخرو فرماوے۔ آمین، ثم آمین۔

دعاگو کے صاحبزادے

(الحاج میاں کوثر علی بہاروی)

مہار شریف

۲۷ جمادی الآخرہ ۱۴۱۵ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ

رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِہٖ

وَّیُزَكِّیْهِمْ وَّیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ

کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ؕ

(۱۶۴: ۳۱)

ترجمہ

اللہ تعالیٰ نے یقیناً مومنوں پر بڑا احسان فرمایا جب

اُس نے انہیں میں سے اُن میں ایک رسول بھیجا جو اُن

پر اللہ کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا

ہے۔ اور انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور جو وہ

اس سے پہلے گمراہی میں تھے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ

وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ

عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

(۱۰۴: ۳)

ترجمہ

تم میں ایک جماعت ضرور ہونی چاہیے جو نیکی

کی طرف بلایا کرے۔ اور بھلائی کا حکم دیا کرے۔

اور بدی سے روکا کرے۔ اور یہی لوگ کامیاب

و کامران ہیں۔

حمد و نعت

از خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ گلشن ابرار

خدا را حمد قبل از ہر کلامے
 کہ لطفش عام بر ہر خاص و عامے
 مگر حمدش نہ امکان بیان است
 کہ "لا احصی" ثنا زو عیان است
 اگرچہ واصفاں بس کرد ادراک
 بگفت آخر ز شرحش "ما عرفناک"



دُرودش را کہم وردِ زبان را
 فریسم روحِ شاہِ مُرسلان را
 کہ اندر شان او "لولاک" آمد
 بزیر پائے او افلاک آمد
 کہ از نورش شد عالم بویدا
 بعشقش بوالبشر گردید شیدا
 برو ہر لحظہ رحمت از خدا باد
 بہ اصحابش بہ ازواجش بہ اولاد



سلام

از حضرت خواجہ امام بخش مہاروی رشتہ اللہ علیہ

سَلَامُ اللّٰهِ تَوْحِيْدًا وَتَحِيْمًا

اے شہ ذوالعظا سلامُ علیک
 وی میرے پر خدایا سلامُ علیک
 بر فلک جُملہ ملک گویاں!
 اے رسولِ خُدا سلامُ علیک

گفت پیغمبرِ اکِ شبِ معراج
 مرتباً سید سلامُ علیک
 بلبُلانِ بہشت از سرِ شوق
 ہمہ نغمہ سرا سلامُ علیک

ہمہ خاصانِ دہر بچھو نجوم
 "انتِ بَدْرُ الدبے" سلامُ علیک
 بَرْدِ عَالَمِ ز نُوْرِ تَوْظِیْہِ
 "انتِ نُوْرُ الْھُدٰی" سلامُ علیک

سوئے عاجز بیس بہ لطف و کرم
 اے شہِ انبیاء سلامُ علیک

(دیوانِ عاجز)

نعت شریف

از خواجہ امام بخش بہاروی رشتہ عید

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عالم منور است ز نورِ محمدی صومند

ظاہر شدہ جہان ز نورِ محمدی صومند

بینچود شود ز خویش تن و وز شعورِ خویش

محم بر آنکوشد ز شعورِ محمدی صومند

فارغ شود ز درد و الم ملت و جہاں

ہر کس کہ ذوق یافت سرورِ محمدی صومند

مقبول مے شود بجنابِ خدا کے

گوپس رواں شود بہ امورِ محمدی صومند

عاجز ہے فرستد صلوة صد ہزار:

از صدقِ جان و دل بحضورِ محمدی صومند!

(دیوانِ صاحبزادہ)

نعت شریف

از خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

والتضلی وصفِ نکو روئے رسولِ عربی
شرحِ واللیسل زگیسوئے رسولِ عربی

کرد ایزد چوں سرمہ نازاغ بچشم
مست شد ز گیس جادوئے رسولِ عربی

نقطہ وحدت افراخت چوں قدگشت عیاں
الف قامتِ دلجوئے رسولِ عربی

قمری باغ جناں از پی امید وصال
میکند نغمہ گو گوئے رسولِ عربی

قبلاً جان و دلم نیست بجز مہر بخش
ساجد در خم آبروئے رسولِ عربی

دل و جانم بہ تمنائے وصالش حیراں
سرین خاکِ سر کوئے رسولِ عربی!

صبحم باد صبا بوئے ز شرب آورد
مست شد عاجز از بوئے رسولِ عربی

(دیوان عاجز)

نذرانہ عقیدت

محبت النبیؐ، فخر جہانؐ، محمد فخر الدین دہلویؒ رحمۃ اللہ علیہ
بمختار حضرت مولانا

نذر گزار: میر نذر علی درو کا کوروی

یہ دل مدہوشس جامِ فخر دینؐ ہے
یہ سُرُقُربانِ نامِ فخر دینؐ ہے

بحمد اللہ نظامیؒ کے کدے کا
ہر اک ساغرِ پیامِ فخر دینؐ ہے

ازل کی مستیوں کی سُن کے دعوت
چسے دیکھو بہ کامِ فخر دینؐ ہے

چلا آسنے پھیلا دے دامن
کہ جباری فیضِ عامِ فخر دینؐ ہے

ہماری زندگی کی ساری تنظیم
بحمد اللہ نظامِ فخر دینؐ ہے

ہے پائی درد کی نعمت جو دل نے
دعاٹے صبح و شامِ فخر دینؐ ہے



نذرانہ عقیدت

بم حضور قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

نذر گزار۔

حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ۔ پاپڑاں شریف

ساڈا دوست دلیں وا نور محمد خواجہ
 ڈھولا یار چہیندا نور محمد خواجہ
 ساڈی ساری شرم بھرم وا
 تیڈے گل وچ لاجا

عرب وی تیڈی عجم وی تیڈی
 سندھ پنجاب وا لاجا!
 زمین زمن وچ وجدا گدا
 فیض تیڈے وا لاجا!

دبیر جانی یوسف ثانی:
 موہن مکی ڈکھا جا
 نوشہ شہر مبار وا بنٹرا
 سکدی نوں نکل لاجا

مین فریدے دسر پیاسے
 آجا ناں ترسا جا!

تقدیم

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی ایم بی بی ایچ ڈی
صدر شعبہ عربی گورنمنٹ کالج، فیصلہ آباد

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ
أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ط
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ
وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط

انبیاء کرام علیہم السلام فرستادگان الہی ہیں، اُن کا وجود رب العالمین کی ربوبیت
تامہ کا مظہر اور رحمت پروردگار کا قاسم ہونا ہے، انسان کی تخلیق خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے
ہوتی اس لئے اس کو ہر اُس عظمت کا اہل بنایا گیا جو اس منصبِ نبی کے لئے ضروری تھی
”بَسْطَةَ فِي الْعِلْمِ وَالْجَسَدِ“ (البقرہ: ۲۵۷) یعنی علم و جسم کی کشادگی اور وسعت اس نائب الہی
کا شرف امتیاز بنی کہ اسے آفاق کی تسخیر اور ملکوت کے مشاہدہ کا اہل گردانا گیا تھا، جسم کی آفرینی
اور نشوونما کے لئے مادی وسائل کا ایک جہان آباد کیا گیا تاکہ وہ اس سرزمین پر رہت ہوئے،
”مُسْتَقْوَمَاتٍ“ (البقرہ: ۳۶) کے حوالے سے تنگ دامن اور کوتاہ دستی کا شکوہ نہ کر سکے
روح کی بالیدگی اور توانائی کے لئے حاملان رسالت کا ایک مقدس گروہ پیدا فرمایا گیا تاکہ نارسائی
اور بے توفیقی کا بہانہ نہ بنایا جاسکے، ”وَإِنَّ مِنْ أُمَّتِهِ أَلْحَادًا فِيهَا كَذِبٌ“ (فاطر: ۲۳) اور
کوئی امت یا گروہ نہیں مگر یہ کہ اُس میں ڈرانے والا ہوا، یہ متنبہ کرنے والے وجود پر دور،
پر قریہ اور مرقوم کی طرف آئے تاکہ روح کی تابندگی قائم رہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
اس قافلہ ہدایت کے آخری رسول ہیں کہ آپ پر یہ احتیاج کہ ہدایت حاصل ہو ابد تک کے
لئے پوری ہو گئی اس لئے اب یہ گلہ نہ کیا جاسکے گا الہامی راہنمائی کا کوئی اور رخ آشکار نہ ہو سکا،
لوگ کہتے تھے کہ اتنی بڑی تعداد کے باوجود اُن تک ہدایت نہیں پہنچی ”أَنْ تَقُولُوا“

مَا جَاءَ فَا مِنْ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ " کہ تمہارے ہاں تو کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا " اس لئے یقین کر لو کہ " فَقَدْ جَاءَ كُذِّبًا بَشِيرًا وَنَذِيرًا (المائدہ : ۱۹) " بے شک تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آگیا ہے " قرآن مجید میں متعدد مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کو حتمی اتمامِ حجت قرار دیا کہ یہ نبی تحفظ ہی نہ باقی رہے، ماضی میں انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے، ہدایت برکبیں اور ہر صورت ہتیار ہی " مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد یہ حیلہ سازی خالق کائنات کا پیغام میسر نہ آیا، ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی کہ رسول کائنات اور نبی آفاق نے پیغام ربانی کو انفس و آفاق کی وسعتوں پر محیط کر دیا اس لئے کہ رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی حدود رب العالمین کی ساری مخلوق تک مستدبے کہ خود خالق کائنات نے گواہی دی " وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (سبأ : ۲۸) " اور ہم نے تو آپ کو ساری انسانیت کے لئے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر مبعوث فرمایا " اس لئے جہاں جہاں انسان بستا ہے اور جس دور اور عہد میں انسان پایا جائے گا یہ رسالت وہیں تک بشارتوں اور تنبیہات کے ساتھ موجود ہوگی، سلسلے آنے والوں کو اس زبانِ فیضِ ریاں سے شرفِ سماعت حاصل رہے گا اور دور والوں کے لئے لفظوں کے تابدار گہر روانہ کئے جلتے رہیں گے، رسالت اب رفعت کے اُس مقام پر ہے کہ قرب و بعد کا فرق مٹ گیا ہے، آفتابِ نبوت نے ہر تارکِ دل کو منور کر دیا ہے، شہرِ چشمی کا روگ نہ ہو تو آفتابِ ہر کھمبے موجود ہے کہ بقولِ شاعر:

كَانَ بَعْدَ الْقَدْبِ لِنَقْدِيبِ جَوَاهِرًا
جُودًا وَيَبْعَثُ لِلْبَعِيدِ سَكَابًا

"وہ تو سمنہ رہیں کہ جو ساحل کے قرب سے متمتع ہے اُس کے لئے کمالِ فیاضی سے جو ابر اُتچال دیتے ہیں اور جو بعد کے گداز میں وارفتہ ہے اُس کے لئے رحمتوں کے بادل روانہ کر دیتے ہیں " ہاں وہ تو آفتاب ہیں

سے کاشمش فی کبد نسمہ و تنوہا - یغشی البلاد مشارق و مغارب

وہ آفتاب عالمتاب ہیں کہ بظاہر دور فضاؤں کے درمیان مسکن ہے مگر اس کی روشنی مشرق و مغرب کے تمام بلاد کو اپنے گھیرے میں لٹے ہوئے ہے؛ اور یہ گھیرا رحمت کا لہر ہے جبر کا حصار نہیں اس لئے پیغام کا ہر رُخ اس رحمت کا آئینہ دار ہے شاہ روم کو دعوتِ حق دی تو واٹنگاف الفاظ میں کہا "اَسَلُّوْا سَبِيْلًا" اسلام قبول کر لو ساری سلامتی میں آ جاؤ گے، مکہ والوں کو "لَا تَشْرِيْبُ عَلَيْنٰكُمْ" کہ تم پر کوئی بوجھ نہیں کا مشرکہ سنایا تو طائف والوں کے لئے ہدایت کی طلب میں دستِ رحمت اُٹھائے، مقصود ایک ہی تھا کہ دربارِ رحمت سے سب کو سلامتی کا پیغام دیا جائے اور امان کی نوید سنائی جائے، مکاتیبِ رحمت ہوں یا مکتوباتِ شفقت، مطلوب ایک تھا بلکہ یہ باور کرانا تھا کہ رحمت بے پایاں زمان و مکان کی قید میں نہیں، مکتوباتِ نبوی سے ایک سلسلہ ہدایت جاری ہوا جس سے بعد کے سکوت اور فاصلوں کی زنجیریں کٹ گئیں پھر کیا تھا، نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی برادریاں تھارن ملت کا وظیفہ حیات نبی، تاریخ کے سینے میں خلفاء راشدین کے مکتوبات کا ایک جہان آباد ہے، مخاطبت کے لمحے نے خطہ کو نصف باریابی کا مقام دیا کہ حیفہ خطاب سے رو برو ہونے کی لذت حاصل ہوئی، تابعین نے اسی طریقہ کو تبلیغ کا ذریعہ بنایا اور پھر علماء و صوفیاء نے قلمی راہنمائی کا حق ادا کر دیا۔ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے کہ اس سے اپنائیت کی سرکستی حاصل ہوتی ہے، خواجہ امام بخش مہاروی علیہ الرحمۃ، مبارک شریف کے دبستان کے گل سرسبد ہیں جن کو قیادت کا شرف اور نیابت کا منصب حاصل تھا، فضا میں دین سے بے رغبتی، عقائدِ حقہ سے بیزارى اور اعمالِ حسد سے عدم توجہی، عام ہوئی تو لذتِ حضورى سے مرشار دل مضطرب ہو گیا بے خبری اس قدر بڑھی کہ سوال کرنے کا سلیقہ بھی نہ رہا، کہتے ہیں صوفیاء بے عملوں کیلئے قوتِ عمل بے ہمتوں کے لئے مصدر توانائی اور بے خبروں کے لئے روشنی کا مینار ہوتے ہیں، آستانوں پر حاضر ہونے والوں کے لئے فراتِ رحمت اور شکر پاتھوں کے لئے صحابِ برکات ہوتے ہیں، دامن پھیلانے والوں کے لئے جو د عطا اور کوتاہ دامنوں کے لئے دو شالہ کرم ہوتے ہیں، خواجہ صاحب بھی دلیتے معرفت کے قاسم تھے کہ سب

کے کشکول بھرے جلتے تھے مگر جسے سلیقہ سوال ہی حاصل نہ تھا اس کے لئے خود سائل بھی تھے اور سٹول بھی، مکتوباتِ خواجہ پڑھتے ہوئے احساس ہوا کہ حضرت خواجہ نے آستانہ کا فیض عام کرنے کے لئے خود ہی فقروں کا بھیس اپنایا ہے، بظاہر عجیب محسوس ہوا کہ ”خود کوزہ و خود کوزہ گرد خود گل کوزہ“ کا سماں ہے، سوال میں وہی بجا جت جو مرید باصفا کا امتیاز ہے، جواب میں وہی شفقت جو پیرانِ کرام کی عادت ہے، یوں لگا کہ صرف رشد و ہدایت کی مسند ہی نہیں بچھائی، سوال کرنے کا ادب بھی سکھایا ہے، وہ ”امام بخش“ کوئی اور ہے جو استفسار کرتا ہے اور خواجہ امام بخش کوئی اور جو معرفت و سلوک اور علم و حکمت کے موتی رول رہا ہے، سوال و جواب کا یہ انداز بعض دیگر کتب میں بھی نظر آتا ہے، یقیناً دونوں جانب ایک ہی وجود ہوتا ہے مگر ان مکتوبات میں ایک جداگانہ روش نمایاں ہے اس سے نہ سوال تشذ رہا ہے اور نہ خواب مبہم یا نامام، خواجہ امام بخش مہاروی علیہ الرحمۃ کے ہر مکتوب کا موضوع مختلف ہے اس طرح ہر خط ایک عنوان ہے، ان مسائل پر البواب کی شکل میں بھی گفتگو ممکن تھی کہ انداز کتابی ہوتا، اب یہ محاکاتی ہے جس سے ہر لفظ بولتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ حمد باری تعالیٰ اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے آغاز ہوا، ان کو بھی مکتوب کہا گیا مگر قاری کی ہولت کے پیش نظر میں یہ مشورہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مکتوبات کی ابتداء تیسرے مکتوب سے کی جائے کہ یہی پہلا استفسار ہے، مجھے ان مکتوبات کا جانزد لینے کا موقع بھی ملا، ہم مصری کے تقاضوں کے زیر اثر زبان و بیان کا آہنگ آج کے قاری کے لئے بعض الجھنیں پیدا کر سکتا تھا جس سے وہ نیک مقصد حاصل نہ ہوتا جو خواجہ صاحب کے پیش نظر تھا اس لئے بعض عبارتوں میں تخفیف اور بعض میں معمولی اضافہ ضروری خیال کیا گیا مگر اس کو متن کا حصہ نہ بنایا گیا تاکہ قاری کی ہولت کسی ذہنی تحفظ کو جنم نہ دے، القابات کی کثرت سے صرف نظر کر لیا گیا تاکہ ایصالِ مفہوم میں لغوی رکاوٹیں حاصل نہ ہوں، حدیثِ قدسی اور قرآن کے بارے میں ایک مکتوب حذف کر دیا گیا کہ یہ خوانس کے ذوق کا مظہر ہے عصرِ حاضر کے قاری کو اس کی ضرورت نہ تھی

اس طرح نمبر شمار کے حوالے سے کل ۲۶ مکتوبات شامل ہیں کہ پہلے دونوں مکتوبات کو
حس و نعت کے زیر عنوان درج کر دیا گیا ہے۔

خواجہ امام بخش بہاروی علیہ الرحمۃ کے یہ ارشادات قارئین کے لئے علمی ذوقاً و
عملی تحریک کا موجب بنیں گے کہ ان میں معلومات کی فراوانی، استدلال کی قوت اور
بیان کی صلاوت موجود ہے، ہو سکتا ہے بعض اجاب کہیں کہیں ذہنی مطابقت محسوس
نہ کریں جیسے 'سماح' کے حوالے سے طویل بحث ان مکتوبات میں موجود ہے یا جیسے
عصر حاضر میں ولی ہونے کے دعویداروں کا شدید محاسبہ یا بعض نظریاتی اور فقہی مسائل
میں جذلوں کی شدت اور فراوانی، اختلاف کی گنجائش کا حق رکھنے کے باوجود یہ ضرور
پیش نظر رہے کہ خواجہ صاحب ایک مسلک، ایک خاندان سلوک اور ایک متعینہ فکر
سے تعلق رکھتے ہیں، چشتی ذوق، جنفی مسلک اور اہل سنت کا انداز فکر ان میں
نمایاں ہے مگر وجہ اطمینانی یہ بات ہے کہ ان کے پاس اپنی روش اور اپنے رجحان
کی صلابت کے مضبوط دلائل موجود ہیں، انہوں نے علم کی برشاخ پر دسترس حاصل
کی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ علم کو صرف حرف شناسی تک محدود نہیں رکھا
لے اپنے وجود کی واردات بنا لیا ہے جس سے وہ زاہد خشک ہونے سے بھی بچ
گئے ہیں۔ اور انہی ارادت سے بھی، ان کا وجدان بالغ نظر ہے اور ان کا تصوف
راہ باب ہے، بعض مسائل پر ان کی گرفت نہایت مضبوط ہے اور ان کی وسعت علمی
پر دلالت کرتی ہے، شعر و شاعری کے حوالے سے علمی بلکہ ادبی گفتگو نہایت اثر آفریں
ہے، ایمان پر اقرار و تصدیق کے زیر عنوان خاص و عام کی بحث، تحقیقی کاوش کی کارفرمائی
ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں ایمان کی بحث عقیدت
و محبت کی ردا میں لپٹی ہوئی تجزیہ نگاری ہے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام سے سرور کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم تک پوری نسل کی تاریخی سند کے ساتھ حکایت، ذوق، استقرار
کی عمدہ مثال ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مکتوبات امام بخش بہاروی علیہ الرحمۃ ایک علمی دستاویز ہے

جس میں متلاشیانِ علم کے لئے ذہنی جلا کا بہت سامان ہے، ترجمہ نگار نے ایک مشکل کتاب کے ترجمہ میں بہت محنت کی ہے جو لائق ستائش ہے۔

جناب پروفیسر افتخار احمد چشتی صاحب کا عزمِ جواں اس نایاب مسودہ کو منظرِ عام پر لانے کا ذریعہ بنائے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور محنت دے کہ اس پُر آشوب دور میں وہ علم و معرفت کی شمع جلائے ہوئے ہیں، میں دل کی گہرائیوں سے اس نیک کام میں شریک تمام حضرات کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ خدمتِ دین کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین !

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ

128268

دیباچہ

از: پروفیسر ڈاکٹر محمد اختر چیمینہ ایم اے پتی ایچ ڈی
صدر شعبہ فارسی گورنمنٹ کالج فیصل آباد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَلِیِّ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْمُجْتَبٰی
وَعَلٰی سَاْئِرِ عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

مکتوب نگاری کے تاریخی پس منظر پر نگاہ ڈالی جائے تو قرآن مجید میں اللہ کے پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک مکتوب کا ذکر ملتا ہے جو ملکہ سبا بقیس کے نام سے قرآنی آیات:

”قَالَ مَنظُرًا صدقت أم كنت من الكذابين ۝ ذهب بكتبي
هذافا لفة اليهم ثم تول عنهم فانظروا ذاب جفوت ۝
قالت يا ايها المنوا اتى الفى اتى كتب كريفم ۝ انه
سليم وانتم بسم الله الرحمن الرحيم ۝“

(۲۷: ۲۶ تا ۳۰)

ترجمہ: سلیمان نے فرمایا اب تم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا یا تو جھوٹوں
میں سے ہے۔ میرا یہ مکتوب لے جا کر ان پر ڈال پھر ان سے الگ بٹ
کر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ وہ عورت بول لے مرادرو! بیشک
میری طرف ایک عنترت والا خط ڈالا گیا ہے شک وہ سلیمان کی طرف
سے ہے اور بے شک وہ اللہ کے نام سے ہے جو نہایت مہربان
رحم والا ہے۔

یہ مکتوب دعوتِ حق کی ایک زندہ مثال ہے۔ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے نام اپنے مکتوب کی ابتدا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے کی ہے۔ حضرت سید الموجدات جناب رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت چونکہ پوری کائناتِ انسانی کے لئے ہے، اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا دائرہ رشد و ہدایت بھی ساری دنیا پر محیط ہے۔ جن مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف فرما نہیں ہو سکے وہاں اپنے مبلغ اور قاصدینجھج کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ مکتوباتِ اقدس کی مختلف ممالک میں ترسیل بھی اس مقدس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اُس دور کے ناگفتنی حالات و واقعات کے باوجود مدینہ منورہ کے بوریا نشین کالی کالی بردوش رسولِ سید الکونین نبیِ الحرین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہم عصر حکمرانوں باوثاقوں اور امرا و سلاطین کے نام دعوتِ حق کے سلسلے میں جو مکتوباتِ اقدس ارسال فرمائے ان کی تعداد تین سو کے قریب ہے۔ ہم سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہو جا رہا ہے کہ دعوتِ توحید اور اظہارِ مقصود کیلئے ارسالِ مکتوباتِ ایک موثر ذریعہ ابلاغ ہے جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اختیار فرمایا۔ یہاں یہ کہنا بے محل نہ ہو گا کہ خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ ارسالِ مکتوبات کو اولیائے اُمت اور مشائخ نامدار کی معتد بہ تعداد نے بطریقِ احسن جاری و ساری رکھا۔

فارسی کا شو فیانہ ادب بلاشبہ مکتوباتِ خواجگان اور ملفوظاتِ مشائخ سے رونق افروز ہے۔ بعض عرفا اور بزرگوں نے بذریعہ مکتوباتِ تبلیغی فریضہ سرانجام دیا۔ ایران کے ضویفائے متقدم و نامدار میں سے شیخ ابوسعید البوخیتر (م ۵۴۰ھ) حضرت امام محمد غزالی (م ۵۰۵ھ)، حضرت احمد غزالی (م ۵۱۰ھ)، شیخ عین القضاة ہمدانی (م ۵۲۵ھ) اور شیخ احمد جام (م ۵۳۶ھ) کے مکاتیب، مقاماتِ تصوف کی توفیح و تشریح میں امتیازی مقام کے حامل ہیں، جن کی وساطت سے اہل سلوک پر فکرو نظر کی شاہراہیں کشادہ ہوئیں۔ ذیل میں بہارِ مخطوطات عرفان و تاریخی کتب اور مطبوعہ و غیر مطبوعہ مکتوبات کے حوالے سے سلاسلِ بہار گانہ طریقت کے صاحبان

مکاتیب پیشواؤں کا سرسری جائزہ پیش کیا جا رہا ہے :
 مشائخِ چشت میں ملفوظات نگاری اور مجالس نویسی تو باقاعدگی کے ساتھ جاری رہی
 البتہ مکتوب نگاری کا طریقہ بھی نظر آتا ہے۔ درج ذیل خواجگانِ چشت کے مکتوبات
 کے مخطوطات و نسخہ جات مطبوعہ اور غیر مطبوعہ صورت میں دستیاب ہیں۔ بعض کے
 مکتوبات کا صرف تذکرہ میں ذکر ملتا ہے :

- ۱۔ مکتوباتِ خواجہ خواجگان حضرت معین الدین چشتی اجمیری (م۔ ۵۶۳۳)
- ۲۔ مکتوباتِ خواجہ قطب الدین بختیار کاکلی (م۔ ۵۶۳۳)
- ۳۔ مکتوباتِ خواجہ حمید الدین صوفی سوالی ناگوری (م۔ ۵۶۴۳)
- ۴۔ مکتوباتِ بابا فرید الدین گنج شکر پاکپتنی (م۔ ۵۶۶۴)
- ۵۔ مکتوباتِ قلندری حضرت ابوعلی قلندر بانی پٹی (م۔ ۵۷۲۴)
- ۶۔ مکتوباتِ حضرت نظام الدین اولیاء (م۔ ۵۷۲۵)
- ۷۔ مکتوباتِ حضرت امیر خسرو دہلوی (م۔ ۵۷۲۵)
- ۸۔ مکتوباتِ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی (م۔ ۸۰۸)
- ۹۔ مکتوباتِ حضرت سید محمد گنیودران (م۔ ۱۲۵)
- ۱۰۔ مکتوباتِ قدوسیہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی (م۔ ۹۲۵)
- ۱۱۔ مکتوباتِ شیخ محمد چشتی گجراتی (م۔ ۱۰۲۰)
- ۱۲۔ مکتوباتِ شیخ محبت اللہ آبادی صابری (م۔ ۱۰۵۸)
- ۱۳۔ مکتوباتِ شاہ پیر محمد سلونی چشتی (م۔ گیارھویں صدی)
- ۱۴۔ مکتوباتِ کلینی شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی (م۔ ۱۱۴۲)
- ۱۵۔ رقعاتِ مُرشدی حضرت مولانا فخر الدین دہلوی (م۔ ۱۱۹۹)
- ۱۶۔ مکتوباتِ حضرت خواجہ امام بخش بہاروی (م۔ ۱۳۰۰)

یہ سارے مکتوبات شریعتِ اسلامیہ اور عرفانِ چشتیہ کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔
 سلسلہ بروردیہ اور اس کی شاخوں کبرویہ، فردوسیہ اور نوربخشیہ کے جن مشائخ

کے مکتوبات کا ذکر ملے، ان کے اسماء حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ مکتوبات حضرت شیخ مجد الدین بغدادی (م. ۷۱۶ھ)
- ۲۔ مکتوبات شیخ جلال الدین تبریزی (م. ۷۳۲ھ)
- ۳۔ مکتوبات قاضی حمید الدین محمد بن عطاناگوری (م. ۷۳۳ھ)
- ۴۔ مکتوبات شیخ سعد الدین حموی (م. ۷۵۰ھ)
- ۵۔ مکتوبات شیخ سیف الدین باخرزی (م. ۷۵۸ھ)
- ۶۔ مکتوبات شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی (م. ۷۶۶ھ)
- ۷۔ مکتوبات مولانا جلال الدین رومی (م. ۷۶۷ھ)
- ۸۔ مکتوبات شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی (م. ۷۸۸ھ)
- ۹۔ مکتوبات سید امیر حسینی بھروی (م. ۷۸۸ھ)
- ۱۰۔ مکتوبات شیخ عبدالرزاق کاشانی (م. ۷۳۰ یا ۷۳۵ھ)
- ۱۱۔ مکتوبات شیخ عطاء الدولہ سمنانی (م. ۷۳۶ھ)
- ۱۲۔ مکتوبات حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ میری (م. ۷۸۲ھ)
- ۱۳۔ مکتوبات حضرت مخدوم سید جلال الدین جہانیاں جہانگشت بخاری (م. ۷۸۵ھ)
- ۱۴۔ مکتوبات حضرت سید علی ہمدانی (م. ۷۸۶ھ)
- ۱۵۔ مکتوبات شیخ مظفر بخئی (م. ۷۸۸ھ)
- ۱۶۔ مکتوبات حضرت حسین نوشہ (م. ۸۳۳ھ)
- ۱۷۔ مکتوبات حضرت سید محمد نور بخش (م. ۸۶۹ھ)

ان مکاتیب میں مشائخ کرام نے ساکن و طالبان حق کے تصفیہ باطن اور تزکیہ نفس کے لئے عرفانی اور معنوی مسائل پر بحث کی ہے۔

سلسلہ عالیہ قادریہ کے مؤسس و مورث اعلیٰ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر
گیلانی کے علاوہ قادری مشائخ میں سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م. ۱۰۵۲ھ)
سید محمد نوشہ گنج بخش قادری (م. ۱۰۶۳ھ) حضرت ملا شاہ قادری (م. ۱۰۷۲ھ)

اور حافظ نورالثذو شامی (م . ۱۲۲۹ھ) کے مکاتیب بھی اہل محبت کے لئے باطنی سرمایہ جیات ہیں اور دلدادگان تصوف کے لئے روحانی غذا کا کام دیتے ہیں۔
خواجگان سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے ہاں مکتوب نگاری بالالتزام اور اہتمام خاص کے ساتھ ابلاغ کا ذریعہ بنی۔ خواجہ باقی باللہؒ سے حضرت دوست محمد قندھاریؒ تک مرتباً مکتوبات کے دفاتر دستیاب ہیں۔ چنانچہ اس ضمن میں ذیل صوفیائے نقشبندیہ کے نام قابل ذکر ہیں:

- ۱۔ مکتوبات خواجہ محمد پارسا بخاریؒ (م . ۸۲۲ھ)
- ۲۔ مکاتبات خواجہ عبید اللہ احرار سمرقندیؒ (م . ۸۹۵ھ)
- ۳۔ مکتوبات مولانا عبدالرحمن جامیؒ (م . ۸۹۸ھ)
- ۴۔ مکتوبات میر ابوالعلا نقشبندی اکبر آبادیؒ (م . ۱۰۰۱ھ)
- ۵۔ مکتوبات خواجہ باقی باللہؒ (م . ۱۰۱۲ھ)
- ۶۔ مکتوبات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (م . ۱۰۳۳ھ)
- ۷۔ مکتوبات حضرت آدم بنوریؒ (م . ۱۰۵۳ھ)
- ۸۔ مکتوبات سعید سعید حضرت شیخ محمد سعید بن امام ربانی سرہندیؒ (م . ۱۰۶۰ھ)
- ۹۔ مکتوبات معصومیہ حضرت خواجہ محمد معصوم بن امام ربانی سرہندیؒ (م . ۱۰۶۹ھ)
- ۱۰۔ مکتوبات عبدالنبی شامی نقشبندیؒ (م . ۱۱۳۶ھ)
- ۱۱۔ مکتوبات مرزا مظہر جانجاناؒ (م . ۱۱۹۵ھ)
- ۱۲۔ مکتوبات حضرت فقیر اللہ علوی نقشبندی شکار پوریؒ (م . ۱۱۹۵ھ)
- ۱۳۔ مکتوبات حضرت شاہ عبد الرحیم دہلویؒ (م . ۱۱۳۱ھ)
- ۱۴۔ مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م . ۱۱۷۶ھ)
- ۱۵۔ مکتوبات شاہ عبد العزیز دہلویؒ (م . ۱۲۳۹ھ)
- ۱۶۔ مکتوبات شاہ غلام علی دہلویؒ (م . ۱۲۴۰ھ)
- ۱۷۔ مکتوبات حضرت غلام محی الدین قصوریؒ (م . ۱۲۷۰ھ)

۱۸۔ مکتوبات حضرت دوست محمد قندھاریؒ (م۔ ۱۲۸۲ھ)

مکتوبات کے یہ مجموعے اسرار الہیہ اور الوارہ قدسیہ کے بیش بہا خزینے اور معارف نقشبندیہ کے لازوال گنجینے ہیں جو اہل سلوک کی تربیت اور شریعت مطہرہ کے رسوخ و نفاذ میں اہم کردار کے حامل ہیں۔

بعض متفرق سلاسل طریقت سے نسبت رکھنے والے مشائخ کے مکاتیب بھی ملتے ہیں۔ معروف ایرانی فہرست نگار آقلے احمد منزوی کی تہران اور اسلام آباد سے مبلووعہ فہارس مخطوطات میں سے چند ایسے ہی مکتوب نگار صوفیاء کے نام درج کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ مثلاً محمد کلندامؒ (دیباچہ نگار دیوان حافظ شیرازی)، شاہ نعمت اللہ کرماتیؒ (م۔ ۱۲۲۲ھ)، شیخ صابن الدین ترکہ اصفہانیؒ (م۔ ۱۲۲۵ھ) پیر جمال الدین اردستانی، بابا افضل الدین کاشانی، شیخ محمد بن محمود دھدار، شیخ بہاء الدین عاملی (م۔ ۱۰۳۰ھ)، شیخ عبدالواحد بلگرامی اور شیخ محمد راشد وغیرہ۔ آقلے منزوی نے اپنی فہرستوں میں خطوط کے لئے مکتوبات، مکاتیب، مکاتبات، منشآت، رقعات اور نامہ طے کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

عرفتے عالی مرتبت اور صوفیائے بزرگ ہمت کے جو دفاتر مکتوبات اب تک اشاعت کے مراحل سے گزر چکے ہیں، ان کے نام ملاحظہ ہوں :

- ۱۔ مکاتیب حضرت عین القضاة ہمدانیؒ
- ۲۔ مکاتبات حضرت امام محمد غزالیؒ
- ۳۔ مکتوبات خواجہ معین الدین چشتیؒ
- ۴۔ مکتوبات مولانا رومؒ
- ۵۔ مکاتیب حضرت فخر الدین عراقیؒ
- ۶۔ مُرشد و مُرید۔ مجموعہ مکاتیب مابین اسفہانی و سمنانیؒ
- ۷۔ مکتوبات حضرت شرف الدین عیسیٰ منیریؒ
- ۸۔ مکاتیب حضرت سید علی ہمدانیؒ
- ۹۔ مکتوبات قدوسیہ
- ۱۰۔ مکتوبات خواجہ باقی باللہؒ
- ۱۱۔ مکتوبات امام ربانیؒ
- ۱۲۔ مکتوبات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
- ۱۳۔ مکتوبات سعیدیہ
- ۱۴۔ مکتوبات معصومیہ
- ۱۵۔ مکتوبات کلیمی
- ۱۶۔ مجموعۃ الاسرار۔ مکتوبات شیخ عبدالنسی شامیؒ

۱۷۔ کلماتِ طیبات، مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلویؒ ۱۸۔ مکتوبات حضرت فقیر اللہ علیؒ

۱۹۔ رقعاتِ مرشدی، مکتوبات مولانا ابن دہلویؒ

ان میں سے بعض کے اصل فارسی نون، بعض کے صرف اردو تراجم اور بعض اصل اور ترجمہ دونوں صورتوں میں چھپ گئے ہیں۔ زیر تبصرہ مکتوبات خواجہ امام بخش بہارویؒ بھی اردو لباس میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

مجلد وفاتِ مکتوبات میں سے شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات اپنے مطالب و مفاہیم کے لحاظ سے خصوصی اہمیت اور شہرت کے حامل ہیں۔ ان کو درجہ اول کے عارفانہ لٹریچر میں شمار کیا جاتا ہے۔ مشائخِ حجت میں سے حضرت سید محمد گیسو درازؒ، خواجہ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور خواجہ کلیم اللہ شاہجہاں آبادیؒ کے مکاتیب کی ارزش و اہمیت زیادہ ہے۔

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ تفسیر حدیث، فقہ اور علوم تصوف میں سربراہِ روزگار تھے۔ صوفیائے متقدمین و متاخرین میں آپ کی عظمت مسلم ہے۔ آپ کے مکتوبات عرفان و حکمت الہیہ سے لبریز تھے جو مکتوباتِ صدی، مکتوباتِ دو صدی اور مکتوباتِ بیت و ہشت کے نام سے موسوم ہیں۔ ان میں توحید، تقویٰ، طہارت، عبادت، تہذیب اخلاق، تزکیہ باطن اور دیگر متصوفانہ مضامین و فصاحت و صراحت سے بیان کئے گئے ہیں۔ تمام سلاسل ولایت کے اکابر نے آپ کے ارشادات و تحریرات سے استفادہ کیا ہے۔ مکتوباتِ صدی مترجم اردو کے آغاز میں اظہارِ عقیدت کے تحت مرقوم ہے:

”آپ کے ہم عصر حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات کے مضمون میں غوطہ زن ہونے کے لئے کبھی کبھی بعض مکتوبات کے لئے جتہ کشی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی چند اقتباسات کی تشریحات اپنے بعض مکتوبات میں فرمائی ہیں۔“

مناقب الاصفیاء، تالیف حضرت شعیب فروریؒ کی روایت کے مطابق حضرت

مخدوم جہانیاں جہانگشت" آخر عمر میں شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات اکثر مطالعہ میں رکھتے تھے اور ان پر خوب غور و خوض کرتے تھے۔ لکھا ہے:

"حضرت جلال بخاریؒ را پرسیدند کہ

در آخر عمر در چه مشغول اید۔ فرمود:

در مطالعه مکتوبات شیخ شرف الدین احمد

یحییٰ منیریؒ۔ باز پرسیدند: مکتوبات شیخ

شرف الدین منیریؒ چگونه ایست؟ فرمود:

بعضی محل نبوز فہم شدہ است"

حضرت سید جلال الدین بخاریؒ سے پوچھا گیا کہ

آخر عمر میں کیا مشغول رہتا ہے۔ فرمایا کہ شیخ

شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات کے مطالعہ

میں مشغول رہتا ہوں۔ پھر پوچھا کہ شیخ شرف الدین

منیریؒ کے مکتوبات کیسے ہیں؟ فرمایا کہ بعض مقامات

ابھی تک ہماری سمجھ میں نہیں آتے ہیں۔

شیخ عبدالرحمن چشتیؒ نے تذکرہ مرآة الاسرار کے حاشیہ پنجم میں مغل بادشاہ شاہجہاں

کے مکتوبات شیخ شرف الدین منیریؒ کی تعلیم حاصل کرنے کے بارے میں یوں ضبط تحریر

کیا ہے:

"و شیخ صوفیؒ را نیز فقیر بارہا دیدہ

است از جملہ اخبار بود رحمۃ اللہ علیہ

بہر حال چند روز کہ فقیر در اکبر آباد بود

ہر روز می دید کہ شیخ صوفیؒ اول روز

بہ خدمت شاہجہاں رفتہ تاریخ طبقات

ناصری تعلیم می کرد، و در آخر روز یک

مکتوب حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ

تعلیم می نمود"

اور شیخ صوفیؒ کو بھی فقیر (عبدالرحمن چشتیؒ)

نے کئی بار دیکھا ہے۔ جملہ اخبار میں سے تھارت اللہ

علیہ بہر حال چند روز کے لئے جب فقیر اکبر آباد

میں مقیم تھا تو ہر روز دیکھا کہ شیخ صوفیؒ دن کے

پہلے پر شاہجہاں کی خدمت میں جا کر تاریخ طبقات

ناصری کی تعلیم دیتا تھا۔ اور دن کے پچھلے پر حضرت

شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے ایک مکتوب کی

تعلیم و تدریس کرتا تھا۔

ان روایات اور مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ فقیر اور شاہزادے بھی حضرت

شرف الدین منیریؒ کے مکتوبات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہ مکتوبات آپ کی

تعلیمات کا خلاصہ ہیں۔ ان میں سید توحید کو بڑی خوبی کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔ خالق و

مخلوق کے باہمی رشتے اور اخلاق انسانی سے متعلق مضامین ان خطوط میں افراط و

پلٹے جلتے ہیں۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی نقشبندی کے مکتوبات شریف کتب تصوف میں نہایت بلند درجہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے ان کو مجددانہ شان اور مجتہدانہ انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ یہ مکتوبات قدسہ حضرت امام ربانی کی زندگی میں ہی مرتب ہو گئے تھے اور تین دفاتر یا جلدوں پر مشتمل ہیں :

پہلا دفتر "در المعرفۃ" کے تاریخی نامت موسوم ہے۔ اس میں ۲۱۳ مکتوبات پیغمبران مرسل اور اصحاب بدر کی تعداد کے مطابق شامل ہیں، جامع کا نام خواجہ بابر محمد جدید بخش طالقانی ہے۔ دفتر دوم سے زیادہ میں تحریر ہے :

"چون جلد اول مکتوبات بہ عدد ۲۱۳ و نیز وہ مکتوب رسید حضرت ایشان سلمہ اللہ تعالیٰ فرمودند کہ بزعمین عدد ختم کنت کہ موافق عدد پیغمبران مرسل است صلوات اللہ تعالیٰ علیٰ نبینا و علیہم و علیٰ اولینا و علیٰ آلہم اجمعین تبرکاً و تیسرا بر آن عدد ختم نموده آمد"

دوسرا دفتر جس کا تاریخی نام "نور الخلائق" ہے۔ اس میں اسماء حسنیٰ کے مطابق کل ۹۹ مکتوبات درج ہیں۔ اس دفتر کے جامع خواجہ عبدالحی ابن خواجہ چاکر حساری ہیں۔ دفتر سوم کے زیادہ میں لکھا ہے :

"چوں آن جلد بہ نود و نہ مکتوب رسید کہ مطابق اسماء حسنیٰ است بر جان ختم شد در سالی کہ تاریخ آن از "نور الخلائق" ہوید است"

تیسرا دفتر "معرفت الخلائق" کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے جامع خواجہ محمد شمس کشمی ہریان پوری صاحب زبہ القامات ہیں۔ اس میں مطابق عدد سورہ قرآنی ۱۱۴ مکتوبات ہیں۔ سال تمام جلد ثالث لفظ "ثالث" سے برآمد ہوتا ہے۔ واقعہ اس جلد میں کچھ اضافی مکتوبات بھی شامل کئے جا چکے ہیں۔ اس دفتر کے مکتوب ۱۵ کے خاتمہ میں حضرت مولانا نور احمد محشی مکتوبات نے لکھا ہے کہ :

"جملہ کاتبین این جلد یک صد و چہار و ہ اندہ مطابق عدد سورہ قرآنی، پس

این نہ مکاتیب اخیرہ این جلد شاید بعد ازلان بمعرض تسوید آمدہ باشد و طبع شدہ فافہم والشہ اعلم

حضرت مولانا حافظ محمد افضل فقیر مرحوم مکتوبات معصومیہ کے پیش لفظ میں

اظہار خیال فرماتے ہیں :

”مکتوبات کی تاریخ میں حضرت امام ربانی قدس سرہ کے ہر سہ دفتر مکتوبات

جنہیں بقائے دوام نصیب ہوئی، معارف الہیہ کا ایک بحرِ ناپید انوار

ہیں۔ ان میں اسرارِ طریقت، مقامات و لائیت، اصطلاحاتِ سلسلہ عالیہ

نقشبندیہ مجددیہ کی توضیح، شیخ اکبر کے بعض احوال و مواجہہ کی تصریحات،

اوامرِ شرعیہ کے لفاظ کی ترغیب، اجلے سنتِ امامتِ بدعت شرح و

بسط سے مندرج ہیں۔ سلوکِ مجددیہ میں ان مکتوبات کا مقام اس قدر بلند

ہے کہ شاخِ سلسلہ ان کے مندرجات سے خوشی چینی کرتے رہے اور

مستقبل میں طریقت کے تازہ واردان بساطِ ہولے دل، ان رشحاتِ پاکیزہ

سے اپنا جیب و اماں بھرتے رہیں گے۔ ایسے حضرات کا وجود بہت

نہے جنہیں ان مکتوبات کے مفاسیم و مطالب پر کماحقہ عبور حاصل ہوا ہے

مکتوبات امام ربانی میں زیادہ تعداد ایسے مکاتیب کی ہے جو مسائلِ شریعت و

طریقت اور حقیقت و معرفت کی عقد و کشانی پر مشتمل ہیں۔ ہر مکتوب کالب لباب یہ ہے

کہ اسلام کو زندگی کے ہر شعبہ میں مکمل طور پر نافذ کیا جائے اور شریعتِ محمدیہ کو طریقت پر مقدم

رکھا جائے بغرض یہ مکتوبات ہر دور کے مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ اور چراغِ ہدایت ہیں۔

مکتوبات خواجہ امام بخش چشتی بہاروی ارادتمندوں کی اخلاق، اعتقادی، عرفانی

ذہنی، قلبی، باطنی، روحانی اور معنوی تربیت کا بہترین ذریعہ ہیں۔ تبلیغی اور اصلاحی اعتبار سے

ان کی اہمیت و افادیت بہت زیادہ ہے۔ بگمان غالب حضرت خواجہ امام بخش کے مکتوبات

کا یہ مخطوطہ منحصر بفرہ معلوم ہوتا ہے جو آپ کی اولاد میں سے حضرت خواجہ حاجی کریم بخش بہاروی

صاحب کے ذاتی ذخیرہ کتب اور تبرکات میں محفوظ پڑا ہے۔ اللہ کریم حضرت حاجی کریم بخش صاحب کو جزائے خیر عطا کرے کہ آپ نے اس نادر اور نایاب علمی سرے کو اہل ارادت و عرفان تک پہنچانے کے لئے اُردو لباس میں پیش کرنے کی سعی فرمائی اور اس کا رخیر کے لئے جناب پروفیسر محمد عبدالغفور غوثوی صاحب — جو جامع مسجد سرور بہادر علی خان پور میں خطیب اور گورنمنٹ کالج علی پور کے شعبہ اسلامیات میں تدریسی خدمات پر مامور ہیں — کا انتخاب فرمایا۔ غوثوی صاحب نے بڑے ادب و احترام کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دیا ہے۔ البتہ ہمیں کہیں انہوں نے آیات قرآن کی خاطر بطور حوالہ پارہ اور رکوع کا نمبر درج کیلئے جبکہ جدید طرز تحقیق کے مطابق سورہ اور آیت نمبر لکھنا چاہیے۔ مزید برآں پروفیسر حافظ الشہار فریدی صاحب نے سارے اُردو ترجمہ کے مسودہ پر ایک مرتبہ نظر ثانی کی ہے۔

یہ صرف چھبیس مکتوبات کا اُردو ترجمہ ہے۔ ان میں سے بعض مکتوبات مختصر مضامین پر مشتمل ہیں اور بعض بچھڑے ہوئے مسائل کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ یہ طویل مکتوبات رسائل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بیشتر مکتوبات سوالاً جواباً ہیں وہ اس طرح کہ کسی مُرید نے کوئی خاص مسئلہ دریافت کرنے کی غرض سے کوئی خط لکھا تو آپ نے بطور مُرشد اس کا شافی و وافی جواب بذریعہ مکتوب دیا۔ چنانچہ سوال، جواب، فائدہ، اعتراض کے عناوین بالعموم قلمبند کئے گئے ہیں۔ بعض مقامات پر گرامر اور لغوی و اصلاحی مباحث کا اندراج بھی نظر آتا ہے۔ صاحب مکتوبات نے مسلک اہل سنت و جماعت کے عقیدے کے مطابق مختلف مسائل شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت پر عالمانہ اور محققانہ انداز میں بحث کی ہے اور بعض عملی مسائل اور موفیلے خام کی خوب خبر لے کر ان کے ناپسندیدہ افعال اور عقائد پر بر ملا تنقید کی ہے۔

مضامین و مطالب اور محتویات کے لحاظ سے ان مکتوبات میں تلاوت کے آداب، ارکانِ اسلام، صوم و صلوة و حج و زکوٰۃ، توکل کے مدارج، وظائف و نوافل اور ذکر و فکر، مشائخِ چشت اہل بہشت، بیرونی مُریدی کے ثبوت میں آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور اقوال قدسیہ، سماع، آدابِ سماع، حضرت شیخ سعید معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ نسب

آباد و اجاد رسول معظم کے اسمائے مبارکہ، صلوٰۃ و سلام، رسولوں نبیوں کی تعداد، انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنا اور ان کے نام کی نذر ماننا، قطب، قطب مدار، قطب عالم، قطب ارشاد، قطب ولایت، قطب اقلیم، ابدال، نجبا، نقبا، پیری مریدی کے آداب، ذکر کے آداب، چلہ کشی کے آداب و شرائط وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اکثر مضامین و مباحث اور مسائل و فضائل کتب تواریح، تفاسیر، احادیث، فقہ، تصوف اور عرفان کے حوالے سے نقل کئے گئے ہیں۔ یہ امر صاحب مکتوبات کے وسیع مطالعہ اور مشاہدہ کی دلیل ہے طوالت سے بچنے کے لئے کتب و تصانیف حوالہ کے نام یہاں درج کرنے سے اجتناب کیا جا رہا ہے۔

مکتوبات مہارویؒ کے بعض مطالب آپ کی تالیف مخزن چشت کے ساتھ قابل مقالہ ہیں مثلاً چودہ سلاسل طریقت کا ذکر اور مولانا عبدالرحمن جامیؒ کے حوالے سے حمد کی تعریف ہر دو کتابوں میں تھوڑے بہت اختلاف سے بیان کی گئی ہے البتہ مخزن چشت میں اختصار سے کام لیا گیا ہے اور مکتوبات میں قدرے تفصیل کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ مکتوبات میں سے پُر از معلومات، دلچسپ اور مفید دو مختصر سے اقتباسات برکت کی خاطر درج کئے جاتے ہیں تاکہ قارئین کو خواجہ مہارویؒ کے طرز نگارش کا اندازہ ہو سکے:

مکتوب ۲۳ میں مرقوم ہے:

”امام احمد نے حضرت ابوامامہ سے اور حاکم نے حضرت ابوذر سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رسولوں کی تعداد پوچھی گئی تو آپ نے ۳۱۳ بتائی۔ اور انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی۔ اولوالعزم رسول چھ ہیں: آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان سب میں افضل ہمارے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی فضیلت میں دلائل و براہین بجزرت موجود ہیں۔“

مکتوب ۲۲ میں لکھا ہے:

”جاننا چاہیے کہ سید محمد بن جعفر مکی حسینی خلیفہ خاص حضرت شیخ الشیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ اپنی کتاب بحر المعانی میں فرماتے ہیں: قطب عالم زمینے میں ایک ہوتا

ہئے اُس کے وجود مسعود کے طفیل ساری مخلوقات دُنیاوی اور اُخروی کا وجود قائم و اُم
 رہتا ہے (قطب لغت میں چچی کی کیل کو کہتے ہیں جس پر تمام چچی کا مدار ہے)۔
 چنانچہ اگر قطب دُنیا میں نہ ہوں تو انتظامِ عالم تباہ و برباد ہو جٹے۔ ...“
 یہ مجموعہ مکتوبات چشمہ فیوض و برکات اور مخزنِ رشد و ہدایت ہے۔ اس میں ایک
 طرف حقائق و معارف شرعیہ کے دریا بہ رہے ہیں۔ اور دوسری طرف اسرارِ الہیہ و
 اوارِ قدسیہ کے بیش بہا خزینے دفن ہیں۔ مترجم نے ان خزینوں اور دفینوں کو برآمد
 کرنے کی مقدور ہمبر کوشش کی ہے۔ مکتوبات کی عام زبان سلیس فارسی ہے جو ہر قسم کی
 پیچیدگیوں سے پاک صاف ہے۔ خواجہ مہارویؒ نے اسے آیات و احادیث اور اقوال
 و اشعار سے خوب مزین کیل ہے۔

راقم الحروف احقر اختر چیمہ نے پیشتر ازیں خواجہ امام بخش مہارویؒ کے علمی مقام
 کی شناخت کے لئے درج ذیل کام انجام دیئے ہیں:

۱۔ تعارفِ مخزنِ چشت خواجہ امام بخشؒ کے نام سے ایک کتابچہ ترتیب دیا جسے
 چشتیہ اکادمی فیصل آباد نے ۱۹۸۸ء میں زیور طباعت سے آراستہ کیا۔

۲۔ مخزنِ چشت تالیف خواجہ امام بخش مہارویؒ کے مکمل اردو ترجمہ پر دیباچہ لکھا جو
 چشتیہ اکادمی فیصل آباد کے توسل سے ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا۔

۳۔ ”نگاہی بہ کتابِ مخزنِ چشت کے عنوان سے فارسی مقالہ لکھ کر فصلنامہ دانش
 اسلام آباد شمارہ : ۱۳ میں بہار ۱۳۶۷ شس میں چھپوایا۔

۴۔ ”تذکرہ مخزنِ چشت کا جائزہ“ مضمون تحریر کر کے ماہنامہ ضیائے حرم لاہور جلد ۲۲
 شمارہ : ۱۰ ماہ اکتوبر ۱۹۹۲ء میں طبع کرایا۔

۵۔ پاکستان میں فارسی ادب، از ڈاکٹر ظہور الدین احمد، ادارہ تحقیقات پاکستان
 دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۹۹۰ء۔ جلد پنجم انگریزی عہد ۱۸۴۹ء تا ۱۹۲۷ء کے شعراء
 و مصنفین میں خواجہ امام بخشؒ کو بھی شامل کرایا۔

۶۔ مخزنِ چشت کا مکمل اردو ترجمہ چھپنے پر گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں شعبہ فارسی کے توسط سے تقریباً روزنامی کا اہتمام کیا جس میں پاکستانی اور ایرانی سکالروں نے مقالے پڑھ کر کتاب، صاحب کتاب اور مترجم پروفیسر افتخار احمد چشتی صاحب کو خراج عقیدت پیش کیا۔

خواجہ امام بخش مہارویؒ کی جملہ تصانیف میں سے گلشن ابرار (اردو ترجمہ موسوم بہ ہدیۃ الاخیار) اور مخزنِ چشت کے اردو تراجم پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ اور مکتوبات کے ترجمہ کی خاطر خواجہ کریم بخش مہارویؒ صاحب کی کوششیں بار آور ثابت ہوئی ہیں۔ انہوں نے اپنے مرید پروفیسر غوثی صاحب کی وساطت سے ان کا ترجمہ کروایا اور پروفیسر چشتی صاحب مدظلہ العالی کو اشاعت کی ذمہ داری سونپی جسے انہوں نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دیا اور ناپتیز کو دیباچہ لکھنے کی سعادت عطا فرمائی۔

عرض کروں کہ بندہ کے دل و دماغ میں مکتوباتِ مشائخ کے اہم اور وسیع موضوع پر تحقیقات کی بات ایک عرصہ سے جاگزیں تھی کہ کسی محقق کو مضبوط اعصاب کے ساتھ اس موضوع پر تحقیق کے لئے کمر بستہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ راقم الحروف نے اپنی اس تحریر میں مکتوب نگار مشائخ کرام کے نام جمع کر کے ایک ہلکی سی جھلک دکھادی ہے۔ اللہ کرے اب کوئی مردِ مجاہد اٹھے اور مخلصانہ کاوش و جستجو کے ساتھ فارسی کے صوفیانہ مکتوبات کے مخطوطات اور مطبوعہ نسخہ جات کی مدد سے بہ احسن طریق اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔

آخر میں بندہ چشتیہ ایک ڈی فیصل آباد کے سرپرست اور معاونین کی خدمت میں اس کارِ خیر کو انجام دینے اور ایک گمنام کتاب کو متعارف کرانے پر مبارکباد پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ خداوند تعالیٰ انہیں توفیقِ مزید سے نوازے۔

آمین ثم آمین



تعارف

از: پروفیسر منظور حسین سیالوی، ایم اے،
شعبہ عربی، گورنمنٹ کالج، فیصل آباد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مکتوبات و ملفوظات کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود دین اسلام کی۔ ہر دور میں مسند ارشاد پر فائز ارباب شریعت و طریقت نے اسلام کی تبلیغ، تعبیر اور تشریح کے لئے دوسرے وسائل کے ساتھ ساتھ مکتوبات و ملفوظات سے استفادہ کیا۔ لہذا ان کی دینی اور علمی اہمیت و افادیت مسلم ہے جس میں اختلاف رائے کی گنجائش نہیں۔ تصوف کے تمام سلاسل اور بالخصوص سلسلہ عالیہ چشتیہ کا یہ امتیاز ہے کہ ہر خالقاہ کا صاحب سجادہ علوم ظاہری و باطنی اور کردار و عمل میں اپنے پیش رو کا نعم البدل ثابت ہوا جس سے اس خالقاہ کے علمی اور روحانی فیوضات کا تسلسل قائم رہا۔

ان مردان صدق و صفائے اپنے سوزِ باطنی سے ایمان و ایقان کی ایسی شمعیں روشن کیں جن سے تاریک دلوں میں نورِ حق کے فانوس روشن ہوئے۔ ان روشن ضمیر بزرگوں کی خالقاہیں ہمذیب اخلاق اور تزکیہ نفس کی تربیت گاہوں کے علاوہ علوم ظاہری کے مفید ادارے تھے۔ اس ضمن میں قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد بہاروی رحمۃ علیہ سے حضرت خواجہ میاں نور جہانیاں محمودی بہاروی رحمۃ علیہ تک کے سلسلہ الذہب کی مثال ضرب المثل کا درجہ رکھتی ہے۔ زیر نظر مکتوبات شریفہ حضرت خواجہ امام بخش بہاروی رحمۃ علیہ کے علمی و روحانی فیوضات ہیں۔ مسودہ کی کتابت پر نظر ثانی کی غرض سے مجھے بالاستیعاب مطالعہ کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یہ مکاتیب شریفہ جہاں مصنف کے تجرید علمی اور تفوق روحانی کے آئینہ دار ہیں، وہاں عالم اسلام میں بالعموم اور تبرہ صغیر میں بالخصوص درپیش علمی اور اعتقادی مسائل کا خوب صورت تجزیہ اور حقیقت پسندانہ حل بھی ہیں۔

مصنف موصوف نے اُمتِ مسلمہ کی عملی کوتاہی اور اعتقادی کمزوری کی تشخیص فرما کر قرآن مجید، حدیث پاک، آثارِ صحابہ، اقوالِ اولیاء اللہ، لغت اور تاریخ سے جو علاج تجویز فرمایا ہے اس سے معتقدات میں پائی جانے والی تشکیک بھی ختم ہو سکتی ہے اور اسلام کے گلشنِ عمل میں بہار بھی ٹوٹ آئے گی۔ ملتِ اسلامیہ کو علمی معالطوں کے گرداب سے نکلنے کے لئے ان مکتوبات کی اشاعت وقت کا اہم تقاضا ہے۔

مصنف موصوف کی تحریر میں قرآن و حدیث سے استہشاد کے علاوہ اقوالِ صوفیاء، عربی، فارسی اور اردو کے اشعار کا بر محل استعمال آپ کے علمی اور ادبی ذوق پر شاہِ عادل ہے۔ تفہیمِ مسائل کے لئے حکیمانہ اسلوبِ تحریر آپ کی مُبتغانہ بالغ نظری کا بین ثبوت ہے۔ مسلکی اور اعتقادی اختلاف کے باوجود مخالفین کے لئے مقلد اور محتاط زبان کا استعمال آپ کی مذہبی رواداری اور خیر خواہی کا واضح ثبوت ہے۔ مختصراً یہ نادر علمی دستاویز ہمارے دینی ادب میں ایک مفید اور ناگزیر اضافہ ہے۔ اللہ کریم اس "کھینٹے سعادت" کی اشاعت میں کسی طرح بھی تعاون کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میں نہایت عاجزی سے بارگاہِ ذوالجلال والا کلام میں بدست بدعا ہوں کہ مولا! آسمانِ علم و حکمت کے آفتاب و ماہتاب، ورثۃ الانبیاء، ہمارے اسلاف صالحین کی مسانید پر فائز بزرگوں کو توفیق عطا فرما کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے نقشِ قدم پر چل کر اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں اپنا روایتی کردار ادا کریں کیونکہ تمام خوش عقیدہ عقیدت مندوں کی نگاہیں خالق ہوں پر اور شاہینوں کے نشیمن پر متصرف صاحبانِ تجاہد پر مرکوز ہیں سے
 ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد



عرض مرتب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ

تبلیغ اسلام اور نفاذ شریعت کا اہم فریضہ جس کو نور اور دلنشین انداز میں مشائخ چشت نے انجام دیا، وہ تاریخ اسلام کا اہم ترین باب ہے۔ مشائخ چشت میں قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد بہاروی رحمۃ اللہ علیہ کو اہم مقام حاصل ہے۔ صاحب مناقب المجویں نے لکھا ہے کہ ”سب سے پہلی شخصیت جس نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اس ملک پر اپنا سکہ جمایا، حضرت خواجہ نور محمد بہاروی تھے۔ اُس آفتاب جہاں تاب کے فیض سے ہزاروں ذرے آفتاب کی مانند نمایاں ہوئے۔ چاروں طرف آپ کے خلفاء پھیل گئے اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے سلسلے میں دیگر سلاسل کی رونق اس طرح کم ہو گئی جیسے آفتاب کے سلسلے ستاروں اور چہرہ غوں کی روشنی مانند پڑ جاتی ہے۔“

حضرت قبلہ عالم کے وصال (۳ ذوالحجہ ۱۲۰۵ھ) کے بعد آپ کے تاجداران عالی مقام اور آپ کی اولاد ذی وقار نے بھی دین و سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ کما حقہ انجام دیا۔ آپ کے خاندان ذی شان میں آپ کے پڑ پوتے حضرت خواجہ امام بخش بہاروی رحمۃ اللہ علیہ کو علم و فضل اور سلوک و معرفت میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ مخدومی حضرت میاں نور جہانیاں مخدومی بہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے مخزن چشت، اردو ترجمہ کے ”دُعائیہ“ میں تحریر فرمایا ہے کہ ”خواجہ امام بخش بہاروی رشتہ کے اعتبار سے قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد بہاروی کے صاحبزادے خواجہ نور احمد بہاروی کے پوتے ہیں۔ اس نسلی و معنوی تعلق کے علاوہ لاریب و بلا مبالغہ آپ عالم بے مثال، فاضل جلیل اور صوفی کامل ہیں۔“

حضرت خواجہ امام بخش بہاروی کی تصانیف خمسہ میں سے دو تصانیف گلشن ابرار

اور مخزنِ چشت کے اردو تراجم حضرت میاں نورجہانیاں محمودی بہاروی (تجاوہ نشین ہشتم درگاہِ معلیٰ قبلہ عالم خواجہ نور محمد بہاروی) کی زیر نگرانی و سرپرستی شائع ہو چکے ہیں۔ مکتوبات، حضرت خواجہ امام بخش بہاروی کی تیسری تصنیف ہے، جس کا اردو ترجمہ مکتوبات بہاروی کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے۔

خواجہ امام بخش بہاروی کا وصال ۲۰ صفر ۱۰۳۰ھ کو ہوا۔ مکتوبات یقیناً ۱۰۳۰ھ میں تحریر کیے گئے۔ اس حساب سے تقریباً دو سو سال بعد ان کا اردو ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس اردو ترجمہ کا تمام اجر و ثواب حضرت میاں کرم بخش صاحب بہاروی دامت برکاتہم کو جاتا ہے۔ کیونکہ آغاز ترجمہ سے اختتام طبعیت تک کے تمام مراحل آپ ہی کی ظاہری و باطنی نگرانی و سرپرستی میں انجام پذیر ہوئے ہیں۔

چند سال قبل آپ کا ارادہ ہوا کہ مکتوبات کا اردو ترجمہ شائع کیا جائے۔ آپ نے اپنے ذاتی کتب خانہ کے خطی نسخہ کو اردو ترجمہ کے لئے اپنے والد گرامی حضرت خواجہ محمد غوث بہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ارادت مند پروفیسر محمد عبدالغفور غوثی صاحب کے سپرد کیا۔ انہوں نے نہایت عقیدت و محنت سے اردو ترجمہ کیا۔ پروفیسر حافظ الٹو صاحب فریدی نے اس ترجمہ پر نظر ثانی کی۔ اس کے بعد جناب حاجی صاحب دامت برکاتہم نے یہ مسودہ اس خادم الفقراء کو کتابت، طبعیت اور اشاعت کے لئے عطا فرمایا۔

خاکسار نے کتابت کروانے کے بعد یہ مسودہ آپ کی خدمت میں مہار شریف بھیج دیا تاکہ آپ خود اس کتابت شدہ مسودہ کو دیکھ لیں اور ترجمہ و کتابت کی غلطیاں لگا کر مناسب اصلاح فرمادیں۔ چنانچہ آپ نے مناسب ترمیم و اصلاح کے بعد مسودہ واپس ارسال فرمایا۔ آپ کی اجازت سے جناب پروفیسر منظور حسین صاحب سیالوی نے بھی نظر ثانی کی اور آخر میں جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی صاحب نے اصلاح کے ساتھ ساتھ چند نہایت قیمتی مشورے بھی عطا کیے۔

ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد اس ترجمہ کو شائع کیا جا رہا ہے اور اہل مسلم عرفان کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف ضروری ہے کہ اس

کارِ خیر کے آغاز سے لے کر آخر تک شیخِ کریم جناب حاجی کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاتہ نے بے حد کرم فرمایا۔ ہر مرحلہ پر بذریعہ خط و کتابت راہ نمائی فرمائی۔ صاحبِ مکتوبات کے احوال مناقب ارسال فرمائے اور ان کی تصانیف کا مختصر تعارف بھی عطا کیا، جنہیں اس کتاب کے حصہ سوم میں شامل کیا جا رہا ہے۔ دعائیں تو بے حد و حساب دیں۔ یہ کتاب درحقیقت جناب حاجی صاحب دامت برکاتہ کی آرزو توجہ، رہنمائی، فیضان، معاونت اور سرپرستی سے ہی مکمل ہوئی ہے۔

اس اعتراف کے پیشِ نظریہ خاکسار اس کتاب، مکتوباتِ مہاروی کو جناب حاجی کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاتہ کی خدمتِ عالیہ میں بصدِ عجز و نیاز پیش کر رہے ہیں۔
مگر قبولِ امتِ ذرہ سے عزت و شرف!

خادم الفقراء

انصار احمد چشتی مدظلہ العالی

کاشانہ چشتیہ، فیصل آباد، پاکستان



حدیثِ پاک

حضرت نبی کریم ﷺ
اللہ علیہ وسلم

حضرت عقبہ بن عامرؓ نے پوچھا
”جنت کا ذریعہ کیا ہے؟“

فرمایا

- اپنی زبان قابو میں رکھ۔
- بلا ضرورت گھر سے نہ نکل۔
- اپنے گناہوں پر آنسو بہا۔

(از مرتب)

خطی نسخہ کے اوراق
بظور قبارک

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَتَسْمِعُهُمْ

سَنَاسِئِهِمْ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ
 لَوْ قُلَّمُونَ مَوْجُودَاتِ لَوْعِ الْبَنَاتِ بِمَوَارِثِ كَمَا خَوَّلْتِ
 اِحْسَنَ لِقَوْمٍ بِيَدِ اسَاقِطَةٍ وَازْعِنَاتٍ شَاظِلَةٍ اَزْجَدِشِ بِمَدَائِدِ
 صِرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ نَوَاقِطٍ وَوَجُودِشِ بِمَجْلُوفِ خَلْدِشِ الْبَاقِ
 فِي الْاَرْضِ خَلِيفَةٍ وَبِشِشِ رَايَا كَلْبِشِ كَرَامَتِ وَتَقْدِ كَرَمَاتِشِ اَوَّلِ
 اَوَاقِطِ وَازْجَاهِشِ لَلْفِ وَكَرَمِشِ بِنِعْمَتِ الْمَلِكِ مَرَّةِ اَلْحَمْدِ
 وَالْمَلِكِ سَرِي وَانَا سَدُو بِرِوَاقِشِ بِتِ جَوَانِ حَامِعِ اَسْمَاءِ اَمْرَانِ
 كَرَامِي لَوْ اَزْجُو رِيَا بِرَامِدِ لَسَ زَمَانِ بِرِزِيَا وَكَلَاكِ قَا صِرَالِيَا حَمِي
 فَرَاوَانِ وَبِحَمِي لَسَ بِبَايَانِ اَنْ فَرَاوَانِ اَسْمَانِ رَا بِكِدَامِ شَرِيحِ وَبِيَا
 بِحِيَرِ وَبِيَا لَقَرِي رَا وَزِدِشِ كَرَمِي كَرَمِي كَرَمِي لَقَرِي لَقَرِي

یعنی چگونه شکر کند بر زبان خویش است و صفت حکند زبان عاجز
 برتر شده زوهم و اوراکت در و نامی و در محمود و حیرت که باعث ایجاد
 کائنات است و عدتہ غار جمیع ممکنات کہ لولاک کا خلقت اللہ
 و لولاک کا اظہرت الربوبیتہ شان اوست فرد محمد کہ بودی کسی بود
 بودی ہر دو عالم را وجود. وصلی اللہ علی نور کز و شد نور کا پیدا
 زمین از حکم او ساکنہ فلک از عشق او شیدا. اگر نام محمد را نیاورد شیخ
 آدم نہ آدم یافتی توبہ نہ نوح از غرق نجینا. و مدح حضور پاک صاحب
 لولاک کوه قاف را بسوزن بسودن است و ریگ میان را بکمال
 پیودن مودت زہر سیر تو مشرف سراج لولاک. طفیل است مغز چہ لوز و
 چرخاکی ظہور کرد چو لوزت کبسوتہ آدم شدند ساجد تو ساکنان افلاک
 عروج کرد چو لوزت سراج افلاک ملائکہ ہمہ کردند میل فترا از شرح
 صدر تو آمد عیال الم شرح. زو صفت حسن و جمال تو ما عرفنا کی یا بکلہ
 اخرا ان من اللطف و کرم کہ میو میگذرد روز و شب یعنی کی زنا حسن و
 جمالت چہ میکند عاجز کہ برتر است ثنابت ز حد ادراک و برآل

تعارف
صاحبِ مکتوبات
نگرانِ مکتوبات

خواجہ امام بخش بہاروی الشہیدؒ کی تصانیف

مکتوبِ گرامی جناب میاں کریم بخش صاحب بہاروی دامت برکاتہ

”جناب نے خواجہ امام بخش صاحبؒ کی تصانیف کی تواریخ تصنیف کے متعلق لکھائے۔ کتابوں پر درج تواریخ حسب ذیل ہیں:

گلشن ابرار:

گلشن ابرار پر منظوم تاریخ تصنیف نقل شدہ لفب ہذا ہے:

کہ اینک نسخہ محبوب و منقول

شدہ از دستِ این بیچارہ مکتوب

بہ احوالِ مشائخ با صفائے

کہ ہر یک بود حق را راہنمائے

چوں نامش گلشن ابرار کردم

برائے شائقان گلزارِ کردم

چو از تسویدِ ریش باز گشتم

بتاریخش تفکر ساز گشتم

خرد چوں دید گلزارِ شگفتہ

درد گلہائے گوناگون شگفتہ

بیدار شس شدہ پرفرح و سرور

بگفت گلشن ابرار مبرور

(۱۲۸۳ھ / ۱۲۸۴ھ)

گلشن ابرار کا اردو ترجمہ بسعی مشکور برادرِ خواجہ نور جہانیاں حسب مرحوم

دو ہزار کی تعداد میں چھپا تھا۔ پھر نہیں چھپا۔ بعد میں کچھ حصہ گلشن ابرار کا،
برادرم صاحب موصوف مرحوم نے پھر چھپوایا تھا۔

دیوان عاجز:

فارسی نسخہ کوئی بھی نہیں چھپا، سوائے دیوان عاجز کے۔ مگر دیوان مطبوعہ
اور قلمی دونوں پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔ مطبوعہ پر آخر میں یہ تحریر درج ہے:
”حسب الفرائش عالیجاہ قادر حسن خاں، مہتمم دفتر محکمہ چیف انجینئر و
معمد تعمیرات عامہ، سرکار آصفیہ، حیدرآباد دکن“
(مکتوبات (زیر ترتیب اردو ترجمہ مکتوبات) کے شروع میں لکھنے کے لئے
چند اشعار دیوان عاجز سے نقل کئے گئے ہیں۔ ان میں سے لکھوادیں تو مناسب
رہے گا۔)

مکتوبات:

مکتوبات شریف کا قلمی نسخہ دعاگو کے پاس ہے۔ اس کی تاریخ کتابت
”وقتِ ضحیٰ بروز جمعہ پانچ ذیقعد ۱۳۱۱ھ بقلم فخر الدین“ تحریر ہے۔ مصنف کا دستی
تحریر کردہ نسخہ نہیں ہے۔

دعاگو

کریم بخش مہاروی

(نمبر ۱۹۹۲ء)

(نوٹ: حضرت خواجہ امام بخش مہارویؒ کی دیگر دو تصانیف ’مخزنِ چشت اور
پنج گنج کے بارے میں آپ نے اس مکتوب گرامی میں تحریر نہیں فرمایا۔ مرتب)

صاحبِ مکتوبات

حضرت خواجہ امام بخش بہاروی رحمۃ اللہ علیہ

از حاجی کریم بخش صاحب بہاروی دامت برکاتہ

حضرت خواجہ امام بخش بہاروی رحمۃ اللہ علیہ کا نسب نامہ قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد بہاروی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر آج تک حسب ذیل ہے۔

حاجی کریم بخش بن خواجہ محمد غوث بن خواجہ محمد عارف بن خواجہ کریم بخش بن خواجہ امام بخش بن خواجہ غلام فرید بن خواجہ نور احمد بن حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد بہاروی۔

خواجہ محمد عارف کے تین فرزند حسب ترتیب یہ تھے۔ خواجہ محمد غوث، حافظ غلام نور محمد اور حاجی غلام فرید۔ خواجہ محمد غوث کے فرزند ان کریم بخش و غلام رسول ہیں۔ حافظ غلام نور محمد کے فرزند غلام دستگیر ہیں۔ اور حاجی غلام فرید کے فرزند محمد ناصر ہیں۔

کریم بخش کے فرزند ان محمد سعید، محمد مسعود، محمد اجمل اور محمد ظفر ہیں۔ غلام رسول صاحب کے فرزند محمد فیض، محمد عارف اور محمد خالد ہیں۔ غلام دستگیر صاحب کے فرزند ان محمد اسلم، امام بخش، احمد حسن اور خضر حسن ہیں۔ محمد ناصر صاحب کے فرزند غلام فرید ہیں۔

خواجہ امام بخش صاحب کا علمی تبحر محتاج بیان نہیں۔ ان کی تصانیف ہی اس کے لئے کافی و وافق ہیں۔ آپ کی پانچ عدد تصانیف ہیں جو کہ دعا گو کے علم میں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی اور تصنیف بھی ہو جس کا علم نہ ہو۔

۱۔ گلشن ابرار۔ جو کہ حضرت قبلہ عالم صاحب ان کی اولاد و خلفاء کی سوانح اور ان کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔

۲۔ مخزنِ چشت۔ جو کہ سلسلہ چشتیہ کے حضرات کے کوائف و درجات پر مشتمل ہے۔

۳۔ مکتوبات۔ جس میں آج کل کے علماء کے مختلف فیہ مسائل کے جوابات قرآن و حدیث کی روشنی میں لکھے گئے ہیں اور کہیں کہیں وحدۃ الوجود پر بھی روشنی ڈالی گئی

ہے۔ جس کا طریقہ تحریر اس طرح ہے کہ شیخ کی خدمت میں سوال نامہ لکھا گیا ہے اور شیخ کی طرف سے اس کا جواب لکھا گیا ہے۔ جو کہ فارسی میں ہے۔

۴۔ دیوانِ عاجزہ۔ جو منظوم کلام کا مجموعہ ہے۔ آپ کا تخلص عاجز تھا۔ اور یہ حمد و ثناء کے علاوہ حبِ اللہ و حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور وحدت الوجود پر مشتمل ہے۔ آخر میں سلسلہ چشتیہ بھی منظوم ہے۔

۵۔ پنج گنج۔ جو حضرات سلسلہ چشتیہ کے خمس الاوقات اور ادب پر مشتمل ہے اور ساکین کی رہبری و بہولت کے لئے لکھی گئی ہے۔

راقم نے اپنے بزرگان سے سُنلے کہ آپ کا طریقہ تصنیف اس طرح ہوتا تھا کہ رات کو صلوٰۃ و طعام کے بعد آرام فرماتے تھے۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد بیدار ہوتے اور اہلیہ سے فرماتے ”کریم بخش کی والدہ دیاروشن کرو“ وہ نیک بخت خاتون دیاروشن کر کے ہاتھ میں تھامے رہتی اور آپ تحریر فرماتے رہتے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر محو خواب ہو جاتے۔ کچھ وقت آرام کے بعد پھر دیا جلانے کی فرمائش ہوتی اور کتاب تحریر ہوتی اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا۔

دن کو وظائف اور ضروری کاروبار اور عوام الناس سے میل جول کا سلسلہ رہتا۔ حضرت والدِ صاحب سے مذکور ہے کہ اہم ذات کا ورود اس کثرت سے فرماتے تھے کہ کوئی وقت خالی نہ جاتا اور جب ضرورت بشری کے لئے تشریف لے جاتے تو زبان مبارک کو ہاتھ سے پکڑے رہتے تاکہ ناپاک جگہ پر اہم ذات کا ورود نہ ہو۔

خواجہ غلام فرید صاحب آپ کے والد بھی تھے اور رہبر بھی کہ حضرت محبوب اللہ سے انہیں کے ذریعہ آپ کو نعمت باطنی ملی۔ مگر جب خواجہ غلام فرید صاحب حلقہ اجاب میں جلوہ افروز ہوئے اور خواجہ امام بخش صاحب احتراماً والد صاحب کی پشت کے پیچھے آکر تشریف رکھتے تو خواجہ غلام فرید صاحب بوجہ ضعف پیری اور متورم پاؤں کے اجاب سے فرماتے کہ ”یارو میری بیٹھ پھیر دو۔ میاں صاحب کو میری بیٹھ ہو رہی ہے۔ باپ بیٹے کا اس قدر احترام فرماتے تھے لیکن یہ نہ فرماتے کہ بیٹا میری بیٹھ پیچھے کیوں

بیٹھے ہو۔ ادھر آکر سامنے بیٹھو۔

والد صاحب سے نقل ہے کہ آپ کے فرزند خواجہ کریم بخش صاحب سخت بیمار ہو گئے۔ علاج وغیرہ غیر موثر ثابت ہوا۔ ادھر حضرت محبوب اللہ صاحب کے عرس مبارک کی تاریخ آن پہنچی۔ تو آپ نے میل گاڑی تیار کی اور اس پر گدے وغیرہ ڈال کر بیمار بیٹے کو سوار کیا اور حاضری عرس کے لئے عازم خیر پور شریف ہوئے۔ چند دنوں میں سفر طے ہوا۔ اپنے پیرو مرشد کی بارگاہ میں حاضری دی۔ علاقہ مظفر گڑھ کا رہنے والا حکیم اللہ بخش صاحب بھی ہمیشہ عرس مبارک پر حاضری دیتا تھا۔ وہ آکر قدم بوس ہوا۔ تو آپ نے حکیم صاحب کو فرمایا کہ حکیم صاحب عزیزم کافی تکلیف میں ہے اس کا علاج کرو۔ حکیم صاحب نے عرض کیا کہ حضور اپنے شیخ سے اجازت لے دیں تو علاج کروں گا۔ ورنہ معاملہ نازک ہے۔ میں معافی چاہتا ہوں۔ آپ دوبارہ بارگاہ شیخ میں حاضر ہوئے اور واپس آکر فرمایا کہ حکیم صاحب اجازت مل گئی ہے۔ علاج شروع کرو۔

چنانچہ حکیم صاحب نے خواجہ کریم بخش صاحب کے لئے مسہل تجویز کیا۔ اس کے استعمال سے خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔ حکیم صاحب کا حوصلہ بندھ گیا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ صاحب اگر ٹھوک لگی ہے تو فرمائش کرو کیا کھانا چاہتے ہو۔ خواجہ کریم بخش صاحب نے کہا کہ حکیم صاحب کیا فرمائش کروں تم کون سا مریخ پلاؤ کھلاؤ گے حکیم صاحب نے مریخ پلاؤ تیار کرایا۔ اور آپ کو کھلایا۔ اور دوران عرس مبارک علاج ہوتا رہا۔ عرس شریف ختم ہوا نصحت ہو کر گھر کو روانہ ہوئے۔ خواجہ کریم بخش صاحب واپس گھوڑے پر سوار ہو کر گھر تشریف لائے۔ جب باپ بیٹا اذرون خانہ تشریف لائے تو خواجہ امام بخش صاحب نے اپنی اہلیہ کو فرمایا کہ مبارک ہو تمہارا بیٹا شفا یاب ہو گیا ہے۔ میں نے اپنی عمر کے بیس سال اسے دے دیئے ہیں اور ایسا ہی ہوا۔ آپ کے وصال کے بیس سال بعد ۲۲ ربیع الاول کو حضرت خواجہ کریم بخش صاحب کا وصال ہوا۔

آپ عرس مبارک کی تقریب سے فارغ ہو کر رخصت ہونے سے قبل حسب معمول استاذ عالیہ میں حاضر ہوئے تو آبدیدہ ہو کر باہر تشریف لائے۔ اس وقت آپ کے ہمراہ

اور لوگوں کے علاوہ مولوی عمر بخش صاحب بھی تھے جو خیر آباد کے علاقہ کے رہنے والے تھے اور مہار شریف میں صاحبزادگان کی تعلیم و تربیت کے لئے قیام پذیر تھے۔ ان سے آپ نے فرمایا کہ مولوی صاحب آپ نے بھی اگلا مصرعہ نہ پڑھا۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ مجھے تو کچھ معلوم نہیں کہ ماجرا کیلئے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سابقہ اعراض پر جب بندہ رخصتی کے لئے حاضر ہوتا تھا تو حضور مخدومی و مرشدی یہ شعر فرمایا کرتے تھے:

بِسْفَرِ فِتْنَتِ مُبَارَكِ بَادِ

بِسَلَامَتِ رُوی و باز آئی

اس دفعہ آپ نے پہلا مصرعہ فرمایا ہے۔ دوسرا نہیں فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری حاضری ہے۔

حضرت والدہ صاحبہ سے نقل ہے کہ ایک دفعہ خواجہ امام بخش صاحب مظفر گڑھ اور ملتان کے علاقہ سے تبلیغی دورہ فرما کر گھر تشریف لائے تھے۔ ابھی دو تین دن کی مسافت مہار شریف سے دور تھے کہ رات کو خواب میں حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ صاحب میری طرف آؤ۔ علی الصبح آپ نے فیصلہ فرمایا کہ چونکہ گھر سے حضرت والدہ صاحبہ کی بیماری کی اطلاع آئی ہے۔ اس لئے بقایا سفر جلد طے کر کے والدہ صاحبہ کی خدمت میں حاضری دی جاوے اور بعد ازاں عازم تونسہ شریف ہونا چاہیے۔ اسیلئے آپ نے وہ دن بھی گھر کی طرف سفر میں گزارا۔ دوسری شب پھر حضرت پیر پٹھان کی زیارت ہوئی اور ذرا ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد ہوا کہ صاحبزادہ میں آپ کو اپنی طرف بلاتا ہوں اور آپ گھر کی طرف جاتے ہیں چنانچہ علی الصبح خواجہ امام بخش صاحب نے گھر کا ارادہ بدل دیا۔ باقی ہمراہیوں کو گھر بھیج دیا اور خود ایک خادم کو ہمراہ لے کر زانی تونسہ شریف ہوئے۔

حضرت صاحبہ تونسوی کی خدمت میں عافری دی اور وہیں مقیم ہو گئے۔ حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ عاجز کے پاس اپنے شیخ کویم کی مُصَنَّفِ تَوْفِیْقِیَہِ شَرِیْفِہِ جو کہ وحدت الوجود میں ہے، ہمراہ ہے۔ حضور براہِ کرم عاجز کو سبٹھا پڑھا دیں تو مہربانی ہوگی۔

آپ نے آمادگی ظاہر فرمائی اور درس شروع ہوا۔ کچھ دن کے بعد خواجہ امام بخش صاحب بیمار ہو گئے۔ اور اس قدر بیمار ہوئے کہ اٹھنے بیٹھنے سے معذور ہو گئے اور نماز بھی اشاروں سے ادا فرماتے تھے۔ ننگر کا حکیم علاج کے لئے آتا رہا۔ مگر افاقہ نہ ہوا۔ ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار لگا ہوا ہے، حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان صاحب بھی موجود ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفید پوشاک آپ کے پیرو فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ امانت امام بخش کے پیرو دکر دینا۔ صبح آپ خواب پر غور فرما رہے تھے کہ حضرت تونسوی کی طرف سے خادم خاص جوڑا لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور کا حکم ہے کہ آپ غسل فرما کر یہ نیا جوڑا پہن لیں۔ آپ نے فرمایا کہ خلیفہ صاحب غسل کیسے کروں گا بہت کمزوری ہے۔ خادم نے عرض کیا کہ غلام کو تاکید کی حکم ہے چنانچہ جس طرح بھی ہوا آپ نے غسل فرمایا اور جوڑا پہنا۔

آپ فرماتے تھے کہ صبح کی نماز میں نے اشارہ سے پڑھی اور ظہر کی نماز پر پورے رکوع و سجود کئے اور اسی طرح دو تین دن میں طبیعت بالکل سنبھل گئی حضرت سے واپسی کے لئے اجازت چاہی تو اجازت مل گئی جب رخصتی کا وقت ہوا تو خواجہ امام بخش صاحب نے عرض کیا کہ غریب نواز آپ تو بوجہ ضعف میری کے بہار شریف تشریف نہیں لاسکتے بہار شریف میں کچھ مستورات اور پتھے ہیں جو حضور کی بیعت کی خواہش رکھتے ہیں اور یہاں بھی حاضر نہیں ہو سکتے۔ ان کے لئے کیا حکم ہے۔ آپ نے اپنا ایک پیرا بن منگوا یا اور صندل کے پانی میں دست مبارک بھگو کر پیرا بن مبارک پر پنجہ ثبت فرمایا اور فرمایا کہ آپ اس کی آستین میں اپنا بازو ڈال کر جس کو بیعت فرماؤ گے وہ میری بیعت ہوگا۔ آپ زحمت ہو کر گھر تشریف لائے اور والدہ کو بخرتیت پایا اور اپنے خاندان کے افراد کو بیعت فرمایا، جن میں آپ کے چھوٹے بھائی خواجہ کمال الدین صاحب بھی شامل تھے۔ وہ پیرا بن آج تک موجود ہے۔ حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ جو نعمت انہیں اپنے شیخ سے ملی تھی، اس کی تکمیل حضرت پیر پٹھان نے فرمائی۔

حضرت عموم حافظ غلام نور محمد صاحب جو کہ فی الحال یقید حیات ہیں سے مروی

ہئے کہ خواجہ امام بخش صاحب اکثر حضرت امیری غریب نوازؒ کے عرس مبارک پر حاضری دیتے رہتے تھے۔ آپ حاضری عرس کے لئے معہ قدام امیر شریف کی جانب روانہ ہوئے راستہ میں آپ کو خواب میں حضرت امیری غریب نوازؒ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ اس دفعہ آپ سابقہ راستہ چھوڑ کر کچیرہ کے راستے آئیں۔ آپ کو راستہ میں حضرت حمید الدین ناگوری کی اولاد ملے گی۔ وہ آپ سے بیعت کی خواہش کریں گے، ان کی بیعت لے لینا۔ ادھر حضرت ناگوری صاحب کی اولاد نے امیر شریف حاضر ہو کر حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ غریب نواز ہم لوگ کافی تعداد میں بے مُرشد پھرتے ہیں۔ آپ ہماری رہبری فرمائیں کہ ہم کس سے بیعت کریں۔ ان کو بھی حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے خواب میں فرمایا کہ پنجاب سے اس شکل کے صاحب میرے عرس پر تشریف لائے ہیں۔ تم ان کا انتظار کرو۔ جب ان کو پاؤ تو ان سے بیعت کرو۔

جب خواجہ امام بخش صاحب کسی مقام پر سابقہ راستہ چھوڑ کر نئے راستہ پر چل نکلے تو خادم خاص منشی شیر محمد نے عرض کیا کہ غریب نواز آپ راستہ بھول رہے ہیں بلکہ ادھر رہے۔ آپ چونکہ تسبیح پر کوئی وظیفہ پڑھ رہے تھے۔ درمیان میں کلام نہیں سنا تھا۔ اس لئے ہاتھ سے اشارہ کیا اور ہوں ہوں کی آواز نکالی۔ یعنی یہی ٹھیک ہے۔ اور چلتے رہے۔ جب کچیرہ کے قریب پہنچے، تو لوگ راہ دیکھ رہے تھے، سب گاؤں سے باہر نکل آئے اور آپ کو مہمان ٹھہرایا۔ سب بیعت ہوئے۔ بعدہ آپ عرس شریف میں جا کر شامل ہوئے۔ اس وقت تک اُس علاقہ کے لوگ آپ کی اولاد کی بیعت میں چلے آ رہے ہیں۔

حضرت والد صاحب اور عمیم حافظ غلام نور محمد صاحب سے روایت ہے کہ ایک سال حضرت خواجہ الشہ بخش صاحب تونسویؒ مع چند حضرات بہاروی دہلی شریف لے گئے۔ دہلی کے شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کو آپ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو اُس نے آپ سے استدعا کی کہ کچھ دن لال قلعہ میں غلام کوٹھرا فرمادیں۔ بہاروی حضرات سے سفارش بھی کرائی چنانچہ آپ نے دعوت قبول فرمائی اور قلعہ میں مع ہمراہیوں تشریف لے گئے۔ باتوں باتوں میں شاہ ظفر نے حضرت سے دریافت کیا کہ بہاروی صاحب کی اولاد میں اس وقت

بھی کوئی صاحبِ ذی علم و صاحبِ معرفت موجود ہیں کہ نہیں۔ تو حضرت خواجہ اشرف بخش صاحب نے خواجہ امام بخش صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ صاحبِ ذی علم ہیں، مُصنّف بھی ہیں اور شاعر بھی ہیں۔ شاہ ظفر اشعار کا ولداوہ تھا۔ اُس نے آپ سے کلام سُننے کی خواہش ظاہر کی۔ خواجہ امام بخش صاحب کے ہمراہ دو طالبِ علم تھے، جو کہ خوش الحان تھے۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ فلاں غزل سناؤ جب انہوں نے غزل سنائی تو شاہ ظفر بہت محظوظ ہوا اور کہنے لگا۔

بچہ بٹ اگر شبینہ بود

موج دریا شس تالینہ بود

نیز کہا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ہماروی صاحب کی نسل میں ابھی روشنی باقی رہے۔

حضرت والدِ مُمّ اور چچا نور محمد صاحب سے روایت ہے کہ جب ۲۰ صفر ۱۳۰۰ھ کو حضرت خواجہ امام بخش صاحب کا وصال ہوا اور آپ کو لحد میں رکھا گیا تو لحد میں رکھنے والے مولوی عمر بخش صاحب تھے۔ انہوں نے آپ کا رخ مبارک قبلہ کی طرف متوجہ کیا۔ پھر دیکھا تو رخ مبارک مشرقی جانب حضرت قبلہ عالم صاحب کے مزار شریف کی طرف پھرا ہوا تھا۔ انہوں نے دوبارہ دُرس ت کیا۔ آپ پھر مزار شریف کی طرف متوجہ ہو گئے۔ تیسری دفعہ مولوی صاحب نے دُرس ت کرنے کی کوشش کی تو آپ نے نعر کی جنبش دے کر منع فرمایا تو مولوی صاحب نرک گئے اور اسی طرح مزار بند کر دی گئی۔ رات کو خواب میں مولوی صاحب کو آپ نے فرمایا کہ مولوی صاحب آپ نے مجھے بہت تکلیف دی ہے جس پر مولوی صاحب نام ہوئے۔

آپ کو اندرونِ درگاہِ معلّٰی چشتیاں شریف حضرت قبلہ عالم کے روضہ شریف کے متصل مغربی جانب ان کے والدِ محترم حافظ غلام فرید کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

صاحبِ مکتوبات

حضرت خواجہ امام بخش حشمتی مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۲۲۲ھ - ۱۳۰۰ھ)

از پروفیسر ڈاکٹر محمد اختر چیمہ ایم۔ اے پی ایچ ڈی
صدر شعبہ فارسی، گورنمنٹ کالج فیصل آباد

خواجہ امام بخش مہاروی اپنے خاندان میں اعلیٰ پایہ کے صاحبِ علم و فضل، جامع شریعت و طریقت، حاملِ کمالاتِ صوری و معنوی، ادیب و شاعر و سوانح نگار صوفی مشرب بزرگ ہوئے ہیں۔ آپ کی تالیفات میں "مخزنِ چشت" کے علاوہ گلشنِ ابرار، بیخِ گنج، مکتوبات اور دیوانِ عاجزہ قابلِ ذکر ہیں۔ آپ نے "مخزنِ چشت" و "گلشنِ ابرار" کے آخری صفحات پر اپنے مُرشد خواجہ مُہا بخش ملتانوی خیر پوری کی ذیل میں قدرے اپنے شرحِ احوال بھی بیان کئے ہیں۔ اپنی پیدائش کا دلچسپ واقعہ اپنے والد ماجد کی زبانی یوں تحریر کیا ہے کہ اُن کی شادی کے کچھ عرصہ بعد حضرت محبوب اللہ خواجہ مُہا بخش، حضرت قبلہ عالم کے عرس کے ایام میں مہار شریف تشریف لائے۔ اور ازراہ شفقت و کمالِ رحمت بغیر مطالبہ کے ایک تعویذ لکھ کر انہیں عطا کیا اور فرمایا۔ اِسے سنبھال کر رکھو۔ انشاء اللہ آپکے ہاں فرزند پیدا ہوگا، اس کے گلے میں بانڈھ دینا۔ یہ اس کے لئے حرزِ جاں کا موجب ہوگا۔ چنانچہ کاتبِ الحروف۔ امام بخش۔ ایامِ عاشورہ میں جمعہ کے روز صبح کے وقت ۱۲۲۲ھ کو "زہی بخت و رزاد" مادہ تاریخی کے مطابق پیدا ہوا۔ والدِ گرامی نے حسبِ ارشاد تعویذ میرے گلے میں بانڈھ دیا جس کی بدولت افضلہ تعالیٰ میں جملہ آفات و حوادث سے مصون و محفوظ رہا۔

خواجہ امام بخش نے حضرت خواجہ مُہا بخش کے دستِ حق پرست پر اپنے شرفِ بیعت ہونے کا واقعہ اس طرح نقل کیا ہے: "جب نیاز مند کی عمر پانچ سال ہوئی۔

حضرت خواجہ خدابخشؒ، حضرت قبلہ عالمؒ کے عرس مبارک کی تقریبات میں شرکت کے لئے موضع تاج سرور تشریف لائے۔ میرے والد ماجد میری رسم بسم اللہ کے لئے اور حضرت خیر پوریؒ سے شرف بیعت حاصل کرنے کی خاطر مجھے اٹھا کر ان کی خدمت میں لے گئے۔ سوموار کا دن ۳ ماہ ذی الحج ۱۲۳۷ھ کو عرس مبارک کی تاریخ اختتام کی تقریب سعید منعقد تھی۔ صد اہل الشدا اور ہزار علماء و صلحا اس موقع پر موجود تھے۔ میرے والدؒ نے بندہ کو حضرت قبلہ عالمؒ کے حضور فیض گنجور میں سلطان متوکلان خواجہ محمد سلیمانؒ کے بالمشافہ حضرت محبوب اللہ خواجہ خدابخشؒ کی بیعت سے شرف فرمایا اور رسم بسم اللہ کرائی۔ حضرت خیر پوریؒ نے اس وقت ایک پاشہ دم کر کے اور اپنے منہ کے لعاب سے ترکر کے میرے منہ میں ڈالا۔ اور تمام حاضرین مجلس نے میری کامیابی اور حصول مطالب دارین کے لئے دعا کی۔ نیاز مند کی سات سال کی عمر میں پھر جب حضرت خیر پوریؒ حضور قبلہ عالمؒ کے عرس مبارک کی رسومات میں شمولیت کے لئے آئے تو تجدید بیعت ارادت سے شرفیاب فرمایا اور اپنی بی بی ہوئی لسی بطور تبرک عنایت فرمائی۔ اس دن کی برکت ہے کہ میں سنخوری و نکتہ دانی میں اپناٹے جنس سے ممتاز ہوا اور یہ سب حضرت خیر پوریؒ ہی کی تربیت معنوی اور توجہ باطنی کا نتیجہ ہے کہ نیاز مند کو شہرت عام و بقلے عام حاصل ہو گئی ہے وگرنہ ”من آثم کہ من دانم“۔

شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ امام بخشؒ کی صرف آٹھ سال کی عمر تک ان کے پیر روشن ضمیر بقید حیات رہے۔ شگفت آور ہے کہ انہوں نے اتنی چھوٹی عمر میں ہی اس قدر کتاب فیض کر لیا کہ اعلیٰ و ارفع روحانی مراتب و درجات پر فائز ہو گئے۔ آپ اکثر خواب و بیداری میں اپنے مرشد حقیقی خواجہ خدابخشؒ کی زیارت سے شرفیاب ہوتے اور سک و تصوف کے معاملات میں ان سے راہنمائی حاصل کیا کرتے تھے۔ مخزنِ شہت ”گلشن ابراہیم“ میں اس نوع کے متعدد واقعات خود بقلم امام بخشؒ منقول ہیں۔

اس مختصر تذکرہ میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ یہ امر، خالی از وہی نہیں ہے کہ ۱۲۶۶ھ میں حافظ غلام فرید نے فرزند ارجنہ کو جناب قبلہ عالمؒ کے مزار شریف پر

لے جا کر روضہ کے اندر صورتِ تلقین و ارشاد و اجازت خود مرحمت فرمائی اور خیر و خلافت
 و خلعتِ معمولہ کے بارے میں کہا کہ وہ آپ کو اپنے شیخ سے ملے گا۔ اس غرض سے
 آپ کو حضرت خواجہ خدابخشؒ کے عرس پر خیر پور روانہ کر دیا۔ وہاں عبدالمحلق خان افغان
 جو حضرت خیر پوریؒ کا راسخ الاعتقاد و صاحبِ نسبت غلام تھا، کی وساطت سے
 مزار پر حاضری و بوسہ زنی کے وقت زر کنار سنگی اور قیمتی انگرکھا بہ اشارہٴ مرشد
 آپ کو پہنایا گیا۔

خواجہ امام بخشؒ نے خدماتِ علمی و ادبی و دینی و عرفانی کی ارزانی کے بعد ۱۳۰۰ھ
 میں وصال فرمایا اور تاج سرور میں اندرونِ آستانہ عالیہ حضرت قبلہ عالم، روضہ مقدسہ
 کے متصل مغربی جانب اپنے والد ماجدؒ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔



نگران اعلیٰ ترتیب و ترجمہ مکتوبات شریف

حضرت الحاج خواجہ میاں کریم بخش صاحب دامت برکاتہ

• از پروفیسر افتخار احمد چشتی

شجرہ نسب :-

حضرت قبلہ حاجی کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاتہ کا شجرہ نسب یوں ہے :

۱۔ قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ حضرت خواجہ نور احمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ حضرت خواجہ غلام فرید مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ حضرت خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

۵۔ حضرت خواجہ کریم بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

۶۔ حضرت خواجہ محمد عارف مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

۷۔ حضرت خواجہ حاجی محمد غوث مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

۸۔ حضرت خواجہ حاجی کریم بخش مہاروی دامت برکاتہ

ولادت :- آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت خواجہ محمد غوث مہاروی

رحمۃ اللہ علیہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے دو فرزند عطا فرمائے۔ بڑے حضرت خواجہ کریم بخش مہاروی دامت برکاتہ

اور دوسرے میاں غلام رسول مہاروی رحمۃ اللہ علیہ۔ حاجی کریم بخش صاحب کی ولادت باسعادت

۲۸ ذوالحجہ ۱۲۲۵ھ کو ہوئی۔

تعلیم :- تعلیم کا آغاز عربی قاعدہ سے کیا۔ دس پاروں تک قرآن پاک کی

تعلیم جناب حافظ محمد بخش سے حاصل کی۔ اس کے بعد جناب سید فیض محمد شاہ صاحب

سے پڑھنا شروع کیا۔ قرآن پاک ختم کیا اور اردو کی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد فارسی شروع کی۔ فارسی تعلیم زلیخا اور تحفۃ الاحرار تک حاصل کی۔ صاحب موصوف سے عربی تعلیم کا آغاز کیا۔ ابتدائی عربی تعلیم میں صرف نسخہ کی تعلیم شرح ملاحامی تک حاصل کی۔ فقیر محسن الدقائق تک بھی جناب شاہ صاحب سے ہی تعلیم حاصل کی۔

بعد ازاں حضرت مولانا حافظ الہی بخش صاحب (ساکن شہر فرید) سے نحو، فقہ اصول فقہ، اصول حدیث، ادب اور معانی کی تعلیم تکمیل کی حد تک حاصل کی۔ تفسیر جلالین شریف اور مشکوٰۃ شریف بھی صاحب موصوف سے پڑھیں۔ بعد حضرت مولانا محمد امیر صاحب (ظلال العالی) (ساکن چیلداہن) سے دورہ حدیث کیا اور بقایا کتب کا استفادہ بھی کیا۔

دستار بندی :-

ان علوم سے فارغ ہونے کے بعد حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد ہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے سالانہ عرس کے مبارک موقع پر حکم ڈوہلہ کو پہلی محفل میں ختم سماع سے قبل مولانا حافظ الہی بخش صاحب نے آپ کی دستار بندی کی۔ حضرت میاں نور جہانیاں محمودی ہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے خطبہ اعزاز یہ پڑھا۔ حضرت میاں صاحب اُس وقت ابھی سجادہ نشین نہیں بنے تھے۔ اُس وقت درگاہ معلیٰ کے سجادہ نشین حضرت خواجہ محمود بخش ہاروی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

بیعت و خلافت :-

آپ کی بیعت ارادت آستانہ عالیہ سلیمانہ کے تیسرے سجادہ نشین حامی چشتیاں حضرت خواجہ محمد حامد تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ آپ کے والد گرامی نے آپ کو چار سال کی عمر میں ہی حضرت خواجہ محمد حامد سے بیعت کرا دیا۔ علوم باطن کی تحصیل اور روحانی تربیت اپنے والد گرامی حضرت خواجہ محمد غوث ہاروی سے ماحصل کی اور اپنے مُرشد طریقت حضرت خواجہ محمد حامد تونسوی سے بھی مگر خلافت و اجازت کا شرف اپنے والد گرامی سے حاصل کیا۔

محاسن :-

حضرت مہارومی میں آپ کا ایک خاص مقام ہے۔ آپ عالم باعمل ہیں اور صاحب شریعت و طریقت بھی۔ اپنے مشائخ کرام اور آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تبلیغ دین اور توسیع سلسلہ کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ مریدین کی کثیر تعداد سلسلہ عالیہ میں داخل ہو کر آپ سے روحانی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ آپ دور و دراز علاقوں میں تشریف لے جا کر تبلیغ و ارشاد کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ ہلندہ دور و نزدیک آپ کا فیض جاری ہے۔ حج و عمرہ و زیارت کی سعادت بھی حاصل کر چکے ہیں۔ فیض مشائخ چشت کی خانقاہوں کی زیارت اور عرس مبارک میں شرکت بھی آپ کا معمول ہے۔

علمی ذوق :-

علمی ذوق و رشتہ میں پایلیب سے حضرت خواجہ امام بخش مہارومی کے علمی ورثہ کے آپ ہی مالک ہیں۔ آپ نے مخزن چشت کے ترجمہ میں بہت دلچسپی لی تھی اور پورے ترجمہ پر نظر ثانی بھی فرمائی تھی۔ اب کتابت کے ترجمہ کی اشاعت بھی آپ ہی کی نگرانی و سرپرستی میں ہو رہی ہے۔ مشائخ کرام کی تعلیمات کو اہل سلسلہ و اہل علم تک پہنچانا آپ کا ہنر ہے۔

اولاد :-

آپ کو اللہ تعالیٰ نے چار فرزند عطا کئے ہیں۔ سب سے بڑے حافظ محمد سعید صاحب دوسرے ڈاکٹر محمد مسعود صاحب۔ تیسرے میاں محمد اجمل صاحب اور چوتھے میاں محمد ظفر صاحب حافظ محمد سعید صاحب اور میاں محمد اجمل صاحب زمین کے انتظام اور اہل سلسلہ کی تربیت و خدمت میں مصروف رہتے ہیں جبکہ ڈاکٹر محمد مسعود صاحب اور میاں محمد ظفر صاحب سرکاری ملازمت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ صاحبزادگان عالی مقام کو اپنے بزرگوں کے مقامات

عطا فرمائے۔ آمین۔

نکتہ خاص :-

اس خاکسار نے آپ کی خدمت عالیہ میں ایک خط لکھا کہ براہِ کرم اپنی زندگی کے چند حالات اور کوائف عطا فرمائیں تاکہ میں کتاب میں شامل کر سکوں۔ آپ چونکہ کمتریات کے اس ترجمہ کے محرک، سرپرست اور نگران ہیں، اس لئے آپ کا ذکر ضروری ہے۔ آپ نے میرے اس عریضہ کا جو جواب ارسال فرمایا، وہ قابلِ غور ہے۔

آپ نے تحریر فرمایا :

”دعا گو کے بارے میں کچھ بکھنے کی ضرورت نہیں۔ بس قبلہ عالم کا

ادنیٰ خادم ہوں اور خواجہ امام بخشؒ سے پانچویں پشت میں ہوں۔

بس اتنا ذکر ہی کافی ہے۔“

اللہ اللہ کیا مقامِ عجز و انکسار ہے۔ اور کیا مقامِ فقر ہے۔ ربّ من نصیب

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا مبارک سایہ تادیر اہل سلسلہ و اہل خاندان کے سروں پر

قائم رکھے۔ آمین ثم آمین۔“



مکتوباتِ مہاروی

اردو ترجمہ
(۲۶۱ مکتوبات)

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

یچہ حمد اس خداوند لاشریک کے لئے جس نے قسم قسم مخلوقات اور رنگ رنگ موجودات میں سے حضرت انسان کو اپنی کامل نوازش سے احسن تقویم یعنی اچھی صورت میں پیدا کیا۔ اور اسے بیش بہا شامل عنایت سے صراطِ مستقیم کی ہدایت بخشی اور اس کے وجود کو "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفًا" (یعنی میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں) جیسی خلعت خلافت عطا کر دی اور "وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنیْ اٰدَمَ" (یعنی ہم نے اولادِ آدم کو کرامت و بزرگی عطا کی) کا تاج کرامت پہنا کر اس کے سر کو بلند کر دیا۔ فضل و کرم کا کمال ہے کہ انعام فرمایا تو الْاِنْسَانَ مِرَاةَ الرَّحْمٰنِ کا یعنی انسان رب کا آئینہ ہے اور الْاِنْسَانَ سِرِّیْ وَاَنَّا سَوَّاهُ کہ انسان میرا آئینہ ہے اور میں اس کا راز ہوں۔

چوں انسان جامع اسما برآمد

گسرامی گوہر از دریا برآمد

جب انسان تمام اسمائے الہی کا جامع بن کر نمودار ہوا تو دریائے معرفت کا قیمتی موقن بن کر باہر آیا۔

پس نقصان سے پر زبان اور بیان سے قاصر قلم اُس منت والے اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ربِّ کَرِیْمِ کی فراوان اور بے پایاں کرامت کی کس طرح ایسی شرح اور وضاحت کرے جو تقریر و تحریر کے احاطہ میں آسکے؟

(سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ) (پارہ اول سورۃ البقرہ، توشہ ۴)

پاکا ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا بیشک تو ہی علم و حکمت

والا ہے۔ (مترجم)

من چوں شکر کنم کہ ہر نعمت تو ام!
 نعمت چہ گونہ شکر کند بر زبان خویش
 و صفت چہ کند زبان عاجز
 برتر شدہ ز وہم و ادراکے !!

میں کس طرح اور کیسے شکر بجالاؤں جبکہ میں ہمہ تن تیری نعمت ہوں اور نعمت اپنی
 زبان سے شکر ادا نہیں کر سکتی۔ یا اللہ کریم! عاجز کی زبان تیری صفت کس طرح بیان
 کر سکتی ہے تو تو وہم و ادراک سے بھی بلند و بالا ہے۔

لا محدود درود و سلام اس محبوب محمود کے لئے جس کے باعث کائنات
 وجود میں آئی اور جو جمیع ممکنات کیلئے علت نمائی ہیں کہ "لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلاَکَ"
 اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا "لَوْلَاكَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرَّبُّوْبِيَّةَ" اگر آپ
 تشریف نہ لاتے تو میں اپنی شان ربوبیت کا اظہار نہ کرتا
 اس کی شان میں فرمایا:

محمد گر نبودے کس نبودے!

نبودے ہر دو عالم را وجودے!

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو انسان نہ ہوتے بلکہ دونوں جہان نہ ہوتے۔

وصلی اللہ علی نور کز نور پید

ز میں از حجب او ساکن فلک در عشق او شیدا

اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم

نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجات!

اس مقدس نور مبین پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جس سے دوسرے نور پیدا کئے گئے۔

اور زمین کو اس کے حکم سے سکون ملا اور آسمان اس کے عشق میں سرگرواں پھر رہا ہے۔ اگر

حضرت آدم علیہ السلام، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی شفاعت میں نہ لاتے تو نہ آدم کو توبہ کی توفیق

ملتی نہ نوح کی کشتی غرق ہونے سے نجات پاتی۔

اللہ اللہ! حضور پاک صاحبِ لولاک کی مدح و نعت، (کما حقہ ادا کرنا) کوہ قاف کو
سوئی سے گزارنے اور جنگل کی ریت کو پیلانے سے بھر تول کرنا پنے کے مترادف ہے۔

نہے مرشش شرف بتاج لولاکی	طفیل تست معتز چہ نوری و خاکی
ظہور کرو چو نورت بکسوة آدم!	شدند ساجد تو ساکنان افلاکی
عروج کرو چوں نورت معراج افلاک	ملا کرمہ کردند میل فتراکی!
ز شرح صدر تو آمد عیان الم شرح	ز وصف حسن و جمال تو ماعرفناکی
بیاکلبہ احزان من بلطف و کرم	کہے تو میگذرو روز و شب بغناکی
ثنائے حسن و جمالت چہ میکند عاجز	کہ بر تراست ثنائیت ز حد ادراکی

کیا خوب آپ کا نر مبارک! جس پر لولاک کا تاج زیب شرف رکھتا ہے نوری اور خاکی
کل مخلوق تیرے طفیل عزت یاب ہے۔ جب تیرا مقدس نور، حضرت آدم علیہ السلام کے وجودِ اطہر
میں جلوہ گر ہوا تو آسمان میں رہنے والی مخلوق، مسجد میں گر گئی۔ جب نور مبارک آسمان کی بیڑھیوں
پڑھ گیا تو تمام فرشتے تیری سواری کے لگام تھامنے لگے۔ سورۃ الم نشرح، تیرا شرح صدر اور ماعرفناک
حق معرفت تیرے حسن و جمال کا وصف ہے۔

اے اللہ کے حبیب! میرے بیٹے حزن میں براہِ لطف و کرم تشریف لائے کہ آپ کے بغیر
میرے دن بڑی بے چینی سے گزر رہے ہیں۔ عاجز بندہ تیرے حسن و جمال کی کیا تعریف کرے
اللہ تیری تعریف میری صد اوراک سے بہت پر ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ پر درود و سلام فرمائے اور آپ کے فضل و کرم والے تمام آل اور ازواج
طہرات پر اور جملہ اصحابِ کرام پر بھی جنہیں ہدایت کے ستارے ہونے کا شرف حاصل ہے۔
حدیث شریف میں ہے:

اصحابی کالتجمع بایہم اقتدیتم اھتدیتم مشکوٰۃ شریف

میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کیس کو مقداور بنا لو گے یقیناً
ہدایت پاؤ گے

اور تمام امت محمدیہ تابعین و تبع تابعین پیروکار مجتہدین، خلفائے عظام مشائخ کرام

ان سب پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودیاں ہوں جب تک کہ دن اور رات رواں دواں رہیں۔
 اما بعد! رب العزت فَعَالٌ لِّمَا يُؤَيِّدُ کے لطف و کرم پر نازاں، فقیر بے سرو ساماں
 امام بخش بن حضرت حافظ علامہ فرید عفا اللہ عنہما، عرض گزار رہنے کے جناب قبلہ عالم و عالمیان برگز
 جہان و جہانیاں وصف و بیان سے مستغنی استیذا وادینا حضرت خواجہ نور محمد مہاروی نور اللہ مر
 کے عالیشان خاندان میں سے کچھ لوگوں نے اس علامہ بیدام سے التماس کی کہ کچھ ایسے پرتاثر
 مقالات جس کی اس وقت ضرورت تھی، لکھ دیئے جائیں تاکہ خاص و عام، ان سے بہرہ ور
 ہوں۔ چونکہ رنگین عبارت اور مضامین عجوبہ سے سیرِ باش اشارے میں "مقالہ" قلمبند کرنا میر
 استطاعت میں کہاں؟ ناچار لیت و لعل کرتا رہا۔ مگر وفا دار اور صاف دل دوستوں نے مجھ
 خاندانِ عالیہ کا ساتھ دیا اور اس فقیر کی معذرت کو درخور اعتنا نہ سمجھے۔
 تو کسی شاعر کے قول کے مطابق:

کنونت کہ امکان گفتار ہست !

بگوائے برادر بلطف و خوشی !

کہ فردا چون پیک اجل درسد

بحکم ضرورت زباں درکشی !!

کہ اے بھائی جب تک تجھے بولنے کی طاقت ہے خوشی سے بولتا رہ کل کو جب
 موت کا پیغام پہنچا تو زباں خود بخود بند ہو جائے گی۔

بندہ نے سب دوستوں خصوصاً خاندانِ عالیہ کی دلآزاری سے بچتے ہوئے مقالات
 مسودات کی قلمبندی پر کمر ہمت باندھ لی جبکہ اس دور میں تصنیف و تالیف راہ صواب کے خلاف
 اور اولوالالباب کی رائے کے برعکس بھی ہے۔

وجہ یہ ہے کہ سخن کی پرکھ رکھنے والے سخن دان اور حوصلہ افزا حسین گو، لوگ اس وقت
 دنیا سے فانی سے کوچ کر کے اگلے جہان کو سدھار گئے ہیں اور ان کے نشیمن اس طرح کے لوگ
 ان کی مسند پر بیٹھے ممتاز و سرفراز سمجھے جانے لگے ہیں جو بوجہ کم علمی اور بوجہ نا فہمی زبانِ طعن دراز کرتے ہیں
 اور حق و باطل میں امتیاز نہیں کرتے جس کے نتیجے میں اس سکین کا نگین دل ڈر اور خوف

محسوس کرتا ہے۔ مثل مشہور ہے، مَنْ صَنَّفَ قَدِ اسْتَهْدَفَ (جس نے کچھ لکھا وہ نشانہ بنایا گیا) لیکن وقت و حالت کا ضروری تعاضل ہے کہ ضروریات دین و اسلام کو تحریر کی شکل میں لایا جائے۔ اس لئے میں نے ذہن نارسا اور دلِ ناقص میں آئے ہوئے مضامین کو سوال و جواب اور مکتوب و مراسلہ کی صورت میں لکھنا شروع کیلئے۔ محض اس اُمید پر کہ میری نیت، صرف ثواب کا حصول اور اللہ و رسولؐ کی خوشنودی ہے۔ لہذا طعنہ بازوں کا عتاب و سزائیں بھی صواب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور بے انتہا رحمت سے سچی اور سچی اُمید ہے کہ میری اس کاوش کا مطالعہ کرنے والے جب اس میں معاشرت کا حسن اور آدابِ محاورت پائیں گے، لفظی اور سماعی مقصد و مراد جیسے پھول اور ظاہری باطنی مقصودِ حقیقی جیسے پھل، چن لیں گے تو یقیناً ان کے دل و دماغ ان پھولوں اور پھولوں کی لذت و خوشبو سے آشنا ہو کر مجھ بے چارہ نابکار کو دُعا سے خیر سے یاد و شاد فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ اَبَلْ شَانَا میرے اسلاف و اخلاف کو دونوں جہان کے مقاصد و مطالب سے بھرپور نواز دے اور زمین کے مکرو فریب سے محفوظ رکھے۔

ازلی لم یزلی سعادت اور عافیت نصیب فرمے آمین

از خلد اجز عافیت چیزے خواہ!

یک دعا هست و ہزارا مدعا!

اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگ اور بس بظاہر یہ ایک دُعا ہے مگر اس میں ہزاروں مدعا

مضمرب ہیں۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ وَهُوَ الْهَادِي إِلَى الصَّوَابِ الْمُسْتَقِيمِ

يَلُوحُ الْخَطْبُ فِي الْقُرْطَانِ دَهْرًا!

وَكَا تَرَبُّدَ رَمِيمٍ فِي التَّسَابِ!!

کاغذ پر سیاہ جروف مدتوں رہ جاتے ہیں مگر لکھنے والے سٹی میں مل جلتے ہیں۔

نوشتہ بجا مذ سیاہ بر سفید!

نولیندہ رافیت فرود امید

غرض نقشیت کنزما یاد مساند !

کہ ہستی رائے بیتم بقائے

مگر صاحب دے روزے برحمت !

کنہ در حال این عاجز و علایے !

نقش و نگار کا مقصد ہے کہ ہماری یاد رہے کیونکہ چراغِ سحری کا کیا بھروسہ؟ ممکن ہے

کسی دن کوئی ایک صاحبِ دل ترس کھاتے ہوئے اس عاجز کو دعائے خیر دینے آجائے۔

زہے نصیب !

محمد

قادر بے چوں بے شبہ اور بے نموں کی بارگاہ بلا اشتباہ کی مدحت و منقبت کے وسیع و عریض میدان میں بلاغت بھری حمد و ثناء کرنے والوں کے گھوڑے لنگڑا گئے بے نام و نشاں ذات کیلئے مدح کرنے والوں کی فصاحت بھری زبانیں گنگ ہو گئیں اور کہہ دیا ما عرفناک حق معرفتک کہ ہم تجھے نہیں پہچان پائے جس طرح تجھے پہچاننے کا حق ہے

توان در بلاغت سبحان رسید!

نہ در کُنہ زبچون سبحان رسید!

بلاغت میں ترقی کر کے انسان سبحان بن وائل کا مقابلہ کر سکتے مگر اس بے مثل بے مثال ذات پاک کی حقیقت تک رسائی نہیں پاسکتا۔

یہی وجہ ہے کہ حضور پاک صاحبِ لولاک نسلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشرف المخلوقات برگزیدہ کائنات ہو کر اللہ پاک عز سبحانہ کی بارگاہ میں عرض کیا کرتے الہی لا اَحْضیٰ ثَنَاءَ عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنِیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔ یا اللہ! ہم تیری ثنا کا احاطہ نہیں کر سکتے جیسی کہ تُو نے اپنی ثنا فرمائی۔ کسی کے پاس قدرت کہاں کہ اپنی خوش الحان تقریر اور شرح و بیان سے بھری مثنوی تہذیب کے باوجود وہاں دم مار سکے؟

دور از عقل و قیاس و حیض افکار
ز آنکہ آنجا بے پریت این طائر شبایا
یک نبود قابل دیدار تو بنسار
مرقع گردوز عالم این ہر تکرار ما
بست پیدا در جہان از شامت پذیر ما
رخت بندو دین و کعبو سچ و زار ما

اے غنی از بہمت انکار و از اقرار ما
کے بہرہ در جوئے اوج تو شہباز فکر
پر تو حسن و جمالت در عیانت و عیان
گر با ہفتاد و دو ملت مے دی جا اول
اعتبارات و اضافاتی کہ ماورے شہوند
گر نقاب زلف از زسار خود دور افکنی!

بُودِ اسرارِ نہانِ چوں گنج اندر گنجِ غیبِ درِ مثالِ عاجز آمد مخزنِ اسرارِ ما

اے اللہ تو ہمارے اقرار اور انکار سے غنی ہے۔ ہماری عقل و قیاس اور ہماری فکر و گمان کے احاطہ سے دور ہے۔ ہمارا شاہیناز فکر تیری بلندی تک کیونکر پرواز کر سکتا ہے جہاں تو ہے وہاں ہمارا اڑنے والا پرندہ بے پروا ہو کر رہ جاتا ہے۔ تیرے حسن و جمال کا عکس عیان و در عیان ہے مگر ہماری آنکھیں تیرے دیدار کی قابلیت نہیں رکھتیں۔ یا اللہ اگر تو بہتر فرقوں کو اپنے وصل وصال کا جامِ پلاوے تو اس عالم میں سب جگڑے ختم ہو جائیں گے یہ اضافاتی اور تعلقاتی اعتبارات ہمارے پندار کی شامت سے، دنیا جہان میں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ورنہ اگر تو اپنے رخسار سے زلف کا نقاب اٹھائے تو دین و کفر اور تسبیح و زار رخت سفر باندھنے پر مجبور ہو جائیں۔ غیب کے ایک کونہ میں، خزانہ کی طرح میرے اسرار چھپا ہوا راز تھے اور اب بشکل عاجز مخزنِ اسرار بن کر ظاہر ہو گئے ہیں زبان کی جسارت جو کہ سرسرقصاں ہے بہتر ہے کہ اس سے خاموش رہا جائے۔

عاجز بہ اوب بائس زبان را بدہاں بند

کین شمر ز مخزن اسرار نہان است

اے عاجز اپنی زبان کو منہ میں بند رکھو کہ یہ اسرارِ مخفی رازوں والے خزانہ سے تعلق

رکھتے ہیں اور ان سے چپ رہنا ہی بہتر ہے۔

اے اللہ کریم! تو نے محض اپنے فضل و کرم سے ہزار ہا گمراہ درگمراہ لوگوں کو سیدھی

راہ پر لگا دیا اور ان پر رحمت و برکت کے دروازے کھول دیئے ان کے خلوتِ غائبانہ دل

کو نورِ ایمان کی تجلی سے روشن کر دیا اپنی بے حد شفقت و عنایت کے طفیل ساوہ دل لوگوں

کو وہنِ احسن من اللہ صبغتہ کے رنگ میں رنگ دے کر منقش کر دیا اور ان پر

احسان و عرفان کی نوازش کر دی جو کہ عبارت ہے "الاحسان ان تعبد اللہ كأنک تواد"

فان لکم ثواباً عظیماً" سے (مشکوٰۃ النصاب باب الایمان) احسان یہ ہے کہ

تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ تو اسے دیکھ رہے اور اگر تو اسے دیکھ نہیں

سکتا تو سمجھے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اے اللہ کریم! اپنے بے پناہ لطف و کرم کا صدقہ، اس خاکسار ذرہ بمقدار عاجز کو
بھی اپنی ذات تک پہنچانے والی راہ پر لگا دے دنیاوی حرص اور ہوا و ہوس سے نجات
دے کر بلند مراتب اور عظیم مقصد تک پہنچا دے۔

یارب برہانیم زحسراں چہ شود
راہے دایم بسوئے عسرفاں چہ شود
بس گجر کہ از لطف مسلمان کردی
یک گجر و گجر کنی مسلمان چہ شود

اے پروردگار اگر مجھے (مشاہدہ و مکاشفہ کی) محرومی سے بچالے تو تیرا کیا جائے گا؟
معرفت کی راہ پر لگا دے تیرے کرم سے بعید نہیں۔ تو نے اپنے لطف و کرم سے بہت
سے کافروں کو مسلمان بنا دیا۔ ایک اور کافر کو بھی حقیقی مسلمان بنا دے تو تیرا کیا جائے گا؟

عاجز طول زباں در مذہب این عاشقان
نیست جائز ہوش کن واللہ اعلم بالصواب

اے عاجز ہوش میں رہو عاشقوں کے مذہب و مکتب میں زبان درازی اچھی نہیں
(خاموشی سے کہ دو) واللہ اعلم بالصواب۔



نعت

بجناب رسالت مآب سرور کائنات منجز موجودات سالار مرسلان رحمت عالمیان
صفوت آدمیان تتمہ دور زمان شفیع عاضیان قرۃ عین العباسیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِيَّ (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۲) اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے
میرا نور پیدا کیا کُنْتُ نَبِيًّا وَأَدَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ (میں تب بھی نبی تھا جب آدم پانی اور
مٹی میں تھا) آپ کی شان ہے دَنَا فَتَدَلَّى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى (النجم رکوع ۱)
در اصل آپ کا مکان ہے۔ اور آنکھوں کیلئے مُرْمَرٌ ہے مَا ذَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى مَا تَأْتِي السَّمَاءُ
کی سیڑھیاں اور عرشِ اعظم آپ کیلئے فرشِ راہ ہیں، جمع انبیاء اور مرسلین، روح الامیں
بسھی کائنات، آپ کے آفتابِ وجود سے فیضانِ وجود حاصل کر رہے ہیں۔

موسیٰ بگوہ طور شہارِ رفعتِ شنید

عیسیٰ مبشرًا، بک یا سید الوری!

اے بستید دو عالم! حضرت موسیٰ کلیم نے تیری رفعتِ شان کوہِ طور پر سنی اور حضرت

عیسیٰ (تمام عمر) تیری آمد آمد کی بشارت دیتے رہے۔

شرح والیتیل زگیسوٹے رسولِ عربی	والفضلی وصف نکور سے رسولِ عربی
مست شد زگس جاوہ رسولِ عربی	کرد از ایزو چوں سرمہ ما زاغ بچشم
الف قامت و جوٹے رسولِ عربی!	نقطہ وحدت افراخت چوں گدشت عیان
میکند نغمہ کو کوئی رسولِ عربی!	قرنی باغ بنساں از پٹے امید وصال
سرمین خاک سر کوٹے رسولِ عربی	دل و جانم بر تملکے جمالش حیران
مست شد عاجز از بوٹے رسولِ عربی	صبحم باد صبا بوٹے ز شرب آورد

اے رسولِ عربی! صل اللہ علیہ وآلہ وسلم وَالضَّمْحِي فِي تِيرَةِ حَسِينِ حَيْبِرِ كِي صِفْتِ اَوْدِ
 وَاللَّيْلِ اِذَا لَيْغَشِي اَبِ كِي خَمْدَارِ زُلْفُوں كِي تَشْرِيحِ هَيَّ۔ اللہ تعالیٰ نے جب تیری آنکھوں
 میں مَازِ اَنْعِ الْبَصَرِ كَا مُرْمِ لَكَا يَا تُو تِيرَةِ حُسْنِ كِي جَادُو سے زگس مست ہو گئی۔ الف كِي شَكْلِ
 وَالَاوِلِ بِيْلَانِي وَالَا اَبِ كَا قَدِ، جب منظرِ عالم میں ظاہر ہوا تو وحدت كَا نَقْطِ عِيَاں ہو گیا۔ باغِ
 جَنَّتِ كِي قَمْرِي، وصل وصال كِي اُمِيْدِ لَكَا سَيِّدِ عَرَبِ كِي مَجْتِ مِيں كُو كُو كِي نَعْمِي اِلَا پِنِي لَكِي هَيَّ
 مَرِي جَانِ وِ دِلِ اَبِي حُسْنِ وِ جَالِ كِي اَرُو مَنَدِ مِيں اُو رَا پِ كِي كُو چِ كِي كُرُو پَرِ مِرَارِ
 قُرْبَانِ ہونے كُو چَا ہْتَلِي ہِي۔

طُحْجِ كِي وَقْتِ، مَدِيْنَةِ طَيْبَةِ كِي خُو شَبُو دَارِ بَادِ سُبَا جِبِ چَلِي تِي بِي تُو اَسِ بِيَا رِي اُو رِ حِيْنِي
 بھيني خُو شَبُو سے عَا جَزِ پَرِ مَسْتِي طَارِي ہونے لگتی ہي۔

عالم منور است ز نور محمدی	ظاہر شدہ جہاں ز ظہور محمدی
ببخود شود ز خویش تن و از شعور خویش	محرّم ہر آنکد شد ز شعور محمدی
فارغ شود ز درد و الم ہائے دو جہان	ہر کس کز یافت ذوق سرور محمدی
مقبول مے شود بجناب خدا کے	کو پس روان شود بامور محمدی
عاجز ہے فریاد صلوات صد ہزار	از صدق جان و دل بحضور محمدی

نورِ محمدی سے تمام عالم روشن اور ظاہر ہوا اور ظہورِ محمدی سے جہان عیاں ہوا۔ جو
 شخص شعورِ محمدی سے واقف ہوا اُسے اپنی خبر رہی نہ اسے اپنے شعور کا علم ہو سکا۔
 سرورِ رسول سے ذوق یاب ہونے پر دونوں جہانوں کے درد و غم بھول جاتے ہیں۔ رسولِ پاک
 كِي اِتْبَاعِ وَاطَاعَتِ كِي صِدْقِي، خداوندِ کریم كِي بَارِ كَا ہِيں اِنْسَانِ شَرَفِ قَبُولِيْتِ پَا لِيْتَلِي ہي
 بَارِ كَا ہِ رَسَالَتِ مَآبِ مِيں يِه بِنْدِ عَا جَزِ پَتِي دِلِ اُو رِ صِدْقِ وِ جَانِ سے ہزاروں درود و سلام
 كَا ہِيہ پيش كَر تَلِي ہي۔ خُدا كَرِي قَبُولِ ہوں۔ آمين ثم آمين۔

کے تو نام شرح و محض کرد از قید لکد	ز اند موئے در نیاید مگر کند زان کتاب
گرچہ در میدان مدح و اصفان شتاقتند	آخرا ز در ماندگی افتاده اند در اضطراب

جناب رسالت مآب کی مدح و ثنا قلم کے احاطہ میں نہیں آسکتی سینکڑوں کتابیں لکھ

ڈالوں تب بھی آپ کے ایک بال مبارک کی تعریف و توصیف مکمل نہ ہو سکے۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصف بیان کرنے میں بہت سے لوگوں نے حصہ لیا آخر قحط ہار کر بیٹھ گئے۔

جناب باری عزاسمہ نے وَمَا رَسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ کا خطاب فرمایا تو گروہ درگروہ مخلوق کو نورِ ایمان سے شرف ملا، ان کے جہالت و ضلالت اُودہ دلوں کو اپنے لطف و کرم سے صیقل کر کے آئینہ کی طرح روشن، صاف اور پاک کیا اور انہیں بے انتہا تجلیات کا مرکز بنا دیا۔ اگر اس خاکسار سگ دربار عاجز پر بھی کرم کی بارش ہو جائے تو الطاف بے نایات سے بعید نہیں۔

یک نظر فرما و مستغنی شوم زابناے جنس

سگ چوں شد منظور نجم الدین سگانرا سرور است

مجھ پر نظر کرم ہو کہ دنیا و ما فیہا سے بے نیاز ہو جاؤں یہ سگ دربار نجم الدین منظور نظر

ہوتے ہی تمام کتوں کا سردار بن کر رہے گا۔ ۷

توجہ تمام اور نوازش عام فرمائیے کہ وصل وصال کے خالص پانی سے لوحِ دل عجز منزل، دھل کر غیر اللہ کی تمام اُود کیوں سے صاف ہو جائے اور عنایات بے غایات کا ورود مسعود ہونے لگے آمین آمین۔ تو الطاف کریمانہ سے دور نہیں۔

چہ کرم گرد دایے صدرِ فرخندہ پٹے ز قدر رفیعت بدرگاہِ حیے !!

کہ عاجز زبشتے گدایانِ خیل دُر آید مدار سلامت طفیل

اے بابرکت قدموں والے بادشاہِ اس حقیقی و قیوم کی درگاہِ عالیہ میں تیرے بلند منصب

میں کیا کمی آئے گی؟ اگر مردانِ کامل کے طفیل اس عاجز مسکین کو دارالسلام میں داخلہ

دلا دیا جائے۔

یا شفیع المذنبین بارگناہ آورده ام بردرت این بار با پشتِ دوتا آورده ام

چشمِ رحمت بر کشا و سوئے این عاجز نگر گر چہ از شرمندگارو سیاہ آورده ام

اے گنہگاروں کے سفارشی آقا! گناہوں کا بوجھ تیرے حضور لایا ہوں جس نے مجھے گنہگار

بنا دیکھتے۔ اس عاجز پر نظرِ کرم فرمائیے شرمندہ ہونے کے ناطے، روئے سیام لے کر آیا ہوں۔

مولود شریف

اے شہِ ذوالعطا سلام علیک وے مر پُرضیا سلام علیک
 برجہ فلک ملک گویان! اے رسولِ خدا سلام علیک
 گفت پیغمبران شب معراج مرحبا سید سلام علیک
 ببلدان بہشت از سر شوق! ہمہ نغمہ سرا سلام علیک
 ہمہ خاصان دہرا بچو نجوم! انت بدر الدجی سلام علیک
 ہر دو عالم ز نور تو ظاہر انت نور الہدیٰ سلام علیک
 سوئے عاجز ہمیں بلطف و کرم اے شہِ انبیا سلام علیک

اے جو دو سخا والے بادشاہ تم پر سلام ہوتا ہے روشن ترین چاند تم پر سلام ہوں۔ تمام آسمانوں پر فرشتے کہتے رہتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول تم پر سلام ہوں۔ معراج کی رات انبیاءِ علیہم السلام نے آپ پر سلام پیش کئے۔ شوق میں آکر بہشت کی بلبلیں "سلام علیک" کا گیت گایا کرتی ہیں۔ زمانے میں کائنات کی مخصوص مخلوق (انبیاءِ علیہم السلام) ستارے ہیں اور تم چودھویں کا چاند ہو۔ اے ہدایت کے نور، دو جہان تیرے نور سے ظاہر ہوئے ہیں۔ آپ پر درود و سلام اے شہِ انبیا! اس عاجز پر بلطف و کرم کی نظر فرمائیے۔
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اللہ تعالیٰ کی بے انتہا رحمت اور مائی گرامی درود و سلام ہوں جگر گوشہ رسول پر۔ اولادِ امجاد پر اور ازواجِ مطہرات رضوان اللہ علیہن پر، جو مومنین کی مائیں ہیں اور اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر جو عالی مرتبت ہدایت والے آسمان کے ستارے ہیں اور جمیع پیروکاران اور دینِ متین کی نایت کرنے والے تابعین اور تبع تابعین اور ساری امتِ محمدیہ اجمعین پر اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت خاص اور سلامتی نازل فرمائے آمین آمین

مکتوب ۱

بمختار فیض گنجور، پیر روشن ضمیر، واقفِ مواقفِ شریعت، سالکِ سالکِ
طریقت، عارفِ معارفِ حقیقت و معرفتِ قبلہ عالم و عالمیاں، مخدومی
و مرشدی حضرت صاحب دامت برکاتہ

بندہ خاکستارِ ذرہ بمقدار بدکردار گنہگار، از کردہ خویش شرمسار، عاجز شرمسار عاجز ناز
آداب نیاز مندانہ اور کور نشات ستمندانہ بجا لا کر عرض رسان ہے۔

غریب نواز! جس دن سے بندہ بشامت کم نصیبی و طالعِ دون و بختِ نگوں و ایام
بقلمون آنحضرت پر نور سے دور و بھور ہر لمحہ و بران حیران و سرگردان ہوں۔ سود و مگس کی طرح
افسوس سے باقول رہا ہوں کہ بسے کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ اب تو بندہ بے قرار ہے اور
اجڑا ہوا ہے۔ گویا بے چکر میں بے آب ماری کی طرح تڑپ تڑپ کر رہ گیا ہے۔

ہردم دعا مانگے کہ تم پر خاک کے عالمِ حسین!

جمع کن یا حضرتیم یا جامع المتفرقین!

ہر خط مٹی پر ماقہار گڑ گڑ کر دعا کیا کرتا ہوں کہ اے پھڑے ہوؤں کو جمع کر نیالے

مجھے بھی اپنے مرشد سے ملاوے۔

تاوین کالبہم روح روان خواہد بود! مرغِ جانم بسوئے پیر حیراں خواہد بود

حلقہ بندگیش گشت بگو شرم نازل! پچھاں تا اب حلقہ آن خواہد بود!

ہر سحر شام با مید وصال گل رُخ ، بچو بیل دل من نوحہ زمان خواہد بود !
 گرمزدگار شود گردش ایام بن دست در دامن آن جان جهان خواہد بود
 آخرے مہر وفا پر وہ ز رویت بکشا تب کجے چشم بر بہت نگران خواہد بود
 عاجز از جورہ صنم نالہ و فریاد مکن کہ دلدارہ گمے میل کنان خواہد بود

جب تک میرے بدن میں روح ہو تب تک میری جان پرندہ بن کر اپنے پر و پرندہ کی طرف اڑا کر جاتی رہے گی۔ ازل سے ان کی غلامی کا حلقہ گلے میں ڈالنے انشاء اللہ تعالیٰ ابد تک حلقہ بگوش ہونگا۔ محبوب کے بل جانے کی اُمید میں ہر صبح و شام، میرا دل بیل کی طرح زار و قطار روتا رہے گا۔ اگر گردش ایام میری مدد کر پائی تو میرا ہاتھ اپنے محبوب کا دامن تمام لے گا۔

اے میرے وفا دار محبوب! اپنے رُخ سے پردہ اٹھا دیجئے۔ کب تک میری بقرار آنکھیں چشم براہ میں گی؟

اے عاجز محبوب کی جو روح جفا کا شکوہ زبان پر نہ لا۔ شاید کبھی وہ محبوب مائل بکرم ہوں! چونکہ بندہ آپ کے زیر سایہ بیٹھنے والوں سے دور سرت و خوشی سے مہجور ہے اس لئے آنجناب سے مبارک دعاؤں کی توقع کے ساتھ ذیل نیاز مندانہ تحریر کے ذریعہ عرض بجنسور بنے۔ چونکہ میری تمام دینی و دنیاوی حاجات کی تکمیل و تمہیم انوالا شان کی توجہ قلبی پر موقوف ہے اس لئے اگر آپ کی توجہ اس عاجز کے شامل حال ہو جائے تو دینی و دنیاوی اور ظاہری و باطنی ہر قسم کی معروضات آپ کے حضور لکھ بھیجا کروں اور آپ کی طرف سے جواب باصواب کی آمد آمد میرے لئے مفید ہوگی اور ساتھ ہی آپ کی تحریر آسمان سے نازل شدہ وحی سمجھ کر حفاظت میں رکھوں گا۔

سایہ ات کم مبادا از سرما!

بسط الش ظلمک ابدًا!

اندھے آپ کا سایہ بجا پایہ، ہمارے سروں پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے برقرار رہے

آمین ثم آمین۔

جواب ۱

اے فرزندِ ارجمند سعادت مند بخت بلند اطال اللہ عمرک۔

بعد از سلام سنت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم واضح راے عالی ہو کہ آپ کا فرحت بخش خط اس فقیر کی نظر سے گذرا بہت خوشی ہوئی اور درج شدہ کوائف پر کما حقہ آگاہی ملی۔

برخوردار! بے رُو و ریا فقروں کا طریق ہمیشہ دعائیں دیتے رہنے چنانچہ ہر لحظہ اور ہر وقت صبح و شام دعائیں دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ شانہ اپنی درگاہ بلا اشتباہ میں سے سب کے مقاصد دارین اور مطالب کونین پورے فرماوے اور ایزد سبحانہ تعالیٰ آپ سب کو اس فساوی دور کے مکروہات سے محفوظ اور اپنی نصرت و حمایت میں مبسوط و مضبوط رکھے۔ آمین۔

آپ نے مفارقت و جدائی کے باعث اپنی پریشان حالی کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ بزرگوں کا کہنا ہے کہ دور رہنے والے کامل حضرات باخبر ہوں تو ہر وقت آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں اور نزدیک رہنے والے دل کے اندھے ہوں تو وہ (نزدیکت) رہتے ہوئے بھی دور ہیں سے

در راہ عشق مرخص قرب و بعد نیست

مے بنیت عیان و دعائے فریستمت

عشق کی راہ میں دور و نزدیکی کے مرحلے آتے نہیں۔ میں تجھے بر ملا دیکھتا اور

دعائیں دیا کرتا ہوں۔

قربِ روحی تو دارم و بعدِ بدنی!

سیچوں در دور نبی خواجہ اویسی قرنی

میرا جسم اگر چہ آپ سے دُور ہے مگر مجھے رُوحانی قرب نصیب ہے جیسا کہ
نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک زمانہ میں خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ تھے۔

ہمارے خاندان میں ظاہری علم کا حصول شرطِ اول ہے۔ اگر چہ باطنی علم ظاہری علم
پر فضیلت رکھتا ہے مگر نو آموز طالب علم کے لئے ظاہری علم، سیدھی راہ ہے بشرطیکہ
عملِ صالح ساتھ ہو۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ علم حاصل کرنے کا مقصد کسبِ معاش یا فخر و
مبالات نہ ہو بلکہ دینیات ہو اور آیات و احادیث پر پورا عبور حاصل ہو جائے۔

لہذا تحریرِ خدمت ہے کہ کسی باعمل اہل سنت اُستادِ محترم کی خدمت میں زانوئے تلمذ
تہہ کیا جائے۔ فرمانِ رسول ہے: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ (جامع صغیر: ۵۴)
ہر مسلمان مرد اور عورت پر علم تلاش کرنا فرض ہے۔

نبی آدم از علم یابد کمال	نہ از حشمت و جاہ و مال و مال
ترا علم در دین و دُنیا تمام	کہ کار تو از علم گیر و نظام
طلب کردن علم شد بر تو فرض	وگر واجب است از پیش قطع ارض

حضرت انسان، علم سے کمال کو پہنچتا ہے۔ حشمت جاہ و جلال اور مال و اسباب
سے نہیں۔ کیونکہ دین و دُنیا کے کاموں کا انتظام علم سے وابستہ ہے۔ اس لئے فرض ہے
کہ علم حاصل کیا جائے اور ضروری ہے کہ اس کے حصول کیلئے سفر کی مشقت بھی برداشت
کی جائے۔

”اَطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصَّيْنِ“ (جامع صغیر ص ۴۴) علم حاصل کرو خواہ چین جانا پڑے۔
جب عقیدہ اہل سنت و جماعت رکھنے والا اُستاد باعمل کسی ایک شہر و قصبہ میں کہیں مقیم آ
جائے تو رہے سعادت، سفر ضروری نہیں اور حسبِ ضرورت، جو چیز مجھ سے حل طلب ہو
بلادرینغ و انشکھ دیا کیجئے، جواب باصواب آپ کو مل جایا کرے گا جبکہ یہ بات طے ہے کہ خط و کتابت
نصف ملاقات ہے، (دُعا ہے) کہ خیر تبت دارین آپ کے نصیب ہو بالصاد والنون۔
آمین آمین۔

مکتوب (۲)

بجناب فیض مآب حضرت غریب نواز مدظلہ العالی
 نیاز بے انداز جو کہ برابر عزت و عظمت ہئے، بندہ سرخجھکاتے اور شکر کرتا ہے
 کہ آں ذات گرامی کا صحیفہ گرامی نواز شمس نامہ نامی سانی جس مبارک گھڑی میں شرف
 صدور لایا۔ اس عاجز خاکسار کا سر فخر و مباہات سے آسمان کی بلندی کو چھو گیا اور ایسے
 محسوس ہوا کہ تن ناتواں میں جان آگئی اور ”وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوْحِي“ کا راز مل گیا
 بندہ نے مبارک نامہ کو سراںکھجوں پر رکھا چوما اور عرض کیا ہے

من کہ باشم کہ برآں خاطر عالی گذرم!

لطفہا مے کنی اے خاک ورت تاج سرم

میں کون کہیں کہ آپ کے بلند شان دل میں میرا خیال آئے یہ آپ کی عنایات ہیں
 اے غریب نواز تیسرے آستانے کی مٹی میرے سر کا تاج ہے۔

غریب نواز! حسب فرمان واجب الاطاعت، علوم عقلم و نقلی حاصل کرنے کیلئے
 صاحب الفضائل و کمالات مرتبت، فصاحت و بلاغت منزلت، جامع المنقول والعقول
 خاویق الفروع والاصول سراپا فیض و کرم علامہ محمد اعظم عظمہ اللہ تعالیٰ فی الدارين کی خدمات حاصل
 کر لی ہیں۔ جمیع تعلقات و تعینات سے فارغ ہو کر، علم حاصل کرنے کے لئے، مضبوط جدوجہد
 کر رکھی ہے۔ السَّعْيُ مِنْي وَالْإِثْمُ مِنْ اللّٰهِ۔

نیز! نیاز مند کا ذہن قاصر اور طبیعت میں فتور پائے جانے کے باعث حضرت
 علامہ صاحب موصوف کی تقریر نہ طبع گیر ہو سکتے اور نہ ذہن پذیر۔ حافظہ میں تقسیم ہوتے
 اس لئے مسائل ذہن میں ضبط نہیں رہتے۔ ازراہ نواز شکریمانہ، ملکہ اور قوت عقل کی

کشائش و افزائش کیسے کوئی وظیفہ عنایت فرماویں تاکہ بند فیض یاب ہو اور میرے
کلاہ عزت کی نوک سورج کی ہندی تک پہنچے۔

یا اللہ جبل جبال میرے مہشد کریم کے آفتاب جہاں تاب کہ شعاعیں قیام قیامت
تک، ہم افادہ طلب و گورہ تابان روحشاں ہیں۔ آمین



جواب ۲

بہ شورو و آواز کا مگر سعادت اطوار زاواللہ سعادت

بعد از سلام سنت خیر الانام، آپ کے مراسلہ نے بہت کچھ مسرت و فرحت بخشی اور روح شدہ

حقائق واضح ہوئے۔ برے عزیز! پیرانِ عظام کا ارشاد ہے۔ بعد از نماز فجر سورۃ الم نشرح

سات دفعہ پڑھ کر دین بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر دم کر کے بائیں پستان کے نیچے دل پر وہی ہاتھ

خوب مل لے۔ مگر فائدہ یاب ہونے کیلئے دوام شرط ہے (ذہن و حافظہ میں تیزی آجائے گی)

راحت المریدین تصنیف شیخ محمد قدس سرہ العزیز "تیسرے راحت میں" ہے کہ طلوع آفتاب

سے پہلے سورہ فاتحہ شریف ایک دفعہ معوذتین ایک ایک دفعہ پڑھ کر اپنے دل پر دم کرے اس

کے بعد تین دفعہ یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ نُوْرَ بَلَدِنَا بِكَ قَلْبِيْ وَاشْرَحْ بِهٖ صَدْرِيْ وَانْطِقْ بِهٖ لِسَانِيْ

بِحُوْرِكَ وَتُوْبَتِكَ فَاِنَّهٗ لَاحْوَلُ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَلْقِكَ مُحَمَّدٍ

وَالِهٖ وَصَلِّ عَلَيْهِ اَجْمَعِيْنَ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اور اول و آخر درود شریف

پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لے اور دعائوں کرے "یارب مراد طلب علم طلب بدہ" اے میرے پروردگار! مجھے

طلب علم کی طلب عطا فرما۔ علم کی فضیلت میں ارشاد ربانی ہے "الَّذِيْنَ اُوْتِيَ الْعِلْمَ وَرَجَاتُ" (پارہ ۲۸ رکوع ۲)

علم والوں کے بڑے درجات ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اِنَّمَا يُخَشَى اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ" (پارہ ۲۲ رکوع ۱)

اللہ کے بندوں میں سے جو صاحب علم ہیں وہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنًا سَلَامًا مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا (پارہ ۳ رکوع ۹) اور نچتے علم لوگ ہی کہتے

ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے کہ ہر چیز بار بار سے پروردگار سے ہے۔

اہل علم کیلئے مناسب ہے کہ وہ اپنے ہاتھ میں دو عدد عصا رکھیں ایک اَخْبَثَ لِلّٰهِ يَعْنِي

دوستی ہو تو بسرف اللہ کیلئے اور دوسرا اَلْبُعْضُ لِلّٰهِ كَالْاٰخَرِ شَمْسِيٌّ يَمُوْتُ بَعْدَ شَمْسِيٍّ سَوِيًّا سَوِيًّا

اور ان دونوں پر تکیہ رکھتے جیسے کہ آپ اس پر عمل کریں۔

فتحہ راسلہم علیکم وعلیٰ من الذمکم

مکتوب ۳

جناب عالی حضرت پیر و مرشد دامت برکاتہ

بندہ خاکسار عاجز زار عرض کرتا ہوں کہ یہ نیاز مند آنوالا شان کے ارشاد و مطابقت
علوم کی تحصیل میں ہمہ تن مصروف ہوں۔

اس کے علاوہ اگر حضور چاہیں اور ارشاد ہو تو قرآن مجید کی منزل تلاوت روزانہ
کر لیا کروں۔ چونکہ پیر و مرشد کی اجازت و عنایت کے بغیر کوئی کام چنداں نفع بخش
نہیں۔

لہذا گزارش ہے کہ تلاوت قرآن مجید کی مقدار اور اس سے متعلق طوطی
لکھ کر مجھے بھجوادیتے تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔



جواب ۳

برخوردار از بعد سنوزہ سلام واضح باد کہ تلاوت قرآن مجید ضروری ہے۔ سات دن میں ختم قرآن ہو تو زہ سے نصیب دَلَقْدَ اَتَيْتَاكَ سُبْعًا مِّنَ الْمُتَشَانِي (پارہ ۱۴ رکوع ۶) اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ اور اگر طاقت و استطاعت نہ ہو تو حسبِ توفیق حسبِ قدر چاہیں تلاوت کر لیا کریں جیسا کہ قرآن مجید خود ارشاد فرماتا ہے۔ فَاَقْرِءْ وَمَا تيسِّرْ مِنَ الْقُرْآنِ (پارہ ۲۹ رکوع ۱۴) جس قدر آسانی ہو پڑھو۔

تلاوت کے آداب ۱۔

① غور و توجہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (پارہ ۹ رکوع ۱۴) جب قرآن پڑھا جائے اُسے غور سے سنا اور خاموش رہو تاکہ فلاح پاؤ۔ آیت پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ سُننے والا پڑھنے والے کا حکم رکھتا ہے۔ دونوں کو غور و توجہ لازمی ہے۔ سُننے والا خواہ اپنے آپ سے سُن رہا ہو یا کسی اور سے سُن رہا ہو۔

② محفل قرآن میں غمگین ہو کر بیٹھنا چاہیے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ وَإِذَا سَمِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ۔ (پارہ ۱، ابتدا) اور جب سُنتے ہیں وہ جو رسول کی طرف اُترا تو ان کی آنکھیں دیکھو کہ آنسوؤں سے اُبل رہی ہیں اس لئے کہ وہ حق کو پہچان گئے۔

③ قرآن مجید ایک عمیق سُندر ہے اور ہزاروں لوگ اس میں ڈوب کر مر گئے لہذا خوف لگا رہتا ہے اور مشکل مقام ہے۔ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا (پارہ ۱ رکوع ۳) اللہ تعالیٰ بہیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہیروں کو ہدایت دیتا

ہے۔
 ۴) کچھ لوگ قرآن مجید سے شفا پاتے ہیں۔ وَنُنزِلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ لِّ

(پارہ ۱۵ رکوع ۹) اور ہم آمارتے ہیں قرآن مجید میں سے وہ جو شفا ہے۔

۵) کچھ لوگ خراب ہو جاتے ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ اَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (پارہ اول رکوع ۱) بیشک جن لوگوں نے کفر کیا برابر ہے۔ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

۶) کبھی کبھار قرآن مجید پڑھنے سننے سے مرض بڑھ جاتا ہے۔ فَاذْهَبْ اِلَيْهِمْ مَّرْفُوعًا

۷) قرآن مجید میں ارشاد ہے لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهُ خَاشِعًا

مُتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ اَلْاَمْثَالُ لِمَن لَّغِيَ عَنَّا لِقَاءُ رَبِّهِمْ اِنَّهُمْ لَكٰفِرُوْنَ (پارہ ۲۱

رکوع ۶) اگر ہم یہ قرآن کبھی پہاڑ پر آمارتے تو تم ضرور اُسے دیکھتے تجھکا ہوا پاش پاش ہوتا ہوا

اللہ کے خوف سے اور یہ مثالیں لوگوں کے لئے ہم بیان کرتے ہیں تاکہ سوچیں۔

قرآن مجید ہمہ تن گوش بن کر سنا اور پڑھنا چلے بیٹھے تاکہ اصحاب جناب رسالت

صلی اللہ علیہ وسلم جیسا فائدہ پہنچے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرًا لِّمَن كَانَ لَهَا قَلْبٌ اَوْ اُنْفُسٌ

اَلتَّسْمِعُ وَهُوَ شَهِيدٌ (پارہ ۲۶ رکوع ۱۷) بیشک اس میں اسی کیلئے نصیحت ہے جو دل کھتا

ہو یا کان لگاٹے اور متوجہ ہو۔

الوجہل اور ابی ہب کی طرح استماع نہ ہو کہ قرآن مجید عربی اوس ہے اور وہ بھی

صرف قصے کہانیاں۔ اسی طرح گمراہی میں پڑ سکتے۔ هٰذَا اَسَاطِرُ الْاَوَّلِيْنَ يٰۤاَقْرَبُ

لِقَوْمٍ كٰفِرِيْنَ (پارہ ۱۵ رکوع ۵) لوگوں کی کہانیاں، میں۔ اِيْكَ اَوْ رَجُلٍ مِّنْهُمْ اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَلْاِثْمَانَ اَلَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِىْ اَنْفُسِهِمْ

وَاقْرَا (پارہ ۱۵ رکوع ۵) اے محبوب تم نے قرآن مجید پڑھا ہم نے تم میں اور ان میں جو

آخرت میں ایمان نہیں لاتے ایک چھپا ہوا پردہ کر دیا اور ہم نے ان کے دلوں پر غفلت

کے پردے ڈال دیئے کہ اسے سمجھیں اور کانوں میں بوجھ۔

۸) تلاوت نہ اونچی آواز سے اور نہ نہایت دھیمی آواز میں ہو، میانہ روی افضل ہے روایت میں آئی ہے کہ جناب ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ، نہایت دھیمی آواز میں قرآن مجید پڑھا کرتے اور فرماتے ہیں جس سے مناجات کر رہا ہوں وہ کس نے سنا اور حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ، بلند آواز میں تلاوت فرماتے وجہ یہ بیان کرتے کہ میں سوئے ہوئے غافل لوگوں کو بیدار کرنا چاہتا ہوں اور شیطان کو بھگانا چاہتا ہوں۔ انہیں حالات قرآن مجید نازل ہوا ہے۔ وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتُ بِهَا وَأُبْتِغِ بَيْنَ ذَاكَ سَبِيلًا (پارہ ۱۵ رکوع ۱۲) اپنی نماز نہ بہت اونچی آواز سے پڑھو اور نہ بالکل آہستہ اور ان دونوں کے بیچ میں راستہ نکالو۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدیق تم اپنی آواز اونچی کر لو اور عمر کچھ آہستہ پڑھا کرو۔

آداب تلاوت درج مذکور کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہیں تلاوت قرآن، آداب تلاوت کو ملحوظ رکھ کر ہو تو نفع دیتی ہے۔ جبکہ سماعت قرآن افضل ترین عبادت شمار کی جاتی ہے اور مشائخ عظام کی کتب سے یہ استفادہ ہوتا ہے۔ الہی عاقبت محمود گردان۔ (یا اللہ انعام بخیرنا)



مکتوب ۲

جناب عالی گذارش یہ ہے کہ حسب الارشاد آن ذات شرف آیات بندہ نے علوم ظاہری میں کمال حاصل کر لیا ہے، مگر اُردو و وظائف سے محروم رہا ہوں اور اپنے ہم عصر پیر بھائیوں کے کمالات اور تسبیح و مصلیٰ کے مشغل دیکھ کر شرم سار ہوں۔ ازراہ نوازش و کرم بخشی، کچھ وظائف، نوافل، ذکر و فکر اور مراقبہ وغیرہ کے طور طریقے اور ان کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ زہے سعادت، تاکہ الطاف کریمانہ سے دوری نہ رہے۔



جواب ۴

برخوردار واضح و لائح باد کہ زندگی کا ثمر علم باطن کا حصول ہے جو کہ عبارت ہے تصفیہ قلب سے اور وہ بجز ریاضت و عبادت اور اولیٰ صوم و صلوة اور حج و زکوٰۃ اور بغیر امداد شیخ کامل کے حاصل نہیں ہوتا۔

سے رستن ازیں پردہ کہ برجان تست
بے مدد پیر نہ امکان تست!

دل اور جان پر جو غفلت کا پردہ ہے اس سے نجات پانا شیخ کامل کی مدد کے بغیر

ممکن نہیں ہے۔

اگرچہ مشائخ عظام کی کتابیں رشد و ارشاد کا کام دیتی ہیں لیکن باطن کے دروازوں کے کھولنے اور تمام مشکلوں کے حل کرنے کیلئے چابی پیروں اور مرشدوں کی جانب سچی توجہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ کتب مشائخ کا مطالعہ کر کے مقصد حقیقی کا حصول ناممکن نہیں مشکل ضرور ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ عبادت و ریاضت کی محبت دل میں رکھنا اور سچی ارادت کا ذوق دل کی زمین میں کاشت کرنا راہِ صواب ہے، اولوالالباب کا یہی مشورہ ہے اور قرآن حدیث کے مطابق بھی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي كَوَّلَكُمْ
اپنے رب کی عبادت کرو اور نہ کافرمان ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ
ایک ۲۷ رکوع ۱۲) اور میں نے جن اور آدمی صرف اس لئے پیدا کئے کہ میری عبادت کریں
بعض مفسرین نے لِيَعْبُدُونِ کا معنی کیا "لِيَعْرِفُونِ" یعنی میری پہچان رکھیں۔

لیکن مبتدیوں کیلئے علم ظاہری کا حاصل کرنا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ لازم ہے کہ پہلے پہل کمر استقامت باندھ کر تمام تعلقات دنیاوی سے فراغت کر کے تھوڑے دنوں میں ضروری علم دین حاصل کر لیں اور گرانمایہ عمر ضائع نہ کریں۔ مثل مشہور ہے کہ گزرا ہوا پانی اور زکلا ہوا تیر واپس نہیں لایا جاسکتا۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کا ارشاد ہے

اعظم المصائب قوت الوقت بلا فائدة، بلا فائدہ وقت گزارنا اور اسے ضائع کرنا سب سے بڑی مصیبت ہے۔ لہذا علم حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

جیسا کہ بزرگوں نے فرمایا ہے۔

علم را بگزینایی تا نباشد شش خصال
حوص و لغز، فہم کامل جمع خاطر کل حال!
ہمت استاد مشفق سبق ہم باشد مدام
لفظ را تحقیق کروان تا شوی مرد کمال

علم حاصل کرنیوالے طالب علم میں چھ صفات پایا جانا ضروری ہیں۔ شوق مکمل سوچ سمجھ اور ہر طرح سے سکون و اطمینان، مہربان استاد کی توجہ قلبی، بلا ناغہ سبق اور الفاظ کی تحقیق ہوتا کہ علم میں کمال حاصل ہو جائے۔

میرے عزیز! جب بفضل الہی مرحمت نامتناہی، علم ظاہری سے دینی مسائل اور اسلامی فضائل حاصل ہوں۔ حق و باطل کا امتیاز کرنے میں مہارت مل پائے تو پھر جس کام کیلئے لیاقت ہو اسی کام کو شروع کیا جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے مطلب و مقصد میں بندگی کی طرف سے قطعاً بخل سے کام نہ لیا جائے گا مقصوم ازلی اور سعادت لم یزلی سے آپ کا جو نصیب ہے ضرور مل کر رہے گا۔

ہر چہ نصیب است تو مے رسد

ورنہ ستانی بستم مے رسد

جو کچھ نصیب ہو اسے ضرور مل پائے گا اگر کوئی اسے نہ لینا چاہے تو بالجبر والا کراہ و باجائے۔

وظائف و نوافل فکر و ذکر مشائخ چشت اہل بہشت ترتیب وار ذکر ہیں لیکن فی الحال

۳۳-۳۲ بار

۱۔ پانچوں وقت ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمد للہ،

اور اللہ اکبر ۳۴ بار خمس الاوقات پڑھے جائیں۔

۲۔ ہر نماز کے بعد پڑھا جائے آیت الکرسی ایک بار۔ آیت کریمہ وَمَنْ تَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (پارہ ۲۸ رکوع ۱۷) سورہ فاتحہ شریف ایک بار سورہ اخلاص تین بار اور آخر میں درود شریف تین بار۔ آسمان کی طرف منہ کر کے دم کروا جائے۔ فوائد یہ ہیں حق تعالیٰ روح اس کی خود آپ قبض فرمائیں گے ملک الموت کا واسطہ نہ رہے گا۔ سکرات الموت سے آسانی ہوگی۔ قبر میں راحت اور روح قبض ہوتے ہی سیدھی جنت ملے گی۔ بالخصوص دنیا میں روزی فراخ ہوگی۔

۳۔ مغرب کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد اوابین کی چھ رکعت، تین سلام سے پڑھی جائیں طریقہ یہ ہے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین تین دفعہ سورہ اخلاص پڑھی جائے۔ اس کے بعد ایک دو گنا حفظ الایمان پڑھیں طریقہ یہ ہے کہ رکعت اول میں فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص سات بار اور سورہ فلق ایک بار دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص سات بار اور سورہ الناس ایک بار پڑھی جاوے بعد سلام اجمہ میں سر رکھ کر تین بار یہ دعا مانگیں (يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ ثَبِّتِي عَلَيَّ الْاِيْمَانَ)۔ یہ کافی ہے اگرچہ زیارت بہتر ہے۔

مکتوب ۵

جناب عالی گذارش خاکسار داعی فی العشی والابکار عاجز زاریہ ہے کہ نیاز مند تعلیم حاصل کرنے میں رات دن مصروف رہنے مہربان استاد محترم کی شفقت کے طفیل مطالعہ سبق اور اس کی مضبوطی میسر رہے نہ ہے نصیب! مگر وجہ معاش خاطر خواہ حاصل نہ ہونے کے سبب، اس مسکین کا دل غمگین رہا کرتا ہے۔ سکون نہ رہے بلکہ پریشانی لاحق ہے اور پشیمانی بھی۔ دل ہی دل میں کہا کرتا ہوں زبان شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ وعلیٰ من لدیہ

کساں شہد نوشند و مرغ و برہ مراروئے نان مے نہ بیند ترہ
خداوند روزی بحق مشغول پراگندہ روزی پراگندہ دل

لوگ شہد پیتے ہیں اور بھجونا مرغ کھاتے ہیں اور میرے نصیب میں روٹی کیلئے بیزی تک میسر نہ رہے۔ دولت مند ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول ہوتا رہے۔ مگر ایک مسکین جس کا رزق پورا سورا ہو وہ پریشان حالت میں وقت پاس کئے جاتا ہے۔ غریب نواز مدد فرمائیے تاکہ بندہ کارزق وسیع ہو اور فتوح الغیب کے دروازے اس بندہ مسکین پر کھل جائیں۔ اور ساتھ ہی کم از کم اتنی ضرور ہو کہ فقر و فاقہ کی فکر دل میں نہ رہے زیادہ عداوت۔



جواب ۵

برخوردار بعد از سلام خیریت انجام معلوم ہو اور ہوش کے کان سے سنو یقین کی آنکھوں سے دیکھو کہ عبادت و ریاضت کی بنیاد، توکل ہے جو کہ قرب الہی کے دروازہ کی کنجی اذعان و عرفان تک پہنچانیوالی ہے انتہا ولایت کے لئے کسوٹی ہے۔ توکل جب تک موجود نہ ہو کامل ایمان کا وجود ناممکن ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَتَوَكَّلُوا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ پس (اللہ پر) توکل کرو اگر تم ایمان دار ہو۔ توکل کا معنی ہے نفس کی تدبیروں سے کنارہ کشی کر لینا یعنی جمیع اسباب سے منہ پھیر لینا اور احکام خداوندی کے آگے تسلیم خم کر لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَقَالَ مُوسَىٰ يَا قَوْمِ اِنَّ كُنْتُمْ اٰمِنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهَا تَوَكَّلُوا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ (پارہ ۱۱ رکوع ۱۴) موسیٰ کلیم علیہ السلام نے کہا اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اُس پر بھروسہ رکھو اگر تم مسلمان ہو۔ اے عزیز! توکل حصول ایمان کیلئے شرط ہے اور دعا کی قبولیت کا دار و مدار توکل پر ہے۔ تفسیر بیضاوی شریف میں ہے فَقَالُوا عَلٰی اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (پارہ ۱۱ رکوع ۱۴) بولے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ رکھا۔ الہی ہم کو ظالم لوگوں کیلئے آزمائش نہ بنا۔ فِیْہَا تَبٰیئًا عَلٰی اٰمِنًا عَلٰی الدّٰعِیْ اَنْ یُّقَدِّمَ التَّوکلَ لَیْکُوْنَ مَجَابًا۔ دعا کرنے والے پر لازم ہے کہ توکل کو دعا سے اولین مقام دے تاکہ دعا قبول ہو۔ (اللہ پر بھروسہ کرنا کمال ایمان کا مقتضی ہے)

مشائخ عظام توکل کو حاصل کرنے کیلئے بے حد کوشاں نظر آتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا مقصد بعثت بھی توکل کا حصول ہے تاکہ مکر غرور اور ریاسم و شہرت جیسے مذموم عادات جڑ سے اکیڑویشے جائیں۔ اللہ رب العالمین فرماتے ہیں وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمْ

الفقراء اللذین غنی ہئے اور تم محتاج ہو (پارہ ۲۶ رکوع ۸) لازم ہئے کہ اپنی مُرادیں اللہ کے پُردہوں اور صرف اسی سے احتیاج رکھیں (دستور ہئے) محتاج و فقیر، غنی کی طرف جاتا ہئے اسی سے کچھ مل سکتا ہئے، فقیر کی طرف توجہ کرنے میں کیلئے گا اور یہ بھی طے ہئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کون غنی ہئے۔ لہذا انسان اپنی تمام حاجات اسی کے پُردہ کر دے تاکہ سب مُرادیں برآویں۔ پس ہئے: مَنْ لَمْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَسَاءَ حَبْلُ مَا تَصَبَّاهُ۔

یا در کھنا چاہیے کہ توکل کے تین مدارج ہیں ادنیٰ - اوسط اور اعلیٰ ادنیٰ درجہ یہ ہئے جیسا کہ شیر خوار بچہ صرف اور صرف اپنی ماں سے مطلب رکھتا ہئے۔ اور بس طالب سلوک کو چاہیے کہ وہ تمام حاجات و مرادات سوائے اپنے رب کے اور کسی سے طلب نہ کرے۔ اوسط درجہ کی مثال غسل دینے والے کے ہاتھ میں میت کی سی ہئے جب تک غسل دینے والا نہ چاہے میت میں کوئی حرکت نہیں ہوتی طالب صادق اللہ تعالیٰ سے بھی کوئی مطالبہ نہ کرے اس سے جو ملے بسر و چشم قبول کر لے جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: حَسْبِيَ سِوَالِي عَلِمْتُ بِحَالِي مِيرَے حال سے اُس کا باخیر رہنا میرے سوال کیلئے کافی ہئے۔

ارباب حاجتیم زبان سوال نیست - در حضرت کریم تمنا چہ حاجت است
ضرورت مند سہی مگر خاموش ہیں اس کریم کے حضور آرزو کرنا ضروری نہیں اور
بے مانگے دیتا ہئے۔

پہلے مرتبہ میں ثابت قدم رہنا لازم اور ضروری ہئے دوسرے مرتبہ میں دوام ضروری نہیں ہئے۔

اعلیٰ درجہ کا توکل یہ ہئے کہ فنا و بقا کا مقام حاصل ہو یعنی جمیع ذرائع و وسائل کو چھوڑ کر صرف اللہ رب العالمین کا ہورہنا توکل ہئے۔ انبیاء علیہم السلام کو توکل سے خاص لگاؤ تھا ہمیں بھی چاہیے کہ اسی صفت کو حسب استطاعت حاصل کیا جائے۔
زہے سعادت - سعدی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

بر توکل گم بود فیروزیت! حق و ہد مانند مرغان روزیت
 مژگانکس کہ فسد اجساں دہد غم مخور آخر کہ آب و نان دہد
 تابکے چون مور باشی دانہ کشش گرتو مروی فاقد را مردانہ کشش
 از خدا شاکر بود مرد فقیر! گرو دہد قوتش لب نان فطیر!

اگر تیرا اور رضا بچھونا، توکل بن جائے تو اللہ تعالیٰ تجھے پرندوں کی مانند روزی بہم پہنچائے گا۔ کل تک جس پاک ذات نے تجھے زندہ رکھا ہے۔ فکر نہ کیجئے روٹی پانی دینا بھی اسی کی ذمہ داری ہے۔ کیڑے مکوڑوں کی طرح کیسے کب تک آپ و دانہ میں سرگردانی ہوگی جو ان مرد ہو تو فقر و فاقہ سے ایسا کر لو۔ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا رہتا ہے فقیر مرد خواہ اسے نان جویں تک میسر آئے یا نہ آئے۔ *وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَعَ الْهُدٰی۔*

اللہ کشائش رزق کیلئے عمل لکھا جا رہے مداومت شرط ہے۔ فائدہ ہوگا۔ صبح کی نماز کے بعد *يَا مُفْتِحُ فَتِّحْ۔ يَا مُفْتِحُ فَتِّحْ۔ يَا مُسَبِّبُ سَبِّبْ يَا مُسَهِّلُ سَهِّلْ يَا مُتِمِّمُ تِمِّمْ* بالخیر برحمتک یا التَّوْحَمَ الرَّاحِمِينَ ۲۱ بار پڑھیں اور فجر کی سنت میں و فرض کے درمیان سورہ فاتحہ شریف *بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ* کی میم کو ملا کر ۲۱ بار پڑھیں۔ الہی عاقبت بالخیر والمرت گردان۔

آمین ثم آمین

مکتوب ۶

جناب عالی مدظلہ العالی بندہ گنہگار احقر العیب او عاجز عرض رسالہ سے کہ بعض طلبہ بوجہ جہل و عناد و فتنہ انگیز اور شرخیز واقع ہوئے ہیں اور گٹا ماراُن کا کہنا ہے کہ "بیعت" بدعت ہے۔ پہلے زمانے میں اصحاب کرام جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک مقصد پر بیعت ہوتے تھے کہ کافروں سے جہاد کیا جائے اور بس۔ اب جبکہ اندریں وقت "جہاد" نہیں رہا بیعت ختم شد۔ میرے محترم پیر و مرشد اس غلام بے دام کی بات لغو و وہی اور غیر معتبر صحیح، مگر زیادہ مناسب ہے کہ ازراہ نوازش، اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث تحریر میں لائی جائے تاکہ آپ کے دامن سے وابستہ غلام محکم اور مستحکم ہوں اور دوسرے لوگ ان بد عقیدہ لوگوں کی صحبت سے اجتناب کر کے صراط مستقیم پر آجائیں۔



جواب ۶

برخوردار بعد از سلام سنت خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معلوم ہو کہ شیخ کامل کی بیعت کرنا جو کہ شیخ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے اور ان سے عہد و پیمانہ باندھنے کا نام ہے ایک ایسی سعادت عظمیٰ اور نعمت قصویٰ ہے جو اللہ پاک کے حضور پہنچ پانے کا بہترین وسیلہ اور خوبصورت ذریعہ ہے۔

اے برادر عزیز! یاد رکھنا چاہیے کہ وسیلہ کاملہ کے بغیر کوئی کام انجام کو نہیں پہنچ سکتا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهَا الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (پارہ ۶ رکوع ۱۰) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ مثال کے طور پر ایک چھوٹی سی جیونیٹی اگر خانہ کعبہ کا طواف کرنا چاہے تو جس قدر بھی کوشش کرے اس کے لئے وہاں پہنچنا ممکن نہیں ہوگا اور اگر کسی بلند پرواز شہباز کے قدم پکڑ لے تو ضرور اُسے خانہ کعبہ کی حاضری نصیب ہوگی۔ بہر کیف شیخ کامل کا واسن فیض میاں پکڑ لینا ضروری ہے۔ جس کی گفتگو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو جیسی ہو اور جس کے افعال و احوال جناب رسول پاک کے افعال و احوال کے مطابق ہوں تاکہ اخروی سعادت اور اُس جہان کی نجات اور ترقی درجات کا وسیلہ بن جائے مَن يُسَلِّمْ إِلَيْهَا فَسَيَخُذُ الشَّيْطَانُ يَعْنِي جَس كَامُرْتَدَنَّهُ هُوَ اس کا شیخ شیطان بن جالم ہے۔

خواجگی بے پیر بون کا زنا و اناں بود!

ہر کرا پیرے نباشد پیرا و شیطان بود

پیر و مرشد قبول کئے بغیر خواجہ بن جانا ناوانی ہے جس کا پیر و مرشد نہ ہو اُس کا پیر

شیطان ہوتا ہے۔

اگر ان اوصاف سے متصف پیرِ کامل میسر نہ ہو تو اس کی تلاش و جستجو میں بے حد جدوجہد کرے اور اس کے انتظار میں عمر گزارے۔ نماز کی انتظار میں بیٹھنے والے، نمازی کا حکم رکھتے ہیں۔

بہر حال شیخِ کامل کے بغیر دین و دنیا کے کام نہیں بن پاتے خصوصاً جو سب سے اعلیٰ و اولیٰ مقصد و مطلب ہے کہ ”خود اور خودی سے نجات پلٹے“ یہ مقام اور مقصد اعلیٰ پیرِ کامل کی مدد کے بغیر قطعاً میسر نہیں آسکتا۔ مثنوی سے

رستن ازین پر وہ کہ بر جان تست
بے مدد پیر نہ امکان تست!
پیر کہ باشد شہد کون و مکان
خواجہ داو و ستد و کن فکان!

جان و دل پر پڑے ہوتے غفلت والے پر وہ سے نجات پانا، شیخِ کامل کی مدد کے بغیر ناممکن ہے۔ پیر کون ہے؟ کون و مکان کا بلو شاہ اور کن فکان کی داو و ہش یعنی (عطا) کا حاکم ہوتا ہے۔

کتاب ”ارشاد العاشقین“ وغیرہ کتب میں امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس وقت جبریل علیہ السلام آیت کریمہ **الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ** وَاثْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا (پارہ ۶ رکوع ۵)

(آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔) کو بارگاہِ ربِّ العزت سے لے کر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو تمام اصحابِ کرام اس کو سن کر بہت زیادہ خوش اور مسرور ہوئے (کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی معرفت اور توحید کو پورا کر دیا اور ہمارے دین پر کہ اسلام ہے راضی ہوا۔) سب خوش تھے اور شکر ادا کر رہے تھے مگر حضرت ابو بکر الصديق رضی اللہ عنہ

غمگین ہو کر زار و قطار رونے لگے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا اے ابو بکر! آج تو خوشی اور شادی کا دن ہے کہ ہمارا دین کمال کو پہنچا اور اللہ تعالیٰ اسلام کے باعث ہم پر خوش ہو گیا۔ ایسے دن غمگین اور محزون ہونے کی کیا ضرورت؟ حضرت ابو بکر صدیقؓ مزید زار و قطار روئے اور فرمایا کہ مجھے اس آیت قرآنی سے فراق یار کی بُرائی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے دین کو کامل اور نعمت کو تمام کرنے کی خاطر بھیجا تھا۔ جب ہمارے دین کو کامل کر دیا گیا۔ اور معرفت و توحید کی نعمتیں ہمیں عطا فرمادی گئیں تو اب اللہ تعالیٰ انہیں ہم میں صورت حیات نبویہ کے ساتھ نہ رکھے۔ اس لئے کہ ہر کمال کو زوال اور تمام کو نقصان آنا لازم ہے چنانچہ جب درخت کا میوہ پکنے کو آتا ہے تو خوشہ چین سے زمین پر لار کھتا ہے اور پہلی کے چاند سے چودھویں کا بدر منیر بن جاتا ہے تو ہر روز نقصان کی طرف بڑھتا ہے اور آخر کار محاق میں پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اسی طرح جب دین متین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمال کو پہنچ گیا تو غالب گمان یہ ہے کہ قریباً ایام میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ملک قدیم کی طرف رحمت سفر باندھ لیں گے۔ حیراں ہوں کہ ان کے بعد ہمارا کیا حال ہو گا۔ آیت کے نزول کے بعد جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین صرف اسی دن یا ایک اسی دن اس دنیا میں بقید حیات رہے۔ سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی وفات مبارکہ سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور پاک کی خدمت میں آیت مبارکہ، مَخْلِقِينَ رُؤُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا (پارہ ۲۶ رکوع ۱۱)

تم اپنے سروں کے بال منڈواتے اور ترشواتے ہوتے بے خوف ہو تو اس نے جان لیا جو تمہیں معلوم نہیں تو اس سے پہلے، ایک نزدیک آنیوالی فتح رکھی، اور چار ٹوپیاں بہشت سے لے کر حاضر ہو گئے۔

ایک گوشہ۔ دو گوشہ۔ تین گوشہ اور چار گوشہ والی

ایک ترکی۔ دو ترکی۔ سہ ترکی اور چار ترکی اور عرض کیا کہ یہ چاروں ٹوپیاں سر مبارک پر

رکھیں پھر جسے چاہیں عطا کر دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخلوق ہونے کا واقعہ مشہور ہے۔ چنانچہ شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف "قوة العارفين" میں فرماتے ہیں کہ سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے بال تراش لئے اور وہ چاروں ٹوپیاں (باری باری) سر اقدس پر رکھیں اور اس کے بعد کلاہ یک ترکی حضرت ابو بکرؓ کو عنایت فرمائی اور تکبیر بلند فرمائی اور کلاہ دو ترکی حضرت عمرؓ کا سر مونڈ کر ان کے سر پر رکھ دی، تکبیر بلند کی، کلاہ سہ ترکی حضرت عثمان غنیؓ اور کلاہ چار ترکی حضرت علی المرتضیٰؓ کے سر مونڈ کر ان کے سر پر رکھ دی اور تکبیر بلند کی

بعد ازاں ان تمام اصحاب کو آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ہاتھ مبارک پر بیعت فرمایا۔ چونکہ چار پیر اور چار تکبیر کی کہاوت تھی اس لئے واضح ہو کہ چاروں اصحاب کرام میں سے ایک ایک فرد، صاحب کلاہ خلیفہ کامل اور ولی مکمل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ارشاد فرمایا چاروں بایہم ائتدیتکم اہتدیتکم کا مرتبہ رکھتے تھے رضوان اللہ علیہم اصحاب کرام میں سے جس جس کی پیروی کرو گے ہدایت پالو گے۔

(نوٹ درج بالا واقعہ بیعت و کلاہ پوشی) ارشاد السالکین مصنفہ شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اور ملفوظات خواجہ شیخ نظام الدین اولیاء میں پایا جاتا ہے مترجم) منقول ہے کہ جب نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کی جنگ میں مغلوب ہو کر کسی ایک مقام میں فروکش ہوئے تو حضرت امیہ رضی اللہ عنہ چار ہزار سواروں سمیت لشکر کفار سے علیحدہ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آداب بجالایا اور ہاتھ باندھے عرض کی مجھے حلقہ اسلام میں داخل فرمایا جائے۔ رحمۃ اللعالمین نے اسے گلے لگایا اور اپنے قریب بٹھا دیا مگر اصحاب کرام نے باہم صلاح و مشورہ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ امیہ کے ایمان و اسلام پر اعتماد نہ کیا جائے شاید کہ دھوکہ دے جائے دغا باز ہے۔ اسے لشکر اسلام سے علیحدہ کر دیا جائے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا امیہ صحیح اسلام لایا ہے۔ صحابہ نے از روئے مصلحت یہ بات قبول نہ کی آخر اپنے یاروں کی پاس خاطر مطلوب تھی اسی مصلحت کی بناء پر حضور نے امیہ کو آبدیدہ

حالت کے باوجود علیؑ کو دیا اور حکم دیا کہ امیر ہمارے لشکر سے علیؑ رہے امیر علیؑ کی
 کا حکم سن کر اپنے آپ میں نہ رہا روتے ہوئے عرض کی صبح سویرے کل کے دن میرا سچ
 جھوٹ ظاہر ہو جائے گا جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں سچا دل لے کر آپ کے حضور
 آیا تھا میرے دل میں کچھ بگاڑ نہیں ہے۔ انشاء گفتگو میں سیدنا جبرائیل علیہ السلام
 آیت مبارکہ لے کر حاضر ہو گئے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ
 فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْثَقَ بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهِمُ اللّٰهُ
 فَاِنَّهُ يَجْرُؤُا كَبِيْرًا (پارہ ۲۶ رکو ۹) وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے
 بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے تو جس نے عہد توڑا اس نے
 اپنے بڑے عہد کو توڑا اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا تو بہت
 جلد اللہ سے بڑا ثواب دے گا۔

اور جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی اے اللہ کے رسول امیر متجانبے جھوٹا نہیں
 تب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر کا ہاتھ پکڑ کر اسے بیعت فرمایا اور ٹوپی عطا
 کر دی۔ تمام ساتھ بیٹھے اصحاب نے عرض کی کہ ہمیں بھی بیعت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا
 مدت ہوئی کہ تم تو حلقہ بیعت میں داخل ہو چکے ہو۔ اصحاب نے عرض کیا کہ پہلے وقت
 میں صرف "مصافحہ" کی صورت میں بیعت کا حکم آیا تھا اس وقت کہ دست بیعت کا حکم آیا ہے۔
 نوازش فرمائیے اور ہمیں بھی از سر نو دست بیعت فرمائیے۔ پاک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام
 نے از سر نو سب اصحاب کو نئی بیعت سے عزت یاب کیا اور حکم دیا کہ تم اپنے بعد
 آئیوالوں کو بیعت کیا کرو تاکہ یہ سلسلہ قائم دائم رہے۔

بہت سی احادیث جو اس بارے میں وارد ہیں ان میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے
 جسے ذخیرۃ المشائخ میں بروایت ابی ہریرہ اور عائشہ صدیقہ روایت کیا گیا ہے کہ جب
 سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم اس وارفانی سے وارفانی کو تشریف لے گئے خلفائے راشدین
 رضوان اللہ علیہم، لوگوں کو دعوت اسلام دیتے رہے اور جب نبوت و خلافت کے
 دنوں بہترین دور اختتام کو پہنچے اور خلفائے راشدین بھی شربت فنا نوش جان کر کے

دارالبقا کو سدھا رکھتے تو بعدہ اصحاب کرامؓ نے لوگوں کو کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کرنے اور اسلام کی دعوت دینے کا یہ سلسلہ جاری رکھا جب دو قرن اسی طرح گزر گئے اور صحابہ کرامؓ نے شربت فنا چکھ لیا اور بہشت میں جا پہنچے تو چونکہ تمام صحابہ کرامؓ براہ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سند ہدایت رکھتے تھے اور انہوں نے دعوتِ اسلام کا رشتہ ہاتھ سے جلنے نہیں دیا تھا اس لئے جب ان حضرات نے اپنی حیاتِ ظاہری پر موت کا حجاب ڈال لیا تو پھر علمائے تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین باصدق و صفا اتفاق کر کے لفظاً و معنی یہ بات تسلیم کر گئے کہ بموجب اصحابی کا لفظ "بِأَيْدِيهِمْ أَقْبَدْتُمُ احْتَدَيْتُمْ" (یعنی میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں تم جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے) اصحاب کرامؓ تو بظاہر نظروں سے گئے کہ ہم ان کی پیروی کریں دستِ بیعت ہوں جیسا کہ بعد رسول کریمؐ ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ ترقیب و اختلاف پر بیٹھے کیونکہ یہی چاروں ہی اس کا حق رکھتے تھے کہ رسولِ خدا کی مسندِ خلافت پر یکے بعد دیگرے بیٹھے چونکہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ پر خلافت ختم ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایسے قائم مقام سجادہ نشین کی جستجو اور تلاش جاری رکھی جو کہ خلقِ خدا کی رہنمائی کر پائے تو حضرت حسن بصری رضی اللہ علیہ کو جناب امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا خلیفہ موزوں پایا علمائے تابعین اور ہادیانِ دین متین میں سے ہر ایک نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کو مرجع بنا لیا۔ اور ان کے دستِ حق پرست پر بیعت ہونے لگے۔ بہر کیف پیری مریدی اور بیعت یعنی ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے اور عہد باندھنے کا سلسلہ اس روز سے ظاہر ہوا۔

ورنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے مبارک دور میں پیری مریدی کی صرف یہی ایک صورت تھی کہ باہم مل بیٹھنا اور ایک دوسرے سے محبت رکھنا اور استفادہ کرنا (چونکہ اصحابِ صحبتِ نبویؐ کی وجہ سے نورانی دل رکھتے تھے اور آپ کے حضور میں متادب بن چکے تھے۔ لہذا بیعت مروجہ کی ضرورت نہ تھی) اسی وجہ سے پیری و مریدی کے تمام چودہ سلسلے حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے پیدا ہوئے۔ لہذا فی کتب المشائخ فائدہ۔ پیری و مریدی کے ثبوت میں (زمانہ نبوت و خلافت اور تبع تابعین وغیرہم) میں آیاتِ قرآنیہ احادیثِ نبویہ اور اقوالِ قدسینہ ایک ایسی مستحکم اور قطعی اصل و بنیاد ہیں جسے

مضبوط اور سیر پلائی دیوار کہا جاتا ہے اس میں کسی منکر کو انکار کی گنجائش نہیں۔ آیاتِ احادیث اور اقوالِ قدسیہ درج ذیل ہیں۔

آیاتِ قرآنیہ : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (پارہ ۶ رکوع ۱۰) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

آیتِ مقدسہ میں "الوسیلہ" سے مراد مُرشدِ کامل سے بیعت ہونا ہے۔

مورسکین ہوس داشتت کہ در کعبہ رود

دست در پائے کجوتر زد و ناگاہ رسید!

مسکین چینی کو "عاجی صاحب" بننے کا شوق چرایا کجوتر کے پاؤں پچڑ لئے اور اچانک خانہ کعبہ جا حاضر ہوئی۔ آیتِ قرآن ہے۔ مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللَّهَ فَمَنْ تَوَلَّى فَمَا ارْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا (پارہ ۵ رکوع ۸) جس نے رسول کی اطاعت کی بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کے بچلے کو نہیں بھیجا۔

بحر الحقائق میں ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم وصف فنا فی اللہ بقابا اللہ سے موصوف تھے پس جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہو گا وہ گویا اللہ تعالیٰ سے قائم اور یقیناً خلیفہ اللہ ہو گا۔ ثابت ہوا کہ خلافتِ نبوی کریم اور آپ کے متبعین صاحبانِ کرامت کا حق ہے جیسا کہ خود اللہ رب العزت فرماتے ہیں وَمَا رَيْبُكَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَحَمَةٌ (پارہ ۹ رکوع ۱۶) اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی وہ تم نے نہ پھینکی تھی میں اللہ نے پھینکی تھی۔ اور دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ (پارہ ۲۶ رکوع ۹) وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ کسی مردِ عارفِ کامل کے ہاتھ میں ایسا ہاتھ دیا جائے کیونکہ باطن و ظاہر تمام مشکلوں کے حل کرنے اور معرفت و معنی (باطن) کے دروازوں کے کھولنے کی کنجی، پیرانِ کرام اور مُرشدوں کی جانب سچی توجہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

چوں تہی گشت از خود پُرشدز دوست
 بیشکے فرمان این فرمان اوست !
 مارمیت فاشش گوید بر ملا !
 کہ فیگندی تو، انگندیم ما
 توفد افگندن نہ جز آلتے
 فعل فاعل را بود بے علتے !
 عقل اینجا را ندارد وہم نیز
 چشم بکشالوب فرو بندائے عزیز

جب کوئی شخص اپنے آپ سے خالی ہو کر اپنے اندر دوست (حقیقی) کو بسالے۔ پھر اس میں شک ہی نہیں رہتا کہ اس شخص کا حکم، حکم خدا بن جالہ ہے۔ دلیل چاہیے تو مارمیت اوزمیت وکن اللہ رمی سے صاف اور کھلم کھلا پتہ چلتا ہے کہ اے پیارے محبوب تو نے نہیں پھینکا ہم نے پھینکا ہے۔ (قرب و انقض کے مقام پر فائز ہو کر) تم مٹی پھینکتے وقت صرف آل تھے۔ فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور فعل کی نسبت، بے شبہ اور یقیناً فاعل کی طرف ہوتی ہے۔ رہی عقل وہم۔ یہ لب با رہ کر کچھ بھی راہ نہیں پاسکتی لہذا زبان بند کر کے آنکھ کھولو۔ سب کچھ نظر آجائے گا۔

وہ لوگ جو..... اہل اللہ کے انکاری اور انہیں اپنی مثل جانتے ہیں یہ سراسر جہالت اور محض باطل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا تَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا تَرَاكَ إِلَّا تَبَعًا لِلَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا بِجَادِي الرَّاغِبِي وَمَا نَرَى لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ بَلْ نَنْظُرُكُمْ كَمَا ذُوبِين (پارہ ۱۲ رکوع ۳)

تو نوح علیہ السلام کی قوم کے سردار جو کافر بنوئے تھے، بولے ہم تو تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں، ہم نہیں دیکھتے کہ تمہاری پیروی کس نے کی مگر ہمارے کہینوں نے، سزری نظر سے اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی بڑائی نہیں پاتے بلکہ ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ اور وہ حقیقتِ انسانی کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

ہمیری با انبیا امیداشتند !
 اولیا را، بچو خود پنداشتند
 گفت اینکہ بالشرایشان بشر
 ماوالیشان بستہ خوابیم و خور
 این نہ دانستند ایشان از عملی
 بہت فرقی در میان بے انتہا
 بروگوں ز نور خور و از یک محل
 زیں یکے شد ز ہر وزاں دیگر غسل

ہر دو گوں آہو گیاه خوردند و آب زان یکے شد خون و دیگر مشک ناب
 آن دو نے خوردند از یک آب و خور این یکے خالی و دیگر پر شکر؛
 صد ہزار ان این جنیں اشباہ ہیں فرق شان ہفتا و سالہ راہ میں
 لوگوں نے انبیاء علیہم کو اپنے برابر اور اولیاء کرام کو اپنی ہی مثل جان لیا۔ اور کہا ہم اور
 وہ (نبی و ولی) سبھی لوگ آدمی ہیں اور کھانے پینے کے پابند ہیں مگر دل کے اندھے تھے انہیں
 فرق نظر نہ آسکا۔ غور کیجئے! دونو مکھیاں ایک ہی پھل پھول کھایا کرتی ہیں مگر ایک مکھی میں زہر اور
 دوسری مکھی میں شہد پیدا ہوتا ہے۔ دونو ہرن ہیں کھانا پینا ایک ہے مگر ایک میں خون بنا اور
 دوسرے میں خالص مشک۔ دونو نرمل یعنی گنتوں کا خورد و نوش واحد ہے (مگر اللہ کی
 قدرت دیکھئے) کہ ایک بانس کی شکل بن کر اندھ سے خالی رہا اور دوسرا شکر اور چینی سے
 بھرا ہوا ہے۔

اے برادر ہزاروں ہم شکل اور ہم صورت اشیاء موجود ہیں لیکن ان کے درمیان ہزاروں
 سال کی راہ کا فرق پایا جاتا ہے۔ (اللہ مجھ سے آمین)
 احادیث مبارکہ :-

۱۔ مَنْ لَا شَيْخَ لَهُ فَشَيْخُهُ الشَّيْطَانُ

جس کا مرشد نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔

۲۔ حضور نے فرمایا: الشَّيْخُ فِي قَوْمِهِ كَالنَّبِيِّ فِي أُمَّتِهِ (جامع صغیر ص ۳۳)

شیخ اپنی قوم میں ایسے ہے جیسے نبی اپنی امت میں ہوتا ہے۔

۳۔ عُلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ

میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی مانند ہیں ان کے علاوہ بہت

سی احادیث موجود ہیں۔

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ پیر لینا اور مرید ہونا طریقت میں فرض اور
 شریعت میں سنت ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کابل و جاہل کی صحبت و دوستی اور بد مذہب و بد شرب کے ساتھ

بل جُل کر رہنے اہا س سے ربط و تعلق سے پُرہیز ضروری ہے۔ ورنہ عمر گرا نما یہ کا ضیاع ہی ضیاع ہوگا اس لئے کہ پیرانِ عظام کا ذکر ایمان کو تازہ کرتا ہے اور ان کے حالات کا مطالعہ مریدین کے ایمان پر تجلّی ڈالنے میں اکیسر ہے۔

نیر اہل سنت و جماعت میں سے کسی کامل محترم محترم استاد کے سامنے زانو سے تلمیذ حصولِ تعلیم کے لئے تہہ کئے جائیں۔ عقائد میں افراط و تفریط سے دُور رہیں۔ اللہ و رسول کے حضور مقبول و پسندیدہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ بُری عادات اور خراب اخلاق سے دامن بچایا جائے جیسا کہ دنیوی کا کیا بھروسہ؟ کیونکہ زندگی کی دیوار بے بنیاد ہے۔ جب عمر کا پیمانہ اجل کے ہاتھوں ٹوٹ جاتا ہے تو تاخیر کئے بغیر بہت جلد کمر تہت باندھ کر ارادت و عقیدت کے کوچہ میں آجلیٹے اور کسی کامل پیر کا ہاتھ پکڑ لیٹھے اور مرید ہو جلیٹے تاکہ بیعت، اخروی سعادتوں اور اس کی نجات اور ترقی کا وسیلہ بن جائے۔ والسلام

ترجمہ۔ پیر را بگنیزین کہ بے پیر این سفر

ہست بس پر آفت و خوف و خطر

ترجمہ۔ مُرشد کامل کا دامن پکڑ کیونکہ مُرشد کے بغیر یہ سفر بہت آفت زدہ اور خوف و خطر سے پُر ہے



مکتوب ۷

جناب عالی دامت ظلکم ابداً۔

خواص و عوام میں جو وہ سلسلوں کا ذکر مشہور و معروف ہے بعض لوگ انکاری ہیں اور کچھ لوگ ان کے متعلق اعتقادِ راسخ اور اقرارِ صادق رکھتے ہیں مگر دونوں طرف افراط و تفریط پایا جاتا ہے انوالہ شان کے معتقدین میں سے چند غلام، اس ناچیز سے بھرتقاضا اور بے پناہ تمنائے کر حاضر ہوتے کہ آنجناب مدظلہ العالی سے جو حکم اس مسئلہ کے بارے ہوگا ہم سب خدمتگار اس عقیدہ پر ختم کر دیں گے اور آپ کے اعتقاد کو سند قرار دیں گے۔ غریب نواز! آپ جیسی قدسی صفات ذاتِ بابرکات کیلئے یہ جسارت و تکلف نامناسب ہی مگر بقضائے _____ ”کو مھانتے تو مارا کرو گستاخ“ عرض ہے کہ اس بارے میں جو کچھ تحقیق ہو زیب تحریر فرمائیے تاکہ ہم لوگ در طہ اختلاف سے نکل کر ساحل اتفاق پر آجائیں۔



جواب ۵

برخوردار اَطال الشَّعْرَةَ بعد از سلام سُنَّت خیر الانام۔

مشائخِ عظام و پیرانِ کرام کی تصنیفات و تالیفات میں مسائل مذکورہ نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دیتے گئے ہیں تحقیق و تفصیل مطلوب ہو تو ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔
بندہ درویش بھی کسی قدر مشرت نمونہ خر و خرے تحریر کر کے ارسال کئے دیتا ہوں۔

حجۃ السالکین اور مطلوب الطالبین میں خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کا آخری وقت آپہنچا تو وہ شخص خلافت لے کر فیض یاب ہوئے۔ عبد الواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے خواجہ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ اور یہ دونوں جناب، ولایت کشف اور شاہدہ ولے تھے۔ چودہ خانہ انوں کا ظہور ان دونوں سے ہوا۔ صورت تفصیل یوں ہے۔ پانچ خالوادے حضرت خواجہ عبد الواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے ظہور پذیر ہوئے اور نو خالوادے حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ سے ظہور یاب ہوئے۔

خواجہ عبد الواحد بن زید کے پانچ خالوادے

① خالوادہ زیدیان۔ یہ پانچ افراد ہیں جو کہ حضرت عبد اللہ بن عوف کی اولاد میں

سے ہیں۔ قرآن و حدیث کے حافظ اور علم و کمال میں مکمل قدرت رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ عبد الواحد بن زید رضی اللہ عنہ سے سچی ارادت کے ساتھ مرید ہوئے تھے اپنے آباؤ اجداد سے نسبت ترک کر کے خواجہ مذکور سے خلافت حاصل کی۔

روش اور طریق یہ ہے کہ اول قرآن مجید حفظ کر کے علم و ادب میں درجہ کمال حاصل کر لیتے ہیں۔ ریاضت و مجاہدہ اور خلوت بیابان و صحرا میں اختیار کیا کرتے ہیں۔ تین چار پانچ

دن تک متواتر روزہ رکھا کرتے ہیں۔ افطار روزہ، جنگلی میوہ یا بیابانی بیزہ سے کیا کرتے ہیں۔ کسی حیوان کی جان نہیں لیتے۔ یہاں تک کہ جوئیں بھی اپنے کپڑوں میں سے باہر پھینک دینا ناپسند کرتے ہیں۔ ناگ اور پتھو کو بھی قتل نہیں کرتے۔ ہمیشہ مشغول باخدا رہتے ہیں۔ خیروں کے پتوں کی چادر بنا کر پہن لیتے ہیں۔ سلیم القلب ہوتے ہیں اگر کوئی شخص پتھر کراہیں اپنا غلام بنائے تو بلا انکار ان کی خدمت کئے دیتے ہیں اگر انہیں بازار میں (بصورت غلام) بیچ دیا جائے تو پک جلتے ہیں اور کسی کا عیب دل میں نہیں رکھتے جب کوئی شخص ان کے سلسلے میں مرید ہو لے تو اسے درج بالا روش کا حکم دیا جاتا ہے۔ مریدین درج بالا روش و طریق قبول کر لیتے ہیں تو ان کے حضور مقبول و منظور ہیں ورنہ مرود کر دیئے جاتے ہیں چنانچہ اس خانوادہ کے مریدین میں یہی طریق چلا آ رہا ہے۔

② خانوادہ عباسیاں :- فضیل بن عیاض سے منسوب ہے شیخ صاحب بھی

خواجہ عبدالواحد بن زید سے خلافت یافتہ اور آپ کے مرید ہیں۔ روش اور طریق یہ ہے کہ ہمیشہ تنہا اور مجرد زندگی گزارتے ہیں نہ بیوی نہ بچے اور نہ گھر ہمیشہ سفر میں رہا کرتے ہیں نیا کپڑا بالکل زیب تن نہیں کرتے راہ میں بل جانے والے پرانے پٹھے کا خرچہ بنا کر پہن لیتے ہیں۔ بغیر مانگے جو چیز مل جائے بخوشی کھا لیتے ہیں ورنہ فاقہ میں مست رہتے ہیں۔ ساری رات صبح تک جاگ جاگ کر گزار لیتے ہیں۔ اکثر و بیشتر پابریہ نہ رہا کرتے ہیں۔ تین دن کا روزہ رکھتے ہیں اور افطار مہمانوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ لوگوں سے میل جول بالکل نہیں رکھتے جو شخص اس روش کو قبول کرے مرید ہو لے اسے اس پر نظر عنایت کیا کرتے ہیں اور ایسا مرید بھی صاحب دروہن جاتا ہے۔

③ خانوادہ ادھمیاں :- سلطان ابراہیم بن ادھم سے نسبت ہے جو سلطان

ابراہیم بن ادھم علیہ الرحمۃ تک پہنچا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم نے چار سیر کا خرچہ کیا ہوا تھا۔ آپ نے جب وہ خرچہ اپنے مرید کو بخشا اور اسے پہنایا تو مرید نے خود کو ادھی مشہور کیا۔

اور اپنے آباؤ اجداد کی نسبت کو ترک کر دیا۔ اس سلسلہ میں جب کسی کو خرقہ پہنایا جا لگے تو وہ مُرید اپنے آباؤ اجداد کے نسب و حسب کو چھوڑ کر اپنے آپ کو ادھی کہلاتے ہیں۔

اس سلسلے کے لوگوں کی روش اور طرز بود و باش کہ مجرد زندگی گزارتے ہیں۔ گودڑی پہنتے ہیں مفروضہ میں ذکر جہزی ان کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے اور لالچ نام کو نہیں ہوتا بلا طلب جو مسخرات مل پائے وہ فقراء میں تقسیم کر دیتے ہیں اور فقراء کے طفیل ان پر جو مسخرات ہوتی ہیں اس میں سے قوت لایموت فقراء کے ساتھ کھاتے ہیں، اہل دنیا سے قطعاً تعلق ہوتے ہیں اور ان کے خانوادہ کے مریدین تارک الدنیا ہوتے ہیں اور وہ نفس امارہ کو اپنا مطیع بناتے ہیں۔

④ خانوادہ ہبیریان - ان کا شیخ ہبیرۃ البصری سے تعلق ہوتا ہے۔

روش و طریق یہ ہے شہر میں رہیں تو گھر بنا لیتے ہیں۔ جنگل میں ہوں تو مجرد زندگی بسر کرتے ہیں۔ جنگل کا بنزہ اور گھاس کھاتے ہیں۔ کھانے میں نمک نہیں ڈالتے دل بالکل صاف ستھرا رکھتے ہیں شب و روز وضو پر ہمیشگی رکھتے ہیں اور نماز نہایت حضور قلب سے ادا کرتے ہیں کسی سے نذر و نیاز قبول نہیں کرتے تین چار روز بعد، روزہ جنگلی میوہ یا بیابانی سبزی سے افطار کرتے ہیں ان کے دل ربانی الوار سے روشن ہوتے ہیں جو شخص ان کا مہم جو جاتا ہے وہ بھی روشن اختیار کرتا ہے۔

⑤ خانوادہ چشتیاں - یہ سلسلہ حضرت خواجہ ممشاد علو دنیوری رحمۃ اللہ علیہ

کی معرفت شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابواسحاق شامی چشتی تک جا ملتا ہے۔ خواجہ ابواسحاق علیہ الرحمۃ چشت سے تشریف لاکر، بغداد تشریف میں شیخ ممشاد علو دنیوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے۔ آپ نے فرمایا تم خواجہ خواجگان چشت ہو اور خواجگان چشت کا دین و اسلام آپ سے وابستہ ہے۔ چنانچہ خواجہ ابواسحاق کو خرقہ و فلانت عنایت کر کے انہیں واپس چشت روانہ کر دیا۔ اس دن سے درج ذیل مشائخ کو خواجگان چشت کے نام سے یاد کیا جا لگے۔

خواجہ ابواسحاق - خواجہ ابوالاحمد - خواجہ ابو محمد - خواجہ ناصر الدین ابویوسف خواجہ قطب الدین مودودی چشتی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو شخص بھی ان کا مرید ہوتا ہے وہ انکی روش اور طریقہ اختیار کرتا ہے

اور ان حضرات کی روش و طریقہ یہ ہے کہ شہر میں ہوں یا گاؤں میں گھر بنتے ہیں اور جہاں کہیں رہیں مخلوق خدا کو اللہ پاک کے حضور بلاتے ہیں ہر وقت ریاضت عبادت اور مجاہدے کی کوشش کرتے اور باخدا مشغول رہا کرتے ہیں۔ فقر و فاقہ اینالتے ہیں فقراء، غریب اور مساکین کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رہتا ہے۔ کھانا بھی فقراء کے ساتھ مل کر کھایا کرتے ہیں محفل سماع اور اہل سماع سے سچا پیار کرتے ہیں اپنے مشائخ کرام کا عرس کیا کرتے ہیں فقیروں کی بہت تعظیم کرتے ہیں۔ فقیر کے بالمقابل امیروں کی طرف کم میلان ہوتا ہے۔ غریب اور فقرا کے ہاتھ خود دھلتے ہیں اور لنگر خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتے ہیں اور خود کھلتے ہیں صدق دل اور پختہ ارادت لے کر جو شخص ان سے بیعت ہوا نہیں خداوند تعالیٰ سے ملا دیتے ہیں دنیا کی محبت ان کے دل سے جاتی رہتی ہے۔ اسی لئے ضروری ہے کہ سب سے اول اپنے آپ کو رذائل اور بد خصال سے صاف ستھرا کر کے اس کے بعد اس سلسلہ میں بیعت ہو تاکہ ان کی نظر عنایت اور توجہ باطنی ہوتی ہے "اہل اللہ" بن جائے اور آنکھوں کے سامنے سے تمام حجابات ہٹ جائیں مطلوب و مقصود تک رسائی باسانی حاصل ہو اللہ تعالیٰ۔

”خواجہ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ اور انکے نو خاندانے“

① **حبیبیان** :- جو حضرت عبد الرحمن بن عوف کے بھائیوں کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ دو بھائی تھے اور وہ دونوں نہایت متقی اور زبردست صالح اور بے پناہ علم رکھنے والے تھے۔ وہ جب خواجہ حبیب عجمی کے مرید ہوئے تو انہوں نے آباؤ اجداد سے نسبت توڑ کر صرف اپنے مرشد کریم کو ماویٰ و بلجای بنایا خلوت و عزلت میں بیٹھ گئے خود کو یاد دہا میں شاغل رکھا۔ یا بانوں میں جنگلی جانوروں سے میل جول بنایا۔ گاتار تین دن کا

روزہ مگر افطار کے لئے صرف ایک عدد کھجور (مزید ضرورت کیلئے) دو عدد خرما پر اکتفا کر لیتے تھے۔

② خانوادہ طیفوریوں - جو کہ سلطان العارفين حضرت خواجہ بايزيد بسطامي قدس سرہ

سے جا ملے۔ پہلے آپ کا نام طیفور تھا۔ جب بايزيد بسطامي رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ حبیب عجمی سے خرقہ خلافت حاصل کیا آپ کی عمر ایک سو باون سال تھی آپ نے خواجہ حسن البصری اور امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہما کو دیکھا تھا اور ان کی بہت خدمت کی تھی۔ مگر بیعت عجمی سے ہوٹے اور خرقہ و خلافت ان سے پایا جو شخص بايزيد بسطامي کا مرید ہوتا ہے وہ آپ کی روش پر چلتا ہے حضرت خواجہ بايزيد بسطامي کا خرقہ چار قسم ہے۔

اول شکر پارہ، دوم ہزار مسیخی، سوم گوڈری جو صوف کا بنا ہوتا ہے۔ چہارم پرنے پٹروں سے تیار شدہ خرقہ یعنی راہ میں گھرے پڑے پٹرے صاف و پاک کر کے خرقہ تیار کر لیا کرتے تھے اور سلطان العارفين بايزيد بسطامي کے چار خلفائے ہر ایک کو ایک خرقہ حصہ میں آیا یعنی خلیفہ اول مسعود رحمۃ اللہ علیہ جسے خرقہ شکر پارہ ملا دوسرے خلیفہ شیخ محمود جو خرقہ ہزار مسیخی لے گئے تیسرے شیخ ابراہیم ہیں جنہیں مہارہ شکل میں صوف کا خرقہ پہنایا گیا اور چوتھے ہیں شیخ احمد جنہیں پرنے پٹروں سے تیار شدہ خرقہ بشکل گوڈری از آنجناب سلطان العارفين بايزيد نصیب میں آیا۔ یہی چاروں خلفاء آپ کی راہ و روش پر گامزن رہے اور بیض اللہ اکرم "اہل اللہ" بن کر دنیا میں پھیل گئے۔

③ خانوادہ کرخیاں - جو حضرت خواجہ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت

رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ داؤد طائی اور حضرت امام علی موسیٰ رضا رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں حضرات سے فیض یاب ہیں حضرت امام موسیٰ رضا سے امام زین العابدین سے سیدنا امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، تک سلسلہ ملتا ہے حضرت واؤد طائی سے حضرت حبیب عجمی حسن بصری اور پھر امیر المؤمنین علی المرتضیٰ تک سلسلہ مل جا رہا ہے۔

بغداد شریف میں ایک محلہ کا نام "کرخی" تھا۔ نسبت نے کرخی بنا دیا۔ اس سلسلہ میں داخل ہونے والے مریدین، اپنے باپ، ادا سے تعلق منقطع کر کے حضرت خواجہ معروف کرخی کی وجہ سے "کرخی" کہلانے لگے صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق اور شغل باکمال رکھتے ہیں ان کے دل (عوائق و علائق دنیاوی سے خالی ہونے کے باعث) مصطفیٰ مُنزکی ہوتے ہیں حضرت معروف کرخی رحمہم عمری میں عرش اعلیٰ سے لے کر تخت الشریٰ تک سب کچھ دیکھا کرتے تھے آپ کے سلسلہ کے ارادت مند، ماسویٰ اللہ کا خیال دل سے نکال کر، آپ کی راہ و روش پر بدل و جان نثار ہو کر چل پڑتے تھے۔

④ سقطیاں - یعنی حضرت خواجہ سری سقطی سے تعلق رکھنے والے خود حضرت خواجہ سری سقطی رضی اللہ عنہ، حضرت خواجہ معروف کرخی کے خلیفہ تھے۔ تین بزرگوں نے خواجہ سری سقطی سے خرقہ اور خلافت حاصل کی انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی نسبت کو ترک کیا اور حضرت خواجہ کی راہ و روش پر چل کر اپنے مقصد و مطلب کو پا گئے۔

⑤ جنیدیاں - حضرت خواجہ جنید بغدادی سے نسبت رکھتے ہیں دو خلیفے آپ کے مشہور و معروف ہیں ایک خواجہ عثمان علی اور دوسرے شیخ فخر الدین منصور جو کہ گڈری پوش صائم الدہر اور قائم اللیل تھے کسی سے نذر و نیاز قبول نہیں کرتے تھے۔ علم دینی میں امام اعظم ابوحنیفہ کو فی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ سات دن کا متواتر روزہ ان کا شعار تھا۔ ستر سال تک ریاضت کی۔ اس کے بعد جنید بغدادی کے بیعت ہوئے آباؤ اجداد اور اپنے شہر سے منقطع ہو کر بغداد آئے اور شیخ بغدادی سے نعمت خلافت پائی۔

⑥ خالوادہ گازونیاں - سلطان ابواسحاق گازونی سے تعلق ہے۔ جو کہ سلطنت اور مملکت چھوڑ کر خواجہ عبد اللہ خفیف کے مرید ہوئے۔

⑤ خانوادہ طوسیوں :- شیخ علی الطوسی جو کہ تین واسطوں سے شیخ جنید بغدادی

کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ ان کی زاہد روش یوں ہے کہ مزار میر و محفل سماع کے رسیا ہوتے ہیں۔ ذکر چھری کرتے ہیں اور خیر و شر میں سے جو بھی نصیب ہو لے سے نعمت جانتے ہیں۔

⑧ خانوادہ فردوسیوں :- یہ خاندان دراصل شاہ نجم الدین الکبریٰ سے تعلق رکھتا

ہے۔ اور حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ، عمار بن یاسر کے مرید ہیں اور عمار بن یاسر شیخ ابو نجیب فردوسی کے اور خواجہ فردوسی، خواجہ وجہ الدین ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ و بیعت تھے۔

⑨ خانوادہ سحروردیوں :- خواجہ جنید بغدادی تک یہ سلسلہ تین واسطوں میں

مسلک ہے۔ اس خاندان کی زاہد روش عجیب و غریب ہے اور کتب مشائخ میں ان کی روش اور طرز طریق تفصیل کے ساتھ تحریر ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کن فی الدنیا کانتک غریبے او عابری سبیل و عدتک من اصحاب القبور (رواہ) (جمع صغیر ص ۹۷) احمد فی المسند والترمذی وابن ماجہ، دنیا میں مسافر بن کر رہو یا مسافر ہو کر گزرو اور اپنے آپ کو مردوں میں شمار کیا کرو۔ اس کو روایت کیا امام احمد ترمذی اور ابن ماجہ نے حدیث صحیح ہے، برخوردار ہوش میں آئیے اور قیمتی عمر کو ضائع نہ کیجئے بہت جلد کسی کامل مرشد کا دامن پکڑ

لیجئے۔

ہر کہ بدل دامن پیراں گرفت!

گنج بقا، زین وہ ویراں گرفت!

جس نے صدق دل سے پیروں کا دامن تھام لیا۔ بقا کا وہ خزانہ پا گیا جو ویرانوں

کو زینت عطا کیا کرتا ہے۔

مکتوب ۸

جناب عالی مدظلہ العالی

نیاز مند عاجز محتاج کی گزارش ہے کہ ہمارے گرد و نواح کے عوام میں یہ بات مشہور اور رواج یاب ہے کہ جمعہ کے دن قبروں کی زیارت منع ہے مگر اہل حقیقت اور تحقیق و تدقیق کرنے والے لوگوں کے دلائل و استدلال پیش نہیں کر سکتے۔ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ لوگ سنی سنائی باتوں میں آکر پریشان سے ہو رہے ہیں۔

حضور والا شان! نوازش فرمائیے جس طرح سیدھی راہ اور عقل و نبی و والوں کی روش ہوا ارشاد کیجئے تاکہ آپ جیسے روشن ضمیر پیر کی دل پذیر تحریر ہر امیر و فقیر کیلئے سند بنے اور اس حقیر کے لئے ہدیہ و تحفہ۔ زیادہ آداب۔



جواب ۸

برخوردار! بعد از سلام سنت سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام
فقہ و حدیث کی کتابوں میں، متذکرہ مسائل کی تحقیق واضح طور پر موجود ہے۔ لکھنے کی
چند ضرورت نہ تھی تاہم آپ کی آرزو کو مدنظر رکھتے ہوئے اس قدر تحریر ہے کہ "فائدہ"
شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی علیہ الرحمۃ مشکوٰۃ المصابیح کی شرح میں بیان فرماتے ہیں "زیارۃ القبر"
مُسْتَحَبٌّ فَإِنَّهَا يُورِثُ رِقَّةَ الْقَلْبِ وَيُذَكِّرُ الْمَوْتَ وَالسَّبِيلَ إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ مِنَ الْفَوَائِدِ لِمَعَات
ج ۱ ص ۲۶۳۔ قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے۔ اللہ رسول کا پسندیدہ عمل ہے۔ کیونکہ اس سے
رقت قلب ہوتی ہے اور موت اور بوسیدہ ہونا یاد دلاتی ہے۔

زیارت قبور جمعہ والے دن، باقی دنوں کی نسبت، زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ اور وہ بھی
خاص کر جب جمعہ کے دن اول وقت میں ہو۔ حرمین شریفین میں یہ بات متعارف ہے کہ
دوسرے دنوں کی نسبت، جمعہ کا دن اگر زیارت قبور ہو تو افضل ہے کیونکہ باقی دنوں کی
نسبت، جمعہ کے دن، میت کو زیادہ شعور اور ادراک دیا جاتا ہے۔ (ج ۱ ص ۲۶۲)
اور درم الکلیس میں ہے زیارۃ القبر فی کلِّ اُسبوعٍ مُسْتَحَبَّةٌ وَاَفْضَلُ اَيَّامِهَا يَوْمُ
الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ وَالْجُمُعَةِ وَالسَّبْتِ وَقَالَ الشَّيْخُ الْمَدَائِلِيُّ الْقَارِي فِي شَرْحِ عَيْنِ الْعِلْمِ
يُعْتَمَدُ لَهَا اَيُّ زِيَارَةِ الْقُبُورِ يَوْمَ الْخَمِيسِ وَالْجُمُعَةِ وَالسَّبْتِ وَالْاِثْنَيْنِ فَلَمَوْتِي لَعْرِفُونِ
زَوَارِعُهُمْ فِيهَا اَيُّ زِيَارَةِ عِلْمٍ بِهَا"

قبروں کی زیارت ہفتہ کے سارے دنوں میں مستحب ہے مگر زیادہ فضیلت والے
دن سوموار، خمیس اور جمعہ و ہفتہ ہیں۔ شیخ مدلل علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح عین العلم میں
فرماتے ہیں۔ زیارت قبور کے لئے سوموار خمیس جمعہ اور سنپھر مقرر ہیں اور قبروں والے اپنے
علم و ادراک کے ان دنوں میں بڑھ جانے کے باعث اپنے زائرین کو پہچان لیتے ہیں۔

فاوی برہنہ میں لکھا ہے کہ زیارت قبور ہفتہ کے ساتوں دنوں میں مستحب ہے مگر فضیلت والے دن چار ہیں سوموار، جمعہ بعد از نماز جمعہ، سینچرا از صبح صادق تا طلوع آفتاب اور اول وقت بروز جمعرات۔ دوسرے قول میں آخر وقت جمعرات لکھا ہے۔

شرح فقیدہ المصلیٰ میں ہے۔ **مُسْتَحَبُّ زِيَارَةِ الْقُبُورِ لِلرِّجَالِ وَبِكْرُهُ لِلنِّسَاءِ** قبروں کی زیارت مردوں کے لئے مستحب اور عورتوں کے لئے مکروہ ہے۔ **وَفِي الْكُتُبِ لِلنَّبْرُوِي. وَالْأَصْحَحُّ أَنَّ الرِّخَصَةَ ثَابِتَةٌ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ جَمِيعًا** صحیح یہ ہے کہ زیارت کی رخصت مردوں اور عورتوں سب کے لئے ثابت ہے۔ **وَرَوَى أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا كَانَتْ تَسْرُورُ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِي كُلِّ وَقْتٍ** یعنی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ خود اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ ہر وقت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی قبر مبارک کی زیارت کیا کرتی تھیں، تحفہ حسینی اور فاوی جلالی میں آیا ہے جو شخص زیارت قبور کیلئے شرف قدم تک چل کر آتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں ستر حج کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ "خزانة الروایات" میں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب ایک مسلمان قبرستان آنے لگتا ہے تمام قبروں والے اس امید میں انتظار کرتے ہیں کہ فاتحہ شریف پڑھ لے گا۔ بصورت دیگر تمام قبروں والے چالیس قدم تک اس کے ساتھ ساتھ چلے جاتے ہیں کہ شاید فاتحہ شریف پڑھ لے رہے سعادت تو اگر پڑھ لے تو وہ خوش خوش واپس آتے ہیں ورنہ محروم ہو کر واپس لوٹ جاتے ہیں۔ تحفہ حسینی میں ہے حضرت ابو ہریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص قبرستان میں جا کر پڑھ لیتا ہے۔ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَكْمُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** (رواہ) تو اللہ تعالیٰ ان تمام قبروں میں نور بھیر دیتا ہے اور پڑھنے والے کیلئے ایک لاکھ نیکی کا ثواب لکھ دیتا ہے اور اس کے اعمال سے ایک لاکھ گناہ مٹا دیتا ہے۔

"خزانة الروایات" میں ہے کہ قبرستان سے گزرتے وقت، بائیت ایصال ثواب سات مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھ کر اہل قبور کو دیدیا جاتے تو اگر میت گھنگارہ سے تو عند اللہ بخشش ہوگی ورنہ ثواب پڑھنے والے کو واپس لوٹ آئے گا۔ **وَالسَّلَامُ مَعَ الْأَكْرَامِ**

مکتوب ۹

جناب عالی ادام اللہ اجلالہم

بعد از سلام مننون بندہ عاجز گنہگار دست بستہ بصد اوب عرض کرتا ہوں کہ شرارت پیشہ لوگوں نے شور و غل مچا رکھا ہے کہ زیارت قبور ناجائز ہے اور ان سے مدد و اعانت چاہنا کفر اور گمراہی ہے۔ دلیل میں نص صریح آیات نَعْبُدُ اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ پیش کرتے ہیں کہ بعض فقہاء کے قول میں عبادت اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ کے سوا، دوسروں کے لئے جس طرح عبادت حرام اور ممنوع ہے اسی طرح مدد چاہنا بھی حرام اور ممنوع ہے۔ جامع الکبیر میں منقول ہے۔ **الْاِسْتِعَانَةُ مِنَ الْاَمْوَاتِ لَا تَجُوزُ لِانْهَاءِ مِنَ الْاَمْوَالِ الْغَيْبِيَّةِ وَالْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهُ اِلَّا اللّٰهُ**۔ مردوں سے مدد طلب کرنا ناجائز ہے کیونکہ یہ امور غیبی ہیں اور غیب کی باتیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ غریب نواز! اکثر لوگ ایسے فاسد اقوال سن کر استعانت و استمداد سے روگردان ہو رہے ہیں اور کچھ حیرت کے گرداب میں افسان خیزان ہیں۔ جبکہ پیرانِ عظام اور مشائخ کرام کا صحیح عقیدہ بھی چند راسخ عقیدہ لوگوں نے محکم و مضبوط پکڑ رکھا ہے۔ اور ہم نیاز مندوں کیلئے دونوں عالم میں انوالاشان کے بغیر، کوئی تکیہ اور سہارا نہیں ہے۔

بلذاعرض بحضور ہے کہ ازراہ بندہ نوازی، استمداد و استعانت کے جواز میں معتبر کتب کی روایات، بطابق قرآن و حدیث، لکھ کر ارسال فرمائیں تاکہ ہر ایک غلام صحیح عقیدہ پر ثابت قدم رہے اور بد مذہب لوگوں کی شکست و ریخت سے محفوظ و مامون ہو۔

الہی تالو بخور شید و مہابی چراغ خواجگان راروشنائی
چراغ راکہ ایند بر فیروز زد ہر آن کونف زدر شیش بسوزد

یا اللہ جب تک آفتاب میں چمک رہے خواجگان رضوان اللہ علیہم کا چراغ جلتا رہے

جس چراغ کو اللہ تعالیٰ نے روشن کیا ہوا ہے جو بھی بجھانا چاہے گا اس کی اپنی وارسی عمل جائے گی۔

جواب ۹

برخوردار زید عمرہ بعد از سلام مسنون واضح ہو اللہ والوں سے مدد مانگنا، ہر حالت میں جائز ہے۔ زندگی میں ہو یا موت کے بعد ہو۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اِذَا تَحَيَّرْتُمْ فِي الْأُمُورِ فَاسْتَعِينُوا مِنْ أَهْلِ الْقُبُورِ (اجاء علوم الدین للغزالی) جب تم (دینی و دنیاوی) کاموں میں حیرت زدہ ہو تو قبر والوں سے مدد مانگا کرو اور عبد اللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ اِسْتَعَانَتْهُ الْأُمُورُ مِنْ أَهْلِ الْقُبُورِ يَجُوزُ۔ یعنی قبر والوں سے مدد مانگنا جائز ہے اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں جیسا کہ سیدنا ابراہیم بن رستم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ : طَلَبُ اِلِسْتِعَانَةِ بِمُحْزَبِ الطَّرِيقِ اَنْ يَقُولَ الْقَائِلُ فِي مَا بَعْدَ حَتْمِ الْفَاتِحَةِ اللَّهُمَّ عَلِّمْنَا مَا فِي صُدْرِي وَحَاجَتِي فَاسْتَعِينُوا فِيهِ لِأَنَّ الْأَرْوَاحَ تَجِيئُ وَقْتُ الْقِرَاءَةِ وَتَسْمَعُ مَا يَقُولُ الْقَارِئُ یعنی ختم شریف کے بعد اہل اللہ کی مدد مانگنا جائز ہے کیونکہ ختم شریف پڑھتے وقت ارواح آیا کرتے ہیں اور قاری کی تلاوت سنتے ہیں۔ رُوحُ الْبَيَانِ أَوْ رِسَالَةُ السَّلَامِ فِيهِ : اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا يَمُوتُوْنَ بَلْ يَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلَى دَارٍ۔ اللہ تعالیٰ کے دوست مرتے نہیں (بلکہ ان کی موت صرف یوں ہے کہ) ایک گھر سے دوسرے گھر نقل مکانی کر جاتے ہیں۔ اس منقولہ سے واضح ہوتا ہے کہ جس طرح اولیاء اللہ کو حالت حیات میں اِحیاء اللہ کی قوت (بطور کرامت) حاصل تھی مرنے کے بعد بھی وہی قوت موجود ہے۔ اور جس طرح حالت حیات میں، کشف قلوب کی قوت حاصل تھی مرنے کے بعد بھی وہی قوت حاصل ہے دیارِ مغرب میں بہت بڑے فقیہ فاضل عالم کتاب الحکم کے شارح سید احمد معروف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وَقَدْ ثَبَتَ فِي الدِّينِ اَنَّ الْأَرْوَاحَ بَاقِيَةٌ وَلَهُمْ عِلْمٌ وَشَعُورٌ بِالْاَثَرِيْنَ، وَلِاَرْوَاحِ الْاَوْلِيَاءِ قُرْبٌ مِّمَّا كَانَ مِنَ الْجَانِبِ الْحَقِّ كَمَا كَانَ فِي الْحَيَاةِ اَوْ اَمِّنَ بِاللّٰهِ وَيُقْبَلُونَ اَلْكَرَامَةَ وَالتَّصَرُّفَ فِي الْاَكْوَانِ لِلْاَوْلِيَاءِ وَلَيْسَ ذَاكَ لِاَرْوَاحِهِمُ الْمُقَدَّسَةِ

وہی باقیہ والتصرف الحقیقی لیس إلا اللہ سبحانہ واکمل بقدرتہ وہم فانون فی جلد الحق فی الحیاة وبعدا المآة فدوا علی لأحد بواسطہ أحد من الأولیاء ومکانہ عندہ شیئا کما کان فی حالت الحیاة لم یتعد و لیس الفعل والتصرف فی الحالتین إلا للہ تعالیٰ و لیس فی الحالتین ما یوجب الفرق ولکن یدل علیہ دلیل فی الشرع دین میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ روح باقی ہے زائرین کا اسے علم اور شعور ہوتا ہے خصوصاً کابلیں کے ارواح کی خدا کے دربار میں قرب و منزلت ویسے ہے جیسے زندگی میں تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ کامل اور یہی سب کچھ بطور کرامت ہے۔

کائنات میں اولیاء اللہ کے لئے قوت تصرف اور صفت کرامت ثابت ہے لیکن ذاتی اور حقیقی تصرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور یہ سب قوت تصرف اور کرامت انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتے ہیں اور اولیاء عظام حیات و ممات دونو حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی صفت جلال میں فنا ہو چکے ہوتے ہیں۔ اگر ان مقدس لوگوں کے طفیل کسی کو کچھ مل جائے جیسا کہ ان کی زندگی میں، انہیں مل جایا کرتا تھا تو کیا بعید ہے۔ کیونکہ اور کوئی ایسی چیز بھی نہیں جو اولیاء کی حیات و ممات میں فرق پیدا کر دے اور نہ کوئی اس فرق پر دلیل شرعی قائم ہے۔ ان دونو حالتوں (موت و حیات) میں فعل و تصرف، صرف اللہ تعالیٰ کلبے۔

حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قال الامام الشافعی قبور موسیٰ الکاظم تریاق مجربہ لا جابۃ الدعاء امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پاک، دعا کے قبول ہونے کے لئے تریاق مجربہ ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں من یتعمد فی حیاتہ یتعمد بہ بعد مماتہ جس سے اس کی زندگی میں استمداد کر سکتے تھے بعد موت بھی کر سکتے ہیں۔ اولیاء اللہ کی زندگی اور موت، اس معاملہ میں یکساں ہے۔ لہذا جب زندگی میں ان سے درخواست دعا کر سکتے تھے تو وصال کے بعد بھی جائز ہے۔

سید احمد بن مرزوق نے فرمایا ہے کہ ایک دن شیخ ابوالعباس نے مجھ سے پوچھا

کہ زندہ انسان کا مدد کرنا زیادہ قوی ہے یا مُردہ انسان کا امداد کرنا؟ تو میں نے جواب دیا کہ لوگوں نے زندہ انسان کی امداد کو زیادہ قوی قرار دیا ہے مگر میرے نزدیک میت کی مدد بدرجہا زیادہ طاقت ور ہوتی ہے تو شیخ ابوالعباس قدس سرہ نے فرمایا۔ جی ہاں اسلئے کہ بعد وفات اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں زیادہ قرب و منزلت حاصل ہے۔

لَا مَحَالَةَ قرآن احادیث اور سلف صالحین کے اقوال حصراً وحصاً سے کہیں زیادہ ہیں۔ نیز اولیائے کرام کے حالات ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ موت و حیات دونوں حالتوں میں استمداد جائز ہے۔ بلکہ قرآن و سنت اور سلف و خلف میں استمداد سے ممانعت نہیں آئی ہے۔ کیونکہ رُوح زندہ و باقی ہے اس کا ادراک علم قوت سماعت بعد موت بھی باقی ہے۔ زائرین کا اسے علم ہوتا ہے خصوصاً کالمین کی ارواح کی خدا کے دربار میں قرب و منزلت ویسے ہی ہے جیسے کہ زندگی میں تھی بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ۔ پھر یہ کہ دونوں حالتوں میں حقیقتہً تصرف فرماتے والی ذات، اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور یہ مقدس ہستیاں، اللہ تعالیٰ کے نور جلال میں فنا ہو کر بقا باللہ کے مقام پر فیض یاب ہیں تو اندرین حالت ان کے واسطہ و وسیلہ سے اگر کسی کو کوئی فائدہ دینی یا دنیاوی حاصل ہوتا ہے (خواہ بعد الممات) بھی ہو تو کیا بعید؟ کیونکہ دونوں حالتوں (موت و حیات) میں متصرف حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے اور کوئی ایسی چیز بھی نہیں جو اولیاء کی حیات و ممات میں فرق پیدا کر دے (اللہ تعالیٰ کے محبوبوں سے ان کی زندگی میں مدد مانگیں یا ان کی موت کے بعد دونوں طرح جائز ہے) کیونکہ موت و حیات کا فرق ہی نہیں رہا۔

حضرت سیدی و سندی و ماعلیہ اعتمادی قبلہ ام خواجہ خدابخش ملتانی ثم خیر پوری قدس سرہ توفیقہ شریفہ میں فرماتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاَنْتُمْ مَنِيُّونَ (پارہ ۲۳ رکوع آخری)

اِنَّكَ مَيِّتٌ کے بجائے اِنَّكَ تَمُوْتُ نہیں فرمایا تاکہ معدوم ہو جائے کہ فی الحال میت ہے اور جب فی الحال میت ہوئے تو حیات ہمیشہ حق کی طرف منسوب رہے گی جو کہ ذی تعین ذات ہے اور وہ ہلاکت جو کُل شئیٰ ہلاکت میں مذکور ہے اور وہ موت جو

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُونَ سے مفہوم ہوتی ہے۔ ہمیشہ خلق کی طرف منسوب ہے جو تعین ہے
 اولیاء اللہ سے دُعا و استمداد حقیقۃً اللہ تعالیٰ سے طلب دُعا و امداد ہوتا ہے
 کبھی کبھار بعد وصال ہر جانے والوں کو خواب میں دیکھا جاتا ہے اور ان کی بتلائی ہوئی چیزیں
 (جو کہ خواب میں ہوں) بظاہر موافق واقع ہوتی ہیں۔ تو یہ بین دلیل ہے کہ اولیاء کرام بعد وصال
 بھی زندہ ہیں اور ان کی زندگی حقیقت میں حیات و قیوم کی زندگی ہے اور ان کا فعل و تصرف ،
 حقیقت میں "فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ" کا فعل و تصرف ہے۔

بزرگانِ عظام سے بعد از وصال ، طلب دُعا و استمداد اور فیض و برکت کے حصول
 میں ، دلائل و براہین بکثرت موجود ہیں مگر اس مختصر مقالہ میں انہیں درج کرنا گنجائش ندارد
 جنہیں زیادہ تحقیق مطلوب ہو شاہ عبدالحق الدہلوی کی "لمعات" میں جہاد و زیارت قبور کے
 باب کا مطالعہ کر لینا چاہیے۔

بس کھم بس زیر کا نرا ای بس است

بانگ دو کر دم اگر در وہ کس است

یہیں پر قلم روک لیلہ ہے جو کچھ کہا لکھا وہ دانا لوگوں کے لئے کافی وافی ہے جب
 آواز دے دی جائے اگر بستی و گاؤں میں کوئی موجود ہو گا تو آواز سن کر باہر آکر مل لینگے۔

الہی عاقبت بالخیر والسرور باد نجرمتہ سید العالمین وآلہ واصحابہ واولیاء امتہ اجمعین



مکتوب ۱۰

جناب عالی دامت برکاتہ۔ بعد از آداب نیاز مندانه عرض بحضور رہے کہ ہمارے علاقہ میں بعض سکونت پذیر طلبہ اور چند لوگوں کا کہنا ہے کہ قبر کا طواف اور اسے بوسہ دینا گمراہی اور کفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے سلسلہ سے تعلق رکھنے والے اکثر لوگ اس مذہب کی طرف مائل ہیں اور دوسرے لوگ بھی ان کی دیکھا دیکھی سیدھی راہ سے بھٹک رہے ہیں۔ لہذا بے دام غلام کی گزارش ہے کہ سلف صالحین کی روش کے موافق، جیسے راہ صواب ہو جو اب با صواب سمجھ کر بھیج دیا جائے تاکہ آپ کی تحریر و پذیر کو سند قرار دے کر تمام غلام اس پر عمل کریں۔

حد آداب فقط

جواب ۱۰

برخوردار بعد از ادائے سلام سنت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم واضح باد کہ والدین اساتذہ اور مشائخ عظام جو دین متین شرع مبین کے احکام کی تعلیم دینے سے استاد جیسا مقام رکھتے ہیں۔ تربیت اور راہ ہدایت پر چلنے چلانے کی تلقین کرنے کے سبب ماں باپ جیسی شفقت اور رحمت کے حامل ہیں۔ ان سب بزرگان (والدین اساتذہ مشائخ) کی قبروں کو بوسہ دینا جائز ہے۔ جیسا کہ درجہم الکبیر میں ہے وَلَا يُقْبَلُ الْقَبْرُ وَلَا لِيَمْسَحَ بِهَا وَلَا بِأَسْتَقْبِلُ قَبْرَهُ الْوَيْهَاءِ۔ ”قبر کو بوسہ دے نہ ہاتھ رکھے مگر ماں باپ کی قبروں کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں!“ اس سے معلوم ہوا کہ اساتذہ کرام اور مشائخ عظام کی قبروں کو بوسہ دینا جائز ہے کہ یہ دونوں ماں باپ کے حکم میں ہیں البتہ عام قبر کو بوسہ دینا جائز نہیں مکروہ ہے۔ خزانة الجلال میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث لاتے ہوئے کہلے کہ کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ میں جنت کی چوکھٹ اور حور العین کے منہ کو بوسہ دوں گا تو حانث ہونے سے بچنے کی تدبیر ہے کہ ماں کے پاؤں اور باپ کی بیشانی کو چوم لے۔ اور اگر دونوں مرچکے ہوں تو ان کی قبروں کو درج بالا صورت میں بوسہ دے دے اور اگر قبور والدین کا علم نہ ہو تو دو لکیریں کھینچ لے ایک لکیر کو ماں کی قبر اور دوسری لکیر کو باپ کی قبر، تصور کیے بوسہ دیدے تاکہ حانث نہ ہو۔“

ہدایۃ الرواح میں بھی اسی طرح لکھا ہے تحفۃ المسلمین میں ہے ماں باپ کی قبروں کو بوسہ دینا جائز ہے اور صالحین کاملین کی قبروں کا طواف کرنا تین بار جائز ہے۔ ہکذا فی المطالب اور کتاب نظام الحق میں صراحت سے لکھ دیا گیا ہے کہ طواف قبرسات دفعہ کیا جائے۔ مقدمے مشائخ جناب شیخ محمد علیہ الرحمۃ اپنی تصنیف آداب الطالبین میں فرماتے ہیں کہ طواف قبر کا صحیح طریقہ قبر کی زیارت کو جگے تو جب قریب ہو تو نہ تمیز قدم چلے نہ ہستہ

درمیانہ رفتا سے جلٹے۔ اگر حرج نہ ہو تو طواف کرنے اور اگر نہ کرے تو حرج نہیں اور طواف کرتے وقت اللہ اکبر کا ورد جاری رکھے۔ جب فاتحہ شریف پڑھے تو عرض کرے۔ اے حضرت شیخ! مدد کیجئے کہ میرے پیروم رشد کی ٹیچہ پر نظرِ کرم ہو جائے یا اپنے پیروم رشد کے شیخ کا نام لے یا اُس شخص کا نام لے جس سے اس کے پیروم رشد نے کتاب فیض کیا ہو۔ فاتحہ شریف پڑھتے وقت، قبر کی طرف منہ اور قبلہ کی طرف بیٹھ ہو۔ فاتحہ شریف پڑھنے کے بعد قبر کو بوسہ دیدے۔ اور قبر پر رخسار رکھ لے یا ہاتھ سے چھو لے اور اس ہاتھ کو بوسہ دیدے اور نیاز مندانہ مینہ پر ہاتھ رکھ لے اور بوقت رخصت (ازراہ ادب) تین قدم تک لٹے پاؤں چلے بعد میں رُخ بدلے۔

فاتحہ شریف کا بہترین طریقہ یہ ہے۔ کہ

”اول درود شریف ایک بار اور ایک بار الحمد شریف پھر آیتہ الکرسی تین بار الھکم التکاتیر سات بار، سورۃ اخلاص گیارہ بار آخر میں درود شریف“

اگر کسی دوسرے طریق سے فاتحہ شریف پڑھے تب بھی اختیار ہے لیکن طوافِ قبر ضروری نہیں ہے۔ البتہ آمد و رفت میں درج بالا روش (ازراہ ادب) نہایت ضروری ہے۔ جب اپنے شیخ کی قبر کی زیارت ہو یا ایسی قبر کی زیارت جس کی اجازت شیخ کے حکم سے ہو یا کسی صاحبِ قبر سے مدد مانگنا مطلوب ہو تو ضروری ہے کہ اپنا مقصد عرض کرے اور آہستہ آہستہ عرض کرتے ہوئے صاحبِ قبر سے مدد مانگے۔ فاتحہ شریف پڑھتے وقت دائیں بائیں نہ دیکھے اور ہمہ تن متوجہ ہو کر بیٹھے اور بلا اجازت ادھر ادھر نہ ہوتا پھرے ان اگر حجم کر بیٹھنے میں دشواری ہو تو معذوری ہے۔ انتھی کلام ۱۱۔

مشائخِ عظام اور پیرانِ کرام جو کہ شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کے پیشوا و مقتدا ہیں، لازم ہے کہ ان کے مسلک پر ثابت قدم رہیں اور بد مذہب لوگوں کی باتوں کو لایعنی سمجھتے ہوئے اپنے آپ کو ان کی بُری صحبت و مجلس سے دُور رکھا جائے۔

اے بسا ابلیس آدم رو کہست پس بروستے نباید داد دست

گر بسوزت آدمی انسان بدے احمد و جہل ہم یکسان بدے

یک زمانہ صحبت با اولیا بہتر از صد سال طاعت میرا
 آدمی آلت کہ دینے دروست محو گماں کردہ یقینے دروست

بہت سے لوگ شکل و شباہت میں انسان لگتے ہیں مگر درحقیقت ایس ہیں اُن
 کے ہاتھ پر بیعت نہیں ہونا چاہیے۔ آدمی کی پہچان صرف شکل و شباہت سے ہوتی تو
 حضرت محمد رسول اللہ اور ابو جہل دونو برابر ہوتے۔ اولیاء اللہ کی صحبت میں ایک لحظہ
 بیٹھ رہنا سو سال کی بے ریا عبادت سے کہیں بہتر ہے۔

جاننا چاہیے کہ آدمی وہ ہے جس میں دین اسلام پایا جائے اور اُس نے وہم و گمان
 کو کم کر کے یقین کی منازل طے کر لی ہوں۔

اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ وَارْزُقْنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ
 بِحَرَمَتِهَا الشَّيْخِ رِضْوَانَ اللَّهِ عَلَيْهِمُ اجْمَعِينَ آمِينَ



مکتوب ۱۱

جناب عالی مخدومی و مرشدی بندہ دکھاہ، بحالت تباہ عرض پرواز ہے کہ جب مشائخ عظام میں سے کسی صاحب کاعرس مبارک ہو تو اس عالیشان خاندان سے تعلق رکھنے والے خواص و عوام، صاحب عرس کی خانقاہ عرش اشتباہ کی جانب منفر کر لیتے ہیں اور زاد و راحلہ کی استطاعت نہ رکھنے والے معتقدین نادار غلام، کسی ایک مقام میں جمع ہو کر اس صاحب عرس کی رُوح پر قروح کو ثواب پہنچانے کی نیت سے قرآن مجید کا ختم پڑھ لیتے ہیں اور حسب وسعت طعام تیار کر کے محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی خاطر، فقرا مساکین اور یتیموں کے مسافر مہمان اور خلق خدا کو کھلا دیتے ہیں۔ لیکن اس نعمت شامل و کامل سے بے بہرہ بعض طلبہ جو کہ مشائخ عظام کی تصانیف کے مطالعہ سے عاری اور بد مذہب لوگوں کے کتب و رسائل میں شغل داری کیا کرتے ہیں، ان دو درج بالا گروہوں (عرس مبارک پر جانیوالے اور اپنے مقام پر عرس کی محفل منعقد کرنے والے) کو بدعتی اور مشرک کہتے ہیں۔ خیرات کے لئے دن مقرر کرنے کو حرام اور ممنوع فی الشریعت قرار دیتے ہیں۔ بلکہ خیرات و صدقات کو خود بے سود سمجھتے ہیں۔

میرے محترم غریب نواز ازراہ عنایت جو بھی حکم بمطابق شریعت پاک ہو صادر فرمایا جائے بسرو چشم ہم غلام لوگ جناب فی الا کی تحریر کو سند قرار دے کر عمل اختیار کریں گے۔
زیادہ حد آداب۔

جواب ۱۱

برخوردار عمر دراز بعد از سلام واضح یاد کر جناب شیخ الشائخ حضرت خواجہ شیخ محمد
قدس سرہ کی تصنیف لطیف آداب الطالبین میں ہے اولیاء اللہ رضوان اللہ علیہم کے
اعراس کی رعایت کرنی چاہیے تاکہ حسب خدمت ان کاملین کی مدد و فیض برکت انہیں حاصل
ہو اور ان کے طفیل اللہ تعالیٰ انہیں دو لوجہ سال میں عزت و عظمت بخشے۔

مجموعہ الروایات میں ہے۔ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَتَّخِذَ الْوَلِيْمَةَ فَلْيَجْتَمِعْ بِاَوْرَاكٍ مَوْتِنَا
وَيَحْتَاظْ فِي السَّاعَةِ الَّتِي نُقِلَ رُوْحُهُ فِيْهَا لِاَنَّ اَرْوَاحَ الْمَوْتِي يَأْتُوْنَ فِيْ اَيَّامِ الْاَعْرَاسِ
فِي كُلِّ عَامٍ فِيْ ذَاكَ الْمَوْضِعِ فِيْ بِلَدِكَ السَّاعَةَ فَيَبْغِيْ اَنْ يُطْعَمَ الطَّعَامَ وَالتَّرَابُ فِيْ
بِلَدِكَ السَّاعَةَ فَاِنْ ذَاكَ يَفْرَحُ اَرْوَاحُهُمْ وَاَنْ فِيْهَا مَآثِرٌ اَبْلِيْغًا۔ فَاِذَا اَرَادَ شَيْئًا
مِّنَ الْمَأْكُوْلَاتِ وَالْمَشْرُوْبَاتِ يَفْرَحُوْنَ وَيَدْعُوْنَ لَهُمْ ط

جب عرس کی محفل لگائی جائے تو وقت وصال کا تعین کر لیا جائے یعنی وہ خاص گھڑی جس
میں رُوح نے پرواز کی ہو کیونکہ مرنے والوں کی رُوحیں ہر سال عرس کے دنوں میں خاصی اسی
ساعت میں وفات پانے والے مقامات میں آیا کرتی ہیں۔ تو زیادہ مناسب یہ ہے کہ
کر عین اسی ساعت میں طعام و شرب کھلایا جائے۔ یہ عمل اس کی رُوح کو خوشی دیتا ہے
اور اس میں اثر بلیغ ہوتا ہے۔ پھر جب وہ کوئی خوردنی یا مشروب چیز پیش کرتا ہے تو رُوحیں
خوش ہوتی ہیں اور ان کے لئے دعا کرتی ہیں۔ انتہی کلاماً

اگر مرید معتقد کو مقام عرس تک پہنچنا مشکل ہو تو جہاں چاہے حسب امکان تلاوت
قرآن طعام و شرب نوافل فاتحہ شریف پڑھے اور شیرینی وغیرہ تقسیم کر لیا کرے اور شوری
کے ساتھ مقام عرس تک پہنچنا ضروری نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ عجیب الدعوات ہے۔ اگر وقت وصال کی ساعت کا تعین دشوار ہو تو دن

کو عرس منعقد کر لے۔ بشرطیکہ وصال دن کے وقت ہوا ہو۔ اور اگر رات کو ہوا ہے تو رات کو عرس کی محفل کر لے اور خیرات کرے۔ حضرت سید محمد گیسو درازؒ اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کا عرس اٹھارہ رمضان المبارک کی شب کو بہت زور شور سے منعقد فرماتے تھے اور بہت زیادہ خیرات کرتے تھے، کیونکہ ان کے پیر و مرشد کا وصال رات کو ہوا تھا۔ مگر اٹھارہ رمضان کے دن بھی خیرات تقسیم فرماتے تھے۔ اور اگر یہ معلوم نہیں کہ وصال دن کے وقت ہوا تھا یا رات کے وقت تو دن کو بھی کر لے۔ اگلے دن کی رات اور دن کو بھی حکم ہے۔

اگر دن کی تاریخ کا علم نہیں ہے تو اُس مہینہ کی کسی تاریخ کو بھی خیرات کرے۔ اور اگر مہینہ کا تعین بھی نہ ہو تو رجب کے مہینہ میں لیلۃ الرغائب (یعنی پہلے جمعہ کی شب) کو خیرات کرے۔ اگر کوئی شخص اس رات کو ہر سال تمام انبیائے کرام، اولیاء اور صلحاء کے نام فاتحہ دلا کر طعام یا شیرینی تقسیم کرتا ہے تو منب حضرت کی خوشنودی اور دعائیں حاصل ہوتی رہیں گی۔ اور اگر خود غریب اور فقیر ہے تو گھر میں ہی کھالے۔ اور اگر خود فاقہ سے بھی ہے، تب بھی فاتحہ دینا نہ بھولے۔

اے طالب حق، اولیاء اور مشائخ کے طالبین، مریدین اور معتقدین کو چاہیے کہ تمام مرشدین کی خدمت میں طعام کا نذرانہ پیش کرتے رہیں۔ اگر سب حضرات کو پیش نہ کر سکیں تو بعض کے عرس کرتے رہیں تاکہ ان کی برکت سے فتوحات اور نعمتوں میں اضافہ ہو، عمر اور مال میں افزائش ہو، اپنی مرادیں پائیں اور کسی کے محتاج نہ ہوں۔ عزت و دولت بہت ملے اور ان حضرات کی برکت سے بقول "أَلْمَسُوا مَعَ مَنْ أَحَبَّ" ہر طرح سے خیر ہو، الشاء اللہ تعالیٰ

مکتوب ۱۲

جناب عالی مدظلہ العالی

نیاز مند خاکسار بعد از ادائے آداب نیاز مندانہ عرض کرتا ہوں کہ یہاں کے عام و خاص میں چند دنوں سے بعض طلبہ نے از سر نو یہ مسئلہ ایجاد کر رکھا ہے کہ رسم سلامِ حُرِّ سُنَّتِ سَیِّدِ الْاِنَامِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صرف بوقت ملاقات ہوندا ہے اور جدا ہوتے وقت نہیں کیونکہ اَللّٰمُ عَلَیْکُمْ کہنا ایک ہدیہ اور تحفہ ہے جس کا تبادلہ ایک دوسرے سے جدا ہوتے وقت نہیں بلکہ آپس میں ملتے وقت ہونا مناسب ہے۔ خزانۃ العلماء کی روایت بطور سند پیش کر کے لوگوں نے جھگڑا کر رکھا ہے۔ نتیجہ یہ نکل آیا ہے کہ سلسلہ چشتیہ کے بہت سے تعلق داران بد فکر طلبہ کی باتوں کا اثر لے رہے ہیں اور گمراہ درگمراہ ہوتے جا رہے ہیں۔ لہذا عرض بحضور ہے کہ بمطابق مذہب اہلسنت و جماعت و بموافق روشن مشائخ کرام علیہم الرضوان، جواب باصواب ارسال فرمائیں تاکہ ہم بھی غلام، سندناطق اور حجت و اتق کے طور پر عمل میں لائیں۔

زیادہ حد آداب

جواب ۱۲

برخوردار بعد از سلام مسنونہ واضح ہو کہ فقہ کی کتابوں صحیح حدیثوں اور مشائخ عظام متقدمین و متاخرین کی تصانیف میں لکھا ہے کہ رسم سلام دونوں حالتوں (ملاقات و مفارقت) میں برابر برابر سنت ہے۔ خزانة العلماء کی روایت دراصل کچھ یوں ہے۔

قَالَ ابُو سَعِيدٍ وَالحُسَيْنُ القَاضِي جَرَمَتِ العَادَةُ فِيهَا بَيْنَ النَّاسِ بِالسَّلَامِ عِنْدَ المَفَارِقَةِ وَذَلِكَ دُعَاءٌ يُسْتَجِبُ جَوَابًا وَلَا يَجِبُ - لِذَلِكَ التَّحِيَّتِ، إِنَّمَا يَكُونُ عِنْدَ اللِّقَاءِ لَا عِنْدَ الإِنصِرَافِ وَانْفَرَعَا عَلَيْهِمَا الشَّاشِيُّ وَقَالَ السَّلَامُ سُنَّةً عِنْدَ الإِنصِرَافِ كَمَا هُوَ سُنَّةٌ عِنْدَ اللِّقَاءِ وَكَمَا يَجِبُ الرَّقْعُ عِنْدَ اللِّقَاءِ يَجِبُ نَدَا السَّلَامِ عِنْدَ الإِنصِرَافِ وَهَذَا هُوَ الصَّحِيحُ كَذَانِي الكَاشِفِ وَهَذِهِ تَمِّمُ الرِّوَايَةَ بِعَيْنِهَا

ابوسعید اور قاضی حسین نے فرمایا کہ لوگوں کی عادت بن گئی ہے کہ ایک دوسرے سے جدا ہوتے وقت ایک دوسرے کو سلام کیا کرتے ہیں۔ جبکہ السلام علیکم کہنا ایک دُعا ہے جس کا جواب دینا مستحب ہے واجب نہیں۔ اس لئے کہ ایک دوسرے کو دُعا میں دینا اور تحفہ ہدیہ دینا لینا، آپس میں ملتے جلتے وقت ہوتا ہے ایک دوسرے سے جدا ہوتے وقت نہیں ہوتا۔ مگر علامہ الشاشی نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں صاحبان سے اتفاق نہ کرتے ہوئے فرمایا "السلام علیکم" ایک دوسرے سے جدا ہوتے وقت کہنا بھی ایسے ہی سنت ہے جیسے ملاقات کرتے وقت سنت ہے۔ اور جس طرح ایک دوسرے سے ملاقات ہوتے وقت سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ ٹھیک اسی طرح ایک دوسرے سے جدا ہوتے وقت بھی سلام کا جواب دینا واجب اور ضروری ہے۔ اور پھر خزانة العلماء کے مصنف نے از خود فیصلہ دیتے ہوئے فرمایا کہ علامہ شاشی کا فیصلہ فتویٰ صحیح ہے۔ اسی طرح کاشف میں ہے "ہدایة الروایح" میں بھی بعینہ اسی طرح منقول ہے۔

جاننا چاہیے کہ "سلام" کہنے میں سبقت زیادہ بہتر ہے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص "سلام" میں سبقت کرے اللہ تعالیٰ اُسے دوزخ سے آزاد کر دیتا ہے۔ اور جب مسلمان مرد گھر سے باہر نکلے تو ہر چلنے والے مسلمان کو السلام کہے کیونکہ ہر دفعہ ملاقات میں سلام کرنا سنت ہے۔ اگرچہ ملاقات بار بار ہو اگر دیوار آواز درخت حائل ہو تب بھی ملتے وقت سلام کرنا چاہیے اصحاب کرام سلف صالحین کا یہی وظیفہ رہا ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَعْجُزُ النَّاسِ مَنْ عَجَزَ فِي الدُّعَاءِ وَاجْتَلَى النَّاسِ مَنْ بَخَلَ بِالسَّلَامِ الْكَذَّابُ فِي الطَّرِيقِ الْمُحَدَّثِ وَفِي الْمُسْكَاةِ بَابُ السَّلَامِ الْفُضْلُ الثَّلَاثُ عَنْ جَابِرٍ —

رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان

لوگوں میں سب سے زیادہ عاجز انسان وہ ہے جو دعائے عاجزی کہے اور سب سے زیادہ بخیل وہ ہے جو سلام میں بخل کرے مشکوٰۃ شریف باب السلام کے تیسرے فصل میں جابر سے اسی مضمون کی روایت ہے۔ امیر المؤمنین علی بن طالب رضی اللہ عنہ کے وصایا میں ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے میں بندہ آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ شیخ برہان الدین کہتے ہیں میں نے ایک روایت لکھی دیکھی کہ السلام علیکم کہنے والے کو ساٹھ گنا ثواب اور جواب دینے والے کو دس گنا ثواب ملتا ہے۔

کیمیائے سعادت میں ہے جب دو مومن مسلمان ملاقات کرتے وقت ایک دوسرے کو سلام کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر ایک سو رحمت نازل فرماتے ہیں۔ اکیانوے حصہ رحمت سلام کہنے والے پر اور نو حصہ جواب دینے والے کیلئے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب سوال :- اگر کہا جائے کہ السلام علیکم کہنا سنت ہے اور سلام کا جواب دینا فرض تو کیا وجہ کسنت کا اجر و ثواب فرض سے زیادہ ہے؟

جواب :- "سلام" کرنے کا معنی یہ ہے کہ سلام کرنا دوسرے بھلائی پر خیر و بھلائی کے فیضان کی ابتدا کر رہے ہیں جبکہ جواب دینے والا صرف اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ (لہذا سلام کرنے والے کو اجر و ثواب زیادہ ملنا چاہیے) عین العلم میں ہے کہ سلام کرتے وقت دل میں یہ خیال و اتق رکھا جائے کہ جس پر سلام کیا جائے اس کی عزت و آبرو مال اہل و عیال کی سلامتی

جاہوں گا۔ نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔

جاننا چاہیے کہ پہلے سلام پھر کلام ہو جیسا کہ حدیث مبارک میں آیا ہے۔ من بعد الکلام قبل السلام فلا تجب حتى یبدؤ بالسلام (رواہ احمد) جس شخص نے سلام سے پہلے کلام شروع کر دیا ہو اسے جواب نہ دو یہاں تک کہ سلام سے ابتدا کرے۔ اور یہ حکم عام ہے شہر میں ہو یا جنگل میں کیونکہ حدیث مبارک کے الفاظ مطلق اور عام ہیں۔

خزانة الفقہاء میں ہے جب کسی کے گھر جانا ہو پہلے اجازت لی جائے اور جب گھر میں داخل ہوں تب سلام کریں مگر جنگل میں کلام پہلے کر کے اس کے بعد سلام کریں۔

فتاویٰ برہنہ میں ہے ”سلام“ الف لام کے ساتھ التسلام علیکم کہے یا توں کے ساتھ سلام کہا جائے۔ ان صورتوں کے علاوہ کسی اور طرز و روش میں سلام کیا جائے تو جواب دینا غیر ضروری ہے نہ سلام کرنے والے کو ثواب ملے گا نہ مجیب کو ترغیب ہے اسی طرح حکم آیا ہے۔

سلام اور اس کا جواب جمع کے صیغہ میں دینا چاہیے تاکہ فرشتگان بھی محروم نہ رہیں متاقب العلوں میں التسلام علیکم کا معنی کیا گیا ہے ”اَنَا مُسَلِّمٌ وَأَنْتَ عَلَى السَّلَامِ مِتِّیْ“ میں مسلمان ہوں اور تم میری طرف سے سلامت رہو۔ اور جواب دینے والا وعلیکم التسلام کہہ کر یقین دلانا ہے کہ میں ایماندار ہوں اور تم مجھ سے امن و چین میں ہو ”اَنَا مُؤْمِنٌ وَأَنْتَ آمِنٌ مِّنِّیْ“

پس (ساک کیلئے) آغاز میں سلام کا معنی ہو گا کہ میں نے اپنی گردن دین اسلام کے لئے جھکا دی اور اے مسلمانو! آپ لوگ مجھ سے امن و سلامتی میں ہو۔ اور جواب کا مطلب یہ کہ میں امن دینے والا ہوں تم کو اور مخلوق خدا کو اپنے شر سے۔ کذافی التریغیب ط

سلام کرتے وقت دونو ہاتھوں سے مصافحہ کرنا مستحب ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں ہاتھوں میں کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے: مَنْ صَافَحَ أَخَاكَ الْمُسْلِمَ وَحَرَّكَ يَدَيْهِ تَنَافَحَتْ زَنُوبُهُ ط۔ یعنی جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کرتے وقت ہاتھ ملنے تو اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

برائین عازب کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے گناہ گھر جاتے ہیں۔ بیہقی نے شعب الایمان میں اس حدیث پاک

کو روایت کیلئے۔

حدیث پاک میں ہے کہ جب ایک دفعہ (مصافحہ کرتے وقت) درود و سلام پڑھ لیں تو گناہوں سے ایسے پاک صاف ہو جائیں گے جیسا کہ اپنی ماں سے ابھی پیدا ہوئے ہوں۔

ایک ہاتھ ملانا سنت کے خلاف ہے۔ اور انگلیوں سے مصافحہ اور سلام نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے۔

بقول طرفین (امام اعظم ابو حنیفہ اور محمد) ہاتھ کندھے اور منہ کو بوسہ نہیں دینا چاہیئے مگر امام ابو یوسف نے جائز قرار دیا چنانچہ مختار الفاویٰ میں ہے یَجُوزُ تَقْبِيلُ يَدِ الْعَالِمِ وَالسُّلْطَانِ الْعَادِلِ عِنْدَ السَّلَامِ وَلَا يُقْبَلُ يَدَ غَيْرِهِمَا۔ عالم اور عادل سلطان سے سلام کرتے وقت ان کے ہاتھ چومنا جائز ہے اور دوسروں کے نہیں۔

قَالَ النَّوَوِيُّ تَقْبِيلُ يَدِ الْغَيْرِ إِنْ كَانَ يَعْلَمُ وَيَسَانِتُهُ وَزُهْدُهُ وَرِيَاضَتُهُ وَتَحَدُّ ذَلِكَ مِنَ الْأُمُورِ الدِّينِيَّةِ لَعَوِيكْرُهُ بَلَى لَيْسَ تَحِبُّ

شارح مسلم علامہ نووی نے فرمایا کسی کے ہاتھ چومنا جائز ہے بشرطیکہ اس میں علم، زہد و ریاضت اور دوسرے دینی امور پائے جائیں۔ امام صدر الشہید رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ ہاتھ چومنا مطلقاً مکروہ ہے۔ پاؤں چومنا جاہل لوگوں کا طریقہ ہے مگر ماں باپ اساتذہ اور پیر و مرشد اس کلمے سے مستثنیٰ ہیں۔

بستان العارفين میں آیا ہے بروایت ابن عباس تحریری سلام کا جواب، قول سلام کے جواب کی طرح واجب ہے۔ غائب کو سلام لکھ بھیجنا بعینہ حاضر و موجود کا سلام کرنا ہے آپ فرمایا کرتے تھے: جَوَابُ الْكِتَابَةِ وَاجِبٌ كَمَا يَجِبُ رَدُّ السَّلَامِ لِأَنَّ الْكِتَابَةَ مِنْ جِهَةِ الْغَائِبِ كَالسَّلَامِ مِنَ الْحَاضِرِ۔ مسلمان کو وعلیکم السلام کہنے میں واؤ عاطفہ کا ذکر ضروری ہے تاکہ معارفت کا فائدہ دے۔ البتہ ذمی کو جواب دیتے وقت واؤ کا ذکر

نہ کرے۔ اگر پوری جماعت میں سے کوئی ایک شخص سلام کا جواب دیدے تو بھی کافی ہے۔ سبھی لوگوں کو ثواب برابر ہوگا۔ اس لئے کہ سُنَّے وَالَا اِیْکِلَا ہُو تُو اَسے جَوَابِ فَرَضِ عَیْنِ ہئے اور اگر جماعت ہو تو انہیں سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے۔ مگر سبھی لوگ جواب نہ دیں تو برابر کے گنہگار ہوں گے۔ اور اگر جماعت میں سے کسی ایک معین شخص کو سلام کیا گیا تو اس ایک معین شخص پر سلام کا جواب فرض عین ہے دُوسروں پر نہیں۔ اور جواب نہ ملنے پر بھی صرف وہی ایک شخص گنہگار ہوگا۔

کنز العباد میں آیا ہے کہ سلام صرف واقف لوگوں تک محدود نہ ہو بلکہ ہر مسلمان (واقف غیر واقف) پر سلام کرنا چاہیے جیسے حدیث میں آیا ہے۔ اَفْشُوا السَّلَامَ وَاطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا اللِّیْلَ وَالنَّاسُ نِیَامًا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِالسَّلَامِ رَوَاهُ الْبِیْهَقِیْ فِیْ شَعْبِ الْاِیْمَانِ وَرَوَاهُ اِحْمَدُ وَ الْبِیْهَقِیْ فِیْ شَعْبِ الْاِیْمَانِ مَشْکُوۃُ شَرِیْفِ کِتَابِ الْجِهَادِ "السَّلَامُ عَلَیْکُمْ کُوْھِیْلًا وَّ کھَانَا کھَلَا وَّ صَدْرُ حِیْ کُرُو۔ جب لوگ مسطحی نیند سو رہے ہوں تو رات کو اٹھ کر نماز، تہجد پڑھو تو صبح و ساء جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔"

اگر ذمی یا کافر کسی کو سلام کہے تو صراحتہً وعلیکم السلام نہ کہے بلکہ ایسے طریقے سے جواب دے کہ محسوس تو سلام کا جواب ہو مگر سلام نہ ہو۔ اسی طرح ہدیۃ الراضح میں آیا ہے مسجد میں داخل ہوتے وقت، اگر لوگ نماز میں ہوں تو کہے السَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ، اور اگر مسجد شریف میں کوئی آدمی نہ ہو تو یوں کہے: السَّلَامُ عَلَیْنَا مِنْ رَبِّنَا ہمارے پروردگار کی طرف سے ہم پر سلامتی ہو۔

درج ذیل لوگوں کو سلام نہ کیا جائے۔

با آواز قرآن مجید پڑھنے والا

قاضی جبکہ فیصلہ کر رہا ہو

مفتی جو کہ فتویٰ لکھ رہا ہو

بادشاہ وقت جس نے عدالت لگا رکھی ہو۔

علم کی تدریس اور ذکر و افکار

حالت و عظیمیں۔ اذان میں

اقامت اور خطبہ میں مصروف لوگوں کو سلام نہیں کہنا ہے اور اگر ان پر سلام

کہہ لیا جائے تو افضل ہے یہ کہ خطیب و مؤذن اپنے کام میں مصروف رہیں اور باقی

لوگ جواب دیں۔ مگر ضروری اور لازم نہیں۔

بھیک مانگنے والے کے سلام کا جواب دینا لازم نہیں اس لئے کہ اس کا یہ سلام
تجارت کیلئے نہیں بلکہ سوال کی علامت ہے۔ بے ریش لڑکے اور نوجوان عورت کو سلام نہ کہے
اور ان کے سلام کا جواب زبان سے نہیں دل سے دینا چاہیے۔ مگر بڑھی عورت کو زبان سے
جواب دینے کا نہ بجانے والا۔ طہول بجانے والا سائل اور فاسق و فاجر معین کو سلام نہ کیا جائے۔
بول و براز کرنے والوں کو سلام نہ کیا جائے۔ اور اگر سلام کیا جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک
بحالت بول و براز کرنے والوں کو زبان سے نہیں دل سے جواب دینا چاہیے۔ امام محمد رحمۃ اللہ
علیہ فرماتے ہیں جب قضائے بشری سے فارغ ہوں تب جواب دیں جبکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ
علیہ فرماتے ہیں کہ درج بالا دونوں کو سلام کا جواب ہرگز نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ جواب کا سنا
ضروری ہے اور بحالت بول اور براز جواب سنا یا نہیں جاسکتا اسی بات پر فتویٰ ہے۔

بیۃ الروح — وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ



مکتوب ۶

۱۳

جناب عالی دامت برکاتہ

بعد از تحیتہ سلام مسنون بندہ نے تجھ کاٹے گزارش کرتا ہے کہ تم علم لوگوں کا کہتا ہے کہ شریعت مطہرہ میں، قرض لینا ممنوع اور غیر مشروع قرار پایا ہے اُدھار خواہ تھوڑا ہو یا بہت نبی اکرم کا قول تائید میں لے آتے ہیں شَدَّ اِذْ الدُّنْيَا اَرْبَعَتْ اَلْبَنَاتُ وَ لَوْ كَانَتْ وَاحِدَةً وَ السُّوَالُ وَاِنْ كَانَ مِنَ الْوَالِدَيْنِ وَاِنْ كَانَ دِيْنَهُمَا وَ السَّفَرُ وَ لَوْ كَانَ مِيْلًا دُنْيَا مِيْن شِدَّتْ بَهْرِي چيزوں چارہ میں لڑکی اگرچہ ایک ہو سوال کرنا چاہے ماں باپ سے ہو، اُدھار مانگنا خواہ ایک دم ہو اور سفر اگرچہ ایک میل ہو۔

جھوک اور بیانیس سے جس مال تکلیف ہوتی ہے مگر قرض ایک جان لیوا مرض ہے یعنی قرض خواہ کاشتت آئینہ تقاضا، دل و جان کو غم اور گل میں ڈال دیتا ہے بلکہ اکثر اوقات مقروض کو جیل لے جاتا ہے جس کی رہائی کا امکان نہیں رہتا۔

غریب نواز! ہم غریب علاقوں کے لوگوں کی گزیر قوت لاہورت سولے قرض لینے دینے کے بالکل مشکل ہے۔ اندرین حالات انوالاشان کی بے غایات عنایات سے امید و اتق ہئے کہ تحقیق و تدقیق کے بعد مفتی بہر سٹڈ تحریر فرمائیں گے کہ وہ تحریر ہم غلاموں کے لئے سند ہوگی اور اس پر عمل کیا جائے گا۔ زیادہ حد آواب!

جواب ۱۳

بزخوردار بعد از سلام مسنون الاسلام واضح باد کہ درج قول یا حدیث تحذیر اور ترمیب کے بطور وارد ہوئی ہے تاکہ بلا ضرورت قرض کی ہلاکت میں نہ پڑیں۔ جبکہ کم فہم لوگوں نے اس حدیث مبارکہ کو حجت قرار دیکر ہر قسم کا ادھار حرام اور ممنوع قرار دے دیا۔

شریعت پاک میں بوقت اشد ضرورت قرض لینا جائز ہے اس پر اتفاق اہل حق امت ہے۔ فقہی کتابوں میں ہے کہ تین موقع پر ادھار لینا جائز ہے۔ افلاس ہو اور ادھار لئے بغیر قوت لاہورت تک میسر نہ آسکے۔ دوسرے میت کی تکفین و تدفین کیلئے جبکہ میت کے وارث مفلس ہوں۔ اور ان کے پاس کفن و دفن کا خرچ نہ ہو اور تیسرے یہ کہ اولاد بالغ ہو رہی ہے فسق و فجور کا خوف ہے فوراً شادی کرنا چاہیے خصوصاً لڑکی بالغ ہو گئی ادھار لے کر شادی کرنا چاہیے جبکہ لڑکی بالغ ہو تو شریعت کے حکم کے مطابق اس کی شادی جلدی کرنے کی تاکید مزید آئی ہے۔ احسن یہ ہے کہ ضرورت کو عام رکھا جائے تاکہ ان تین صورتوں کے علاوہ تین اور صورتوں کو بھی شامل ہو جائے۔

کتاب عین العلم میں آئی ہے۔ **وَلَيْسَتْ دَيْنٌ فِي ضَعْفٍ قُوَّةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَتَكْفِينِ مَيِّتٍ مُفْلِسٍ وَنِكَاحٍ لِيَتَعَفَّفَ مَتَوَكِّلاً عَلَى اللَّهِ وَهُوَ يَقْضِيهَا وَيُؤَيِّ الْقَضَاءِ بِأَحْسَنِ وَجْهِ فَوَدِدَنِي الْخَبْرَانِ الْمَلَأْتِكَا يَدْعُونَ لَمْ حَتَّى يَقْضِيَا**۔

تین صورتوں میں ادھار لیا جا سکتا ہے۔ ایک فی سبیل اللہ جب کہ طاقت و قوت میں ضعف ہو۔ دوسرے مفلس انسان کی تکفین تدفین میں اور تیسری صورت یہ ہے کہ عفت و عصمت کی حفاظت کی خاطر شادی و نکاح کرنا ہو۔ درج بالا تینوں صورتوں میں ادھار اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے کہ وہ ذات کریم قرض ادا کرنے کی توفیق دینے والی ہے جائز ہے۔ پس واضح رہے کہ صلح امور کے لئے جیسا کہ مذکور و تحریر ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے

فضل و کرم پر اعتماد کرتے ہوئے، قرض لینا جائز ہے بشرطیکہ اس قرض کی ادائیگی کا مصمم اور پختہ ارادہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی ادائیگی میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ مگر ضروری ہے کہ اس قرض کو بے جا خرچ نہ کیا جائے اور اس کے ادا کرنے میں غفلت سے کام نہ لے مبادا موت آئے اور قرض ادا نہ کیا جائے۔ اور قرض کی ادائیگی باقی ہو تو پریشانی اور پشیمانی ہوتی رہے گی۔

حدیث مبارکہ ہے: الْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ وَالْمَتَانِي مِنَ الرَّحْمَنِ الَّذِي نَحْمَتُهُ أَشْيَاءُ تَزْوِجُ الْبَكَرَ، قَضَاءُ الدِّينِ، تَجْهِيزُ الْمَيِّتِ، قُورَى الضَّيْفِ وَالتَّوْبَتِ مِنَ الذَّنْبِ أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلْدُ بَازِي شَيْطَانٍ سَهْوٌ أَوْ حَوْصَلَةٌ سَهْوٌ لَنَا اللَّهُ تَعَالَى كِي عِنَايَتِهِ هُوَ. سولے پانچ مقامات کے (جہاں جلدی سے کام لیا جائے گا) باکرہ کی شادی نکاح، قرض کی ادائیگی، میت کی تجہیز و تکفین، بہان کو کھانا کھلانا اور گناہوں سے توبہ کرنا..... انتھی کلامہ۔

اسی لئے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جب تک ایک درم بھی قرض باقی ہو سکین کو صدقات و خیرات دینا نامناسب ہے۔ علامہ ابن حجر محدث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس بات پر امت محمدیہ کا اتفاق ہے کہ مقرض کے لئے جائز نہیں کہ قرض کی ادائیگی چھوڑ کر اپنا مال صدقات و خیرات کر دے۔ اور حضرت ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں لَا يَنْبَغِي لِرَجُلٍ إِنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ أَنْ يَصْطَبِغَ خُبْزَهُ بِالزَّيْتِ وَالْمَخْلِّ مَا لَمْ يَقْضِ دَيْنَهُ، كَذَافِي تَنْبِيهِ، الْغَافِلِينَ لِذِي اللَّيْتِ رَحْمَةً، اللَّهُ عَلَيْهِ

قرض دار کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ زیتون و سرکہ کے ساتھ مرغن روٹی کھا لے جبکہ قرض ادا نہ ہوا ہو۔ کَلُوا وَاشْرَبُوا بِعَمَلِ جَائِزٍ هُوَ الْبَتَّةُ وَلَا تُسْرِفُوا فِي دَاخِلِ زَهْوٍ. قرض کی ادائیگی نہ کرتے ہوئے خیرات و صدقات کرنا افسوس ہے۔ کہیں ایسے نہ ہو کہ ان اللہ لَا يَجِبُ الْمُسْفِينِ كَ زَمْرِهِ فِي أَوْ مِذْيَنِ كَ فَرَقِهِ فِي دَاخِلِ هُوَ كَ دِينَ وَ دُنْيَا بَرَادِ كَرِ بِيْطِيْنِ الْهَى عَاقِبَتِ بِالْخَيْرِ وَالسُّرُورِ هُوَ. آمِن آمِن -

مکتوب ۱۴

جناب عالی مدظلہ العالی

بندہ نیاز آثار خاکسار بآن دربار عرض شاعر عرض کرتا ہوں کہ اس دور میں بعض بے خبر جاہل لوگ بوجہ کم علمی و قلت فہمی، محض فساد و عناد کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا دینا باللفظ "یا رسول اللہ یا حبیب اللہ" اور حضور کے توسل کے ساتھ دعا مانگنے کو ممنوع اور شرعاً حرام قرار دیتے ہیں آیت پاک اور آیت کریمہ "وَكذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِیْنِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِی بَعْضُهُمْ اِلَى بَعْضٍ" کی اپنے انداز میں ایسی تاویل کرتے ہیں جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ لوگ غلط دلائل سے مخلوق خدا کو گمراہ کر رہے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ حرف "یا" منادی قرب کیلئے استعمال ہوتا ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و بابرکات سینکڑوں منزلیں دور رہنے تو "یا رسول اللہ" کہہ کر پکارنا کیونکر جائز ہے اور حرف "یا" ذی حیات منادی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے جبکہ سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک چودہ سو سال پہلے ہو چکا ہے اور آپ اس دنیا میں ہمیں داغ و مفاومت دے گئے ہیں۔ انہی حالات میں آنحضرت کو ندا کر کے یا رسول اللہ کہہ کر پکارنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد چاہنا شریعت مبارکہ میں جائز نہیں ہے۔

غریب نواز! گرد و نواح میں اکثر لوگ ایسی بے برکت باتوں سے ملال محسوس کرتے ہیں۔ ازراہ عنایت بے غایت، اپنے حضور میں رہنے والے بہرہ ور علماء کرام اور محقق و مدقق حاشیہ نشینان فضلا کرام سے درج بالا استفتاء کا مدلل جواب باصواب لکھوا کر اپنی مھر مبارک سے مزین چند سطور ہم غلام لوگوں کو بھجوادیتے ہیں تاکہ آپ کی تحریر دلنیزہ کو سند سمجھ کر عمل کیا جاسکے۔

زیادہ حد آداب۔

جواب ۱۴

برخوردار بعد از اسلام مسنون الاسلام واضح ہو کہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت کریمہ ہے جو طلب علم کے دعویدار ہیں اور حقیقت میں شر و فساد کے بانی مثل الذین حملوا التوراة ثم لم یحملوها کثل الحمارِ یحمل اسفارا۔ (پارہ ۲۸، رکوع ۱۱) ان کی مثال جن کو تورات دی گئی تھی پھر انہوں نے اس کی حکم برداری نہ کی، گو حے کی مثال ہے جو بیٹھ پر کتابیں اٹھائے ہوتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کے فکر کی اساس و بنیاد تین چیزیں ہیں۔ ایک آیت کریمہ: اِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتِیْ اَوْ فِیْ مَقَامٍ اٰخَرَ وَاَنْتَ بِمُسْمِعٍ مِّنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ (پارہ ۲۲، رکوع ۱۵) بے شک تم مردوں کو سنائے والے نہیں۔ اور تم نہیں سنائے والے انہیں جو قبروں میں ہیں یعنی میت کچھ نہیں سن سکتی ہے۔

دوسرے یہ کہ دُور سے پکارنا، علم غیب کو مستلزم ہے جبکہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے آدمی کو اس میں شریک نہیں کیا جاسکتا۔

تیسرے انبیاء اولیاء وغیرہ سے سوال کرنا ٹھیک نہیں اس لئے کہ دنیا اور نہ دینا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے معطی اور مانع وہ آپ نے بندہ کو اس میں کیا قدرت؟ عزیزم اَطَّالَ اللّٰهُ عَمْرُكَ اِنَّ یٰمُنُوْنَ دَلّٰلِیْلَیْكَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰمُ الْغُیْبِ۔ (پارہ ۲۲، رکوع ۱۵) اللہ تعالیٰ کا علم غیب سے بڑا ہے اور وہ اس میں کیا قدرت؟ عزیزم اَطَّالَ اللّٰهُ عَمْرُكَ اِنَّ یٰمُنُوْنَ دَلّٰلِیْلَیْكَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰمُ الْغُیْبِ۔

جواب دلیل اول۔ ان لوگوں کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام

کو مردہ کہنا اور انہیں ان دونوں آیات (اِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتِیْ۔ وَاَنْتَ بِمُسْمِعٍ مِّنْ فِی الْقُبُوْرِ) کا مصداق قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں ہے جب کہ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مومن بچے پر بھی یہ دونوں آیات صادق نہیں آتیں بلکہ (انبیاء علیہم السلام) کو مردہ قرار دینا، اللہ ورسول کی تعلیمات کا صاف صاف انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (پارہ ۲
 رکوع ۳) اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں
 شعور نہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی زندگی، شہداء کی زندگی سے بہت زیادہ قوت دار اور بہت زیادہ کامل ہے
 کیونکہ اللہ کے نزدیک شہیدوں کی زندگی، معنوی اور اخروی زندگی ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام
 کی حیاتِ طیبہ بعد وصال، حسی اور دنیوی زندگی ہے۔ اس بارے میں بے شمار احادیث و
 آثار پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ شیخ عبدالحق المحرث الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوة میں فرماتے
 ہیں: **الْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ ذَوَادَ مُسْلِمٍ وَالْبَيْهَقِيُّ** یعنی انبیاء
 علیہم السلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ اور ایک دوسری حدیث مبارکہ
 جسم مبارک کے زندہ ہونے اور درود و سلام سننے پر خصوصی دلالت کرتی ہے یہ ہے
مَا مِنْ مُسْلِمٍ سَلَّمَ عَلَيَّ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى عَلَيَّ دُوحِي أَرَدُّ عَلَيْهَا السَّلَامَ (رواہ ابو داؤد ص ۲۴۹)
 کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے۔
 یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا
 ص ۲۴۹۔ بظاہر اس حدیث کا اطلاق "ہر وقت" کو شامل ہے اور اس سے حیات میں شبہ
 نہ کیا جائے کیونکہ مراد یہ ہے کہ میری روح جو ملکوت و جبروت میں مستغرق تھی (جس طرح کہ
 دنیا میں نزول وحی کے وقت کیفیت استغراق ہوتی تھی) اس سے افاقہ ہو کر سلام کی طرف
 متوجہ ہو جاتا ہوں اور اس آفاقی کیفیت کو "رد روح" سے تعبیر فرمایا ہے ورنہ سید العالمین
 صلی اللہ علیہ وسلم باقی تمام انبیاء کی طرح اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی
 ارواح مقدسہ کو عالم علوی اور عالم سفلی سے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ عالم دنیوی میں تھا۔ اس
 لئے انبیاء علیہم السلام قلب کے اعتبار سے عرش اور قالب کے اعتبار سے فرشی
 کہلاتے ہیں۔

علامہ انطاکی فرماتے ہیں کہ رد روح سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب
 پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیتا ہے کہ فلاں شخص نے آپ پر درود و سلام بھیجا ہے

اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں میں سے سلام پہنچنے والے کے حالات کا علم ہوتا ہے جس کو ”روح“ سے تعبیر فرمایا گیا۔ کذا فی السراج۔
 مواہب اللدنیہ میں واضح اور مدلل طور پر درج ہے کہ روح عبارت ہے اس خاص توجہ مخصوص روحانی التفات اور بشریت کے دائرے میں منزل سے جس سے رسالہ حاصل ہوتا ہے۔

اور اس توجہ خاص اور التفات روحانی کو عموم اور بہت وسعت ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک ہی وقت میں اگر کروڑوں مسلمان درود و سلام پڑھیں تو یہ توجہ نبوی سب کو شامل اور یہ روحانی التفات تمام کو برابر مشتمل رہتی ہے۔

یکساں بہ پیش مھر بود قرب و بعد خاک،

کو ذرہ پیر و راست بہر شہر و ہر دیار!

سورج کے سامنے زمین کا دور و نزدیک ہونا، یکساں و برابر ہے اس کی ذرہ نوازی ہر شہر اور ہر ملک میں پائی جاتی ہے۔

شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ ”اشعۃ اللمعات“ میں شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: روح سے یہ مراد نہیں ہے کہ بدن سے جدا ہونے کے بعد روح اب واپس آئی ہے۔ بلکہ روح کا معنی یہ ہے کہ عالم برزخ میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملکوت و جبروت میں مشغول ہوتے تھے۔ تو آپ اس استغراق و مشاہدہ سے افاقہ پا کر درود و سلام کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جسے روح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اسکی مثال بعض علماء حضرات نے یوں دی ہے۔ فلما

استيقظت وانا فی المسجد الحرام الخ

”معرّاج“ میں جب بیدار ہوا تو اس حال میں کہ میں مسجد حرام میں تھا۔

امراء اور معراج خواب میں نہیں ہوتا تھا اس لئے بیدار ہونے کا معنی یہ ہے کہ

عالم ملکوت سے حاضر عجاہبات کے اشتغال سے افاقہ پایا۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن درود و سلام کثرت سے پڑھا کرو کیونکہ

تمہارا درود و سلام مجھ پر پیش کیا جاتا ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ ہمارے درود و سلام آپ پر پیش کیسے کیسے جائیں گے؛ جبکہ آپ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو چکے ہوں گے تو آپ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلٰی الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ اَوْ كَمَا قَالَ (رواہ ابن ماجہ واحد) بیشك اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسد اطہر کا کھانا حرام کر دیا ہے۔

شیخ نے مدارج النبوت میں فرمایا ہے کہ ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات انبیاء علیہم السلام حسی اور دنیوی جیسی ہے نہ یہ کہ صرف بقائے روح ہو جیسا کہ شہداء علیہم الرحمۃ کیلئے ہے جو کہ سبز پرندوں کے پیٹ میں ہوں گے۔ واللہ اعلم اور وہ حدیث مبارک بھی حیات حسی و دنیوی پر دلالت کرتی ہے جو شیخ عثمان جزولی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل الخیرات میں درج فرمائی ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَأَيْتَ صَلَاةَ الْمُصَلِّينَ عَلَيْكَ فَمَنْ غَابَ عَنْكَ وَبِمَنْ يَأْتِي بَعْدَكَ - مَا حَالَهُمَا عِنْدَكَ فَقَالَ أَسْمَعُ صَلَاةَ أَهْلِ مُحَبَّتِي وَأَوْفَهُمْ تَعْرِضُ عَلٰی صَلَاةٍ غَيْرِهِمْ عَرْضًا

صحابہ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جو لوگ آپ سے کہیں غائب ہیں یعنی دور ہیں اور جو لوگ آپ کے بعد پیدا ہوں گے، ان کا آپ پر درود و سلام کس حالت میں ہوگا؟ آپ نے فرمایا اہل محبت کا درود و سلام میں خود (بلا واسطہ) آپ سنوں گا اور سننا ہوں۔ اور باقی لوگوں کا درود و سلام میرے حضور فرشتوں کے ذریعہ پہنچا دیا جائے۔ شارح دلائل الخیرات نے، مطالع المرآت میں فرمایا، قولہ أَسْمَعُ (میں خود سننا ہوں) سے مراد یہ ہے کہ میں بلا واسطہ خود آپ سننا ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محبت رسول اور اور عاشقان نبی خواہ مزار مبارک کے قریب مواجہہ شریف میں درود و سلام پڑھیں یا بہت دور بیٹھے ہوئے غائبانہ حالت میں، سرکارِ دو عالم ص ب کا درود و سلام بنفس نفیس خود آپ سن لیتے ہیں۔

دراہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست
مے بنیت عیان و دعائے فریست

راہِ عشق میں دُوری اور نزدیکی کے مرحلے نہیں ہوتے ہیں تجھے بر ملا دیکھنا اور دعائیں دیتا رہتا ہوں۔

المختصر ایسے قوی اور مضبوط دلائل کی موجودگی میں انبیاء علیہم السلام کو مُردہ اعتقاد کرنا طریقِ اسلام سے انحراف کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے نعوذ باللہ من ذالک و نستغفرہ۔
 دو آیات ”اِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتٰی (پارہ ۲۰ سورہ رکوع ۲) وَمَا اَنْتَ بِمَسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ“ کی وضاحت سن لیجئے۔ دونوں آیات میں تَسْمِعُ اور مُسْمِعُ بابِ افعال کے صیغے ہیں جن کا مصدر اسماع ہے سمع نہیں یعنی آیات الہیہ میں اسماع (سنوانے) کی نفی ہے: سمع سماع کی نفی نہیں ہے۔ سمع سماع اور چیز ہے اور اسماع دوسری چیز ہے۔
 دوسری بات مفسرین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین مثلاً بیضاوی مدارک حسینی وغیرہم نے جو فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ ”موتی اور من فی القُبُوْرِ“ سے مراد کافر لوگ ہیں یعنی کافروں کو مُردوں سے تشبیہ دی گئی (وجہ تشبیہ یہ ہے) کہ سُنی سنائی باتوں سے کافر لوگ بھی مُردوں کی طرح فائدہ نہیں پاسکتے ہیں۔ بالفاق جمیع مفسرین آیات الہیہ میں سنوانے کی نفی صرف کفار سے کی گئی ہے۔ جنہیں مُردوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

مُردوں سے مراد کفار جن کے دل مُردہ ہیں۔ جو لوگ اس آیت سے مُردوں کے نہ سُنے پر استدلال کرتے ہیں غلطی پر ہیں یہاں مُردہ کفار کو کہا گیا ہے اور ان سے بھی مطلقاً ہر کلام کے سُنے کی نفی مُراد نہیں۔ بلکہ بند و مو عظمت اور کلام ہدایت کے بسع قبول سُنے کی نفی ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ مُردہ دل کفار نصیحت سے نفع نہیں پاتے۔ اس آیت کے یہ معنی بتانا کہ مُردے نہیں سُنتے بالکل غلط ہے۔ اور اسی طرح قبر والوں سے مراد کفار ہیں نہ کہ مُردے اور سُنے سے مراد وہ سُنا ہے جس پر راہِ یابی کا نفع ترتیب ہو رہا ہو۔ مُردوں کا سُنا تو احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔

(مترجم)

آیات متذکرہ تو مومنین کے اولیٰ سے اولیٰ بچوں پر بھی صادق نہیں آسکتیں
 اس لئے کہ بخت آیت و احادیث ان کے خلاف وارد ہیں جو سمع موقیٰ پر برابر دلالت
 کرتی ہیں۔ مثلاً نمونہ از خروارے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم ثمود کی
 ہلاکت کے بعد، اُن سے بطور خطاب فرمایا لَقَدْ اَبْلَغْتُمْ رِسَالَاتِ رَبِّكُمْ وَنَصَحْتُمْ لَكُمْ
 وَلٰكِنْ لَا تُحِبُّونَ النَّاصِحِيْنَ (پارہ ۸ رکوع ۱۶) بیشک میں نے تمہیں اپنے رب کی رسالت
 پہنچادی اور تمہارا بھلا چاہا مگر تم خیر خواہوں کے غرضی ہی نہیں تھے۔ مفسر حسین کہتے ہیں
 کہ واقعہ یہ ہے کہ ثمود نے چھار شنبہ کو ناقہ کی کوچیں کاٹی تھیں تین دن بعد ہلاک ہوئے
 پھر صالح علیہ السلام نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا۔ اور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
 بروز بدر کے مقتولین کفار قریش سے فرماتے ہیں۔ فَاِنَّا قَدَّوْ جَدْنَا مَا وَعَدْنَا رَبَّنَا
 حَقًّا فَاَنْقَضُوْا مَا وَعَدْتُمْ حَقًّا؟ (رداء البخاری) بے شک تم نے تو پروردگار
 کا وعدہ پالیہ سے کیا تم نے بھی رب العالمین کا وعدہ برحق پایا؟ پھر امیر المومنین عمر فاروق
 کا سوال کیا مردے سُن لیتے ہیں اور رسول الثقلین کا جواب کہ وہ تم سے زیادہ سُن سکتے ہیں۔
 اس باب میں بے شمار آیات مبارکہ اور احادیث مقدسہ وارد ہیں جن سے سمع الموقیٰ
 ثابت ہوا ہے۔

جواب دلیل دوم۔ کہا گیا ہے کہ دور سے نذر دینا بیکارنا علم غیب کو ملتا ہے
 ہے جبکہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ لہذا نذر غائبانہ ناجائز اور ممنوع ہے۔
 جاننا چاہیے کہ غیب کا لغوی معنی ہے مخفی ہونا۔ دور ہونا۔ غیر حاضر ہونا، پوشیدہ ہونا
 اور کسی جگہ سے فاصلہ بعدہ پر ہونا۔ شرعاً غیب ایک چیز کا نام ہے جو عقل و خرد سے پوشیدہ
 اور مخفی ہو جس تک دلائل کو رسائی نہ ہو سکے۔

غیب بایں معنی دو قسم ہے غیب مطلق اور غیب اضافی غیب مطلق کا دوسرا نام ہے
 غیب خاص اور یہ قسم غیب خاص اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص ہے۔ اور غیب کی دوسری قسم غیب
 یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ نیز یہ غیب اضافی بعض بندگانِ خدا کی نسبت سے

غیب اور بعض دوسروں کی نسبت سے شہادت سے موسوم ہے۔ مثال وی جاتی ہے
جیسا کہ بھوک و پیاس جو کہ انسان کو معلوم ہے مگر فرشتوں کیلئے غائب اور غیر معلوم و
مخفی ہے۔

پس غیب مطلق جو پہلی قسم ہے اور جو کہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اگر خود رب العالمین
اپنے بزرگان خاص کو اس پر اطلاع بخش دے تو جائز ہے جیسا کہ سورہ جن پارہ ۲۹ رکوع ۱۲ میں
آیہ ہے۔ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّ أَيْتَانَكَ
مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ وَهِيَ خَلْفَهُمْ رَصَدًا۔ غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مستط نہیں
کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے کہ ان کے آگے پیچھے پہرا مقرر کر دیتا ہے۔

جناب قاضی بیضاوی اس آیت کی تفسیر کرتے ہیں۔ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ الْمُخْصُصَ
بِهِ عِلْمَهُ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ بَعْضُهُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ لَهُ مَعْجُزَةٌ (بیضاوی شریف)
اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص غیب مطلق پر کسی کو مستط نہیں کرتا سوائے پسندیدہ لوگوں کے جنہیں
اس غیب خاص سے بعض کا علم دے دیتا ہے۔ (اور انہیں غیب پر مستط کر لیا ہے اور
اطلاع کامل اور کشف تام عطا فرماتا ہے) اور یہ علم غیب ان کے لئے معجزہ ہوتا ہے تفسیر حسینی
میں ذکر کیا گیا ہے کہ سید الرسل خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مرتضیٰ رسولوں
میں سب سے اعلیٰ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اشیاء کے علوم عطا فرمائے ہیں۔ تفسیرت
احمدیہ میں آیا ہے کہ غیب خاص جو کہ غیب کی قسم اول ہے سے مراد پانچ علوم ہیں جو کہ سورہ لقمان
پارہ ۲۱ رکوع ۱۳ میں آیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنزِلُ الْغَيْثَ
وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِمَا تَأْتِي
أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے پاس ہے قیامت کا
علم اور آمارا ہے بارش اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹوں میں ہتے اور کوئی جان
نہیں جانتی کل کیا کلمے گی اور کون جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی بیشک اللہ
جاننے والا بتانے والا ہے۔

تفسیرت احمدیہ میں آیا ہے کہ اگرچہ علم غیب (پانچ چیزوں کا علم) صرف اور صرف

اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص رہتے اس کی ملکیت ہوتے لیکن یہ بھی جائز اور روا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنے اولیاء اور اپنے مجبوبوں میں سے انہی علومِ خمسہ پر خبردار کرے۔

اللہ تعالیٰ کا قول :

”إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ“ ورجح بالا دعویٰ پر بطور قرینہ اور دال موجود ہے کہ خبر کا معنی ہے۔ مخبر یعنی دوسروں کو بتانے والا۔ ملاحظہ فرماتے ہیں۔ إِنَّ عِلْمَ هَذَا الْخَمْسَةِ وَإِنْ كَانَ لَا يَمْلِكُهُ إِلَّا اللَّهُ لَكِنَّهُ يَجُوزُ أَنْ يَعْلَمَهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ مَحَبَّتِهِ وَأَوْلِيَاءِهِ بِغَيْرِ نَيْتٍ قَوْلِهِ تَعَالَى إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ عَلَى أَنْ يَكُونَ الْخَبِيرُ بِمَعْنَى الْمُخْبِرِ ۱۱

جناب ملا علی قاری، حصن حصین کی شرح حزمین میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خبر ہے باین معنی کہ حقائق اشیا کا علم رکھتا ہے اور علم ماکان وما یحون (ماضی و مستقبل کی اپنے اولیاء اور اپنے مجبوبوں کو خبر دینے والا ہے۔ بجزرت دلائل سے ثابت ہوا ہے کہ بارش کا وقت اور محل میں کیا ہے اور کل کو کیا کرے گا اور کہاں مرے گا ان امور کی خبریں اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے انبیاء و اولیاء کو بطور معجزہ و کرامت عطا ہوئی ہیں۔ خصوصاً سلطان الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تو بطلے خداوندی علومِ خمسہ کے مالک و مختار ہیں مگر انہیں ان علومِ خمسہ کو مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تو آیت کے معنی قطعاً یہی ہیں کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے کوئی نہیں جانتا اس کے یہ معنی لینا کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے بھی کوئی نہیں جانتا محض باطل اور صدمہ آیات و احادیث کے خلاف ہے۔ (خان احمدی روح البیاض بیضاوی)

حافظ جلال الدین السیوطی، خصائص میں فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی پاک نے فرمایا کہ فلاں جگہ فلاں روز بہت مہینہ برسے گا۔ منافقین کو سخت انتظار رہا جب خبر آگئی کہ اسی روز جگہ مقررہ پر بہت زور دار برسات ہوئی تو سبھی لوگ معترف ہوئے۔

محدث ابو نعیم، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عباسؓ کی بیوی ام الفضل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں یہ تیرہ کائنات

نے ان سے فرمایا کہ اسے عامریہ! خوش ہو جاؤ کہ تیرے پیٹ میں ایک لڑکھٹے اور جب وہ
پتھر پیدا ہو تو میرے پاس لے آنا تو بی بی ام الفضل وضع حمل کے بعد اپنے بچے کو
آنحضرت کے حضور لائیں سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کانوں میں اذان اور
بکجیر پڑھی اور اپنی لعاب مبارکہ بھی اُسے گھٹی میں دی۔ اس کا نام ”عبداللہ“ رکھا جنہیں
بعد میں مبشر و مشہور شمار کیا گیا ہے۔

سیدنا امام مالک بن انس :- حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں ایک
دن حضرت ابو بکر الصدیق مجھے فرمانے لگے کہ تمہارے ماں میرے وارث (میرے سوا) چار
ہیں دو بھائی اور دو بہنیں تو میں نے عرض کیا میری بہن ایک ہے جس کا نام ”اسماء“ ہے
دوسری بہن کون؟ تو فرمایا تیری دوسری بہن ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں ہے پیدا نہیں ہوئی
چنانچہ سیدنا ابو بکر الصدیق کی وفات کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ کی دوسری بہن پیدا
ہوئی جس کا نام ام کلثوم رکھا گیا۔ درج بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
اپنے حبیب پاک کی طرح اپنے اولیاء اور محبوبوں کو بھی ”مَآئِیَ الْاَرْحَامِ“ پر مطلع فرمایا ہے
تفسیر معالم التنزیل للبغوی میں آیت قرآنیہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّهٗ الْبَیَّانُ (پارہ ۲۶ رکوع ۱۱)
کے تحت کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں الانسان سے مراد رسول کریم سرورِ دو جہاں علیہ السلام
ہیں۔ آپ فردِ کامل ہیں جو مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا علم رکھتے ہیں۔ تمام محدثین کا یہی اعتقاد ہے
اور سب کا اسی اعتقاد پر اجماع و اتفاق ہے۔

احمد طبرانی و ہم ترمذی ابن مینع !

تالابی درداء، ابی ذر بروہ اسناد رفیع !

مے نجیباندر پر خود جانور زیر سما

تا قیامت ذکر کرد علی ازاں آن رہنا

ہست این الواح اشیاء را بیان خارج زحد

رؤ شفاء و ہم مواہب ہم مدارج بن سند

سند احمد ترمذی شریف ابن مینع سے لے کر ابودرداء اور ابوزر غفاری تک

سنی اور اولیٰ اسناد کے ساتھ روایات بکثرت موجود ہیں کہ زمین و آسمان میں پرندوں کے پر پلنے تک بھی، اُس ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کی تمام چیزوں کا ذکر و علم بیان کیا ہے۔ ان انواع و اشیاء کا بیان حد سے خارج ہے۔ اگر یقین پیدا کرنا مقصود ہو تو قاضی عیاض کی شفا شریف امام قسطلانی کی مواہب اللدنیہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مدارج النبوة کا مطالعہ کریں۔ اور ماکان وما یكون کا علم، وہ علم ہے جس سے قیامت کا علم اور مَا ذَا کُنْتُمْ غَدًا (کل کیا کام کرو گے) کا علم یعنی یہ دونوں علم مفہوم و معلوم ہوتے ہیں۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُم المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تیرا وصال "سرف" میں ہوگا جہاں تیری شادی خانہ آبادی ہوئی تھی جب اُم المؤمنین میمونہ بیمار ہوئیں تو آپ نے فرمایا کہ ستید دو عالم علیہ السلام نے مجھے خبر دی تھی کہ میری موت مکہ میں نہیں "سرف" کے مقام پر ہوگی چنانچہ آپ کو مکہ مکرمہ سے سرف لے جایا گیا اور میمونہ رضی اللہ عنہا فی الواقع اسی درخت کے نیچے وفات پا گئیں جہاں ان کا دو عالم کے سلطان کے ساتھ زفاف ہوا تھا یہ مقام سرف تھا۔

غرضیکہ اس قسم کے ہزار در ہزار واقعات احادیث مبارکہ مشائخ عظام کی بکثرت روایات پائی جاتی ہیں اور یہ سلسلہ اب تک بھی جاری ساری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں اور اولیاء کو ماضی و مستقبل یعنی مَا کَانَ وَمَا یَكُونُ کا علم عطا فرمایا ہوا ہے۔

جواب دلیل سوم۔

یہ اعتقاد کہ انبیاء و اولیاء سے

بکچھ مانگنا شریعتِ محمدیہ میں غیر پسندیدہ اور ناجائز ہے معطلی اور مانع یعنی دینے والا اور نہ دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ بھلا انسان کو اس میں کیا مجال ہے تو ایسے اعتقاد والوں کو جاننا چاہیے کہ دراصل مانع اور معطلی صرف اللہ تعالیٰ ہے مگر یہ بھی حق ہے کہ اجناس عالم کی چابیاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دی گئی ہیں جیسا کہ صحیحین یعنی بخاری و مسلم میں حضرت ربیع بن کعب اسلمی انصاری جو کہ اصحاب صفہ میں سے تھے

اور آپ کے سفر و حضر کے ساتھی تھے، فرماتے ہیں کہ ایک رات میں جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں شبِ باش تھا وضو کا پانی مسواک کنگھا وغیرہ لے آیا سید الثقلین نے مسواک فرمایا وضو سے فارغ ہوئے کنگھا کمر لیا اور مجھ سے فرمایا سَلِّ تَعَطَّى (جو چاہو مانگو میل جلے گا) فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ أَوْ كَمَا قَالَ۔ میں نے عرض کیا جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں نبی پاک نے فرمایا اس کے سوا کچھ اور مانگ مگر میں نے عرض کیا بس یہی کافی ہے۔

مشکوٰۃ شریف باب الشهداء الخ مسلم نے روایت کیا:

(اس حدیث مبارک سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ لفظ "سَلِّ" (سوال کیجئے مانگئے) مطلق فرما دیا اور کسی خاص مطلب کی تخصیص نہیں فرمائی جس سے محقق اور ثابت ہو جاتا ہے کہ تمام امور آپ کے ہاتھ میں ہیں جسے چاہیں جب چاہیں اور جو چیز چاہیں التدریب العزت کے حکم سے دیتے ہیں (مترجم) شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں واز فوائد این حدیث آنست کہ خدمت بزرگان و راضی ساختن ایشان موجب سعادت و حصول مہبت و کرامت است و چہ بزرگ و کلام بزرگ کہ سید کائنات اجود و اکرم اہل عالم و خلاصہ موجودات است صلی اللہ علیہ وسلم واز اطلاق سَلِّ بخواہ و تخصیص نکرد بمعنی بے خاص معلوم شود کہ کار ہمہ بدست ہمت و کرامت اوست ہر چہ خواہد ہر کہ خواہد باذن پروردگار خود مدد۔ قصیدہ بردہ شریف میں ہے۔

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَضَرْقَهَا
وَمِنْ عُسْرِكَ عِلْمُ اللُّوحِ وَالْقَلَمِ
اگر خیریت دُنیا و عقبی آرزو داری
بدرگاہش بسا و ہر چہ مے خواہی تمنا کن

اور مرقات میں آیا کہ شیخ ابن حجر مکی فرماتے ہیں دَلِيْلٌ يُّؤَخِّدُ مِنْ اِطْلَاقِ بَقْوَلِهِ
سَلِّ اِنَّ اللّٰهَ مَكْتَنٌ مِنْ عَطَاءِ كُلِّ مَا اَلَادَ مِنْ خَزَائِنِ الْحَقِّ۔ لفظ "سَلِّ" مطلق

فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک کو اجازت و طاقت عطا کر دی کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے جو چاہیں جسے چاہیں عطا کریں۔ صحیحین یعنی بخاری و مسلم میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنِّي قَدْ اَعْطَيْتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ اَوْصْفَارِ تَبِيحِ الْاَرْضِ بِشِكْوَةِ شَرِيفِ رَسُولِ كَرِيمٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ نِي فرمایا مجھے روئے زمین کی یا روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں ہیں۔

مُصَنَّفُ كِتَابِ سِرِّجِ الْوَلَجِ نَعْنِي حَدِيثِ پَاك عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا وَلَا تَجْعَلُوا قُبُورِي عَيْدًا اَوْ صَلَوًا عَلَيَّ فَاِنَّ صَلَوَاتِكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ فِي مَشْكُوٰةِ شَرِيفِ بَابِ الصَّلَاةِ عَلَيَّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَضْلَهَا۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے نبی پاک نے فرمایا تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اور میری قبر کو عید مت قرار دو اور مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود و سلام ہر جگہ سے مجھے پہنچ جاتا ہے۔ اسے نسائی نے روایت کیا، کی شرح میں مرقات شرح مشکوٰۃ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علامہ قاضی عیاض شفا شریف میں فرماتے ہیں اَلنَّفُوسُ الْقُدْسِيَّةُ اِذَا تَجَرَّدَتْ عَنِ الْعَدَائِقِ الْبَدَنِيَّةِ اَتَّصَلَتْ بِالْمَلَاِ الْاَعْلَى وَكَمْ يَبْقَى لَهَا حِجَابٌ فَتَرَى الْكُلَّ وَتَسْمَعُهُ كَالْمَشَاهِدِ بِنَفْسِهَا اَوْ بِاَخْبَارِ الْمَلِكِ وَفِيهَا سِرٌّ يَطَّلِعُ عَلَيْهِ مَنْ تَيَسَّرَ لَهَا۔

نفسِ قدسیہ جب عداوتِ بدنہ سے مجرود و عاف ہو جاتی ہیں تو ملائکہ اعلیٰ سے مل جاتی ہیں اور ان کے لئے کون جھاب نہیں رہتا ہر ایک کو دیکھتی اور سنتی ہیں جیسے سانسے ہوں۔ یہ دیکھنا سنانا بلا واسطہ اپنے آپ سے ہے یا فرشتوں کی خبر دینے سے یہ راز کی بات ہے وہ سمجھے جسے اللہ آسانی پیدا کر دے۔

پس ان دلائل سے معلوم ہوا کہ ہمارے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن اسرارِ غیبیہ، بینائے امورِ فعلیہ اور شنوائے جمیع اقوالِ عرضیہ، مالکِ خزانِ لاریبیہ ہونا، آیات

قرآنہ و احادیث نبویہ سے ثابت ہوتے ہیں اور بحکم حق تعالیٰ سبحانہ منع و عطا کے ہر باب میں مطلق و آزاد ہیں۔ زمیں و آسمان کے خزانوں کی کنجیاں سید و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں میں ہیں اور یہ سب خدا کا عطا کیا ہوا ہے نہ توحید و ایمان کے خلاف نہ عبدیت و بشریت سے اونچا پہنچا ہے نہ صفات الوہیت سے مشابہت و مماثلت ہے نہ حد سے زیادتی ہے۔ علمائے اہل سنت از سلف تا خلف کے ارشادات مبارکہ شاہد ہیں نہ قرآن کے خلاف نہ حدیث کے خلاف ہے۔ چنانچہ محقق قاری رحمۃ اللہ علیہ زبدۃ شرح قصیدہ میں فرماتے ہیں لَا نَعْلَمُ حَقِيقَةَ الذَّاتِ الْمُحْتَمِدِيَّةِ وَلَا حَقِيقَةَ الصِّفَاتِ الْأَحْمَدِيَّةِ إِلَّا الْمَوْصُوفُ بِصِفَاتِ الرَّبُّوبِيَّةِ۔ ذات محمدی صفات احمدی، تجلیات ربانی اور کمالات صمدانی سے موصوف ہے۔ (یہاں تک کہ عارف حاجی شرح فصوص الحکم میں فرماتے ہیں۔ فَلَا جَدَّ لَهَا مِنْ الْأَتِّصَافِ بِالصِّفَاتِ إِلَّا لِلْهَيْئَةِ كُلِّهَا مِنَ الْعِلْمِ الشَّامِلِ الْقُدْرَةِ الْكَامِلِيَّةِ وَغَيْرِهِمَا يَتَعَرَّفُ فِي أَعْيَانِ الْعَالَمِ حَسَبِ اسْتِعْدَادِهَا۔ حقیقت محمدیہ (موصوف بصفات ربانی) کیلئے ضروری ہے کہ وہ صفات الہیہ علم قدرت وغیرہ سے متصف ہو تاکہ اشیاء عالم میں ان کی استعداد کے مطابق تعریف کرے بعض عارفین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات تو پہنچانی جاتی ہیں لیکن نبوی نعوت و صفات کی معرفت نہیں ہو سکتی۔

عقل سلیم اور طبع مستقیم والوں کیلئے، یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ غیب اور قلوب و ارواح وغیرہ کے اندر کی غیب سے تعلق رکھنے والی سب چیزیں، وعلیکم السلام کے الفاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پڑھنے والے کو جواب دینا اور سلام کہنے والوں کو پہنچانا اور ان کے درود و سلام سنانا جبکہ فرشتوں کا واسطہ تک نہ ہو اور اہل محبت کی پکار سن کر ان کے گھروں میں تشریف لانا اور جو دونوں اور کوہم و کمال فرمانا غرضیکہ یہ سب کو سب عنایات آنوالا شان حبیب و جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہیں:

اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُجْتَبِينَ لِحُبِّكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْمُنْكَرِينَ الْكَافِرِينَ لِعَيْبِكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔

پختہ اراٹمن دون عقیدت داروں پر واضح ہو کہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 اور جمیع انبیاء و مرسلین اور اولیائے کرام سے طلبِ دعا اور سفارش کی درخواست یعنی
 استمداد اور انہیں وسیلہ اور شفیع بنا کر شریعت میں جیسا کہ بیان ہوا جائز ہے تاہم
 آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ نبویہ کے مطابق چند معتبر روایات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔
 پس جانا چاہیے کہ مدد مانگنا اور انہیں وسیلہ بنا کر قسم سے جیسا کہ حضرت
 شیخ محقق دہلوی لغات شرح مشکوٰۃ میں طریقہ استمداد کی تعلیم فرماتے ہیں۔ اس کی پہلی
 صورت یہ ہے کہ دعا مانگنے والا ضرورت مند محتاج الی اللہ اللہ پاکِ مجیب الدعوات جل جلالہ
 سے دعا کرے اپنی حاجت اس سے طلب کرے اور اس بزرگ مقرب بندہ کو وسیلہ بنائے
 اور یوں کہے کہ اے میرے پروردگار! اس بزرگ مقرب کی برکت سے جسے میں تیرے حضور
 سید بنا ہوں، میری حاجت پوری فرما میرا سوال قبول فرما۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ محتاج الی اللہ داعی، مقرب بندے کو بانپطور ندا کرے
 اور کہے اے اللہ کے بندے اے اللہ کے ولی اے اللہ کے پاک رسول، آپ خدا کے
 دربار میں سفارش فرما دیجئے دعا کر دیجئے اور عرض کر دیجئے کہ
 خدا میری حاجت پوری کر دے میری مشکل حل کر دے۔

ان ہر دو صورتوں میں دینے والا اور جس سے سوال کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے اور
 مقرب بندہ صرف وسیلہ اور سفارش ہے اس لئے کہ عالم موجودات میں اللہ تعالیٰ کے
 بغیر قادر مطلق اور فاعل حقیقی، کوئی نہیں البتہ مقربین بارگاہِ فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہیں۔
 خواہ زندہ ہوں یا وصال کر چکے ہوں انہیں مقرب بندوں کی دعا و سفارش کے بارے میں
 کہا گیا ہے۔

ایں دُعا ئے شیخ نے چون ہر دعا است	فانی است و گفت او گفت خدا است
گفتہ او گفتہ اللہ بود	گرچہ از صلحوم عب اللہ بود!
آن دعا ئے بخوداں خود دیگر است	آن دعا ز نسبت گفت داوار است
آن دعا حق میکند چون او فنا است	آن دعا و اں اجابت از خدا است

پس خدا از خود سوال و گد کند پس دُعائے خوش را چوں رو کند
 شیخ کامل کی دُعای بے مثل اور بے نظیر ہے اس لئے کہ شیخ فانی فی اللہ ہے
 اور اس کا بولنا، خدا کا بولنا ہے۔ اس کے بول اللہ کے بول ہیں اگرچہ بظاہر وہ
 بول اللہ کے بندے کی زبان سے نکل رہے ہیں۔ بخود اور فانی فی اللہ کی دُعای کا مقام
 کچھ اور ہے۔ مقرب بندے کی دُعای، خود اللہ حاکم حقیقی کا بولنا ہے۔ جب مقرب بندہ
 فنا ہو گیا تو اس کی دُعای، اللہ تعالیٰ کی دُعای ہے۔ وہ دُعای اور اس کی قبولیت، خداوند کریم
 سے ہے۔ پس ثابت ہوا کہ خود سوال اور عرض کرنا تو اللہ تعالیٰ کی اپنی طرف سے ہے
 تو وہ اپنی دُعای کس طرح رد کر سکتا ہے۔ (مشنوی مولانا جلال الدین رومی)

اس قدر جلتے کے بعد یہ فیصلہ برحق ہے کہ انبیاء و اولیاء کو وسیلہ و شفیع بنانا صرف
 مستحب ہے بلکہ واجب ہے خصوصاً سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع و وسیلہ
 بنانے کے جواز میں براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ بکثرت موجود ہیں۔

چنانچہ صاحب السراج مواہب اللذیہ قسطلانی سے نقل کرتے ہیں کہ سید الانبیاء
 کی پیدائش سے پہلے، دنیا میں، برزخ میں، بعثت کے بعد اور میدان قیامت میں ہر ہر
 مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی درخواست اور مدد و طلب کی گئی ہے۔ وسیلہ
 بنایا گیا اور مشکل وقت میں شفیع المنذیب رحمۃ اللعالمین کی طرف توجہ کی گئی ہے۔ اور انہیں
 سفارش بنایا گیا ہے۔ کَذَا ذِکْرُهُ الْحَافِظُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ فِي مَصْبَاحِ
 الظَّلَامِ فِي الْمُسْتَغِيثِ بِخَيْرِ الْأَنْبَاءِ۔ انتھی کلاماً

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے مدد و طلب کرنا سفارش
 کی درخواست گزانا، آثار و اخبار میں ان چار موطن پر ثابت ہے۔

موطن اول۔ ابتدائے انسانیت اور دائرہ خلقت سے قبل، جناب سرور

عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح سے مدد و طلب کرنا
 جذب القلوب میں شیخ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے خطا نرود

ہوئی تو جناب رب العزت جل وعلا عرض کی اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے
 محمد رسول اللہ کی برکت سے بخش دے اور میری مغفرت فرما اور میری توبہ قبول کر۔ تو درگاہ
 مجیب الدعوات سے فرمان آیا کہ میں نے تیری مغفرت کر دی مگر تم نے کیسے معلوم کیا کہ
 محمد رسول میرے محبوب ہیں (ابھی تو ان کا جوہر روحانی صدف جسمانیت میں نہیں پہنچا)
 اور تم نے ان کے نام کو وسیلہ بنا لیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ جس
 دن سے تو نے مجھے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور میرے قالب بشری میں روح
 علوی کو بھینکا اور میں نے سر اٹھایا تو قرآنم عرض پر لکھا ویکھا لَقَالِ اِنَّ اللّٰهَ مَحْسَمٌ
 ورسول اللہ ط اس دن سے میں نے جان لیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے محبوب
 ہیں جو ساری خلق سے محبوب ترین اور مقرب ترین ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمان ہوا اے آدم
 علیہ الصلوٰۃ والسلام بیشک جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے محبوب ہیں اگر محمد نہ ہوتے تو
 میں تمہیں بھی پیدا کرتا اور باقی انبیاء علیہم السلام کا حال احوال بھی کچھ اس طرح ہے جیسا کہ
 عارف باللہ جامی فرماتے ہیں۔

اگر نام محمد را نیاوردے شیخ آدم
 نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق بختینا
 نہ ایوب از بلا راحت نہ یوسف بعثت و جاہلت
 نہ عیسیٰ آل سیحادم نہ موسیٰ آن ید بیضا!

اگر آدم علیہ السلام سید الوجود حضرت محمد مصطفیٰ کا نام نامی سفارش میں نہ لاتے تو آدم
 کی توبہ قبول نہ ہوتی اور نہ نوح علیہ السلام کی کشتی کنارے لگتی۔ ایوب علیہ السلام بلا و مصیبت سے
 راحت یاب نہ ہوتے اور یوسف کو منصب اور جہاں و جلال عیسیٰ علیہ السلام کو سیحان بیرون
 اور ید بیضا کا معجزہ موسیٰ کلیم کو نبی آخر الزماں کے روح پر فتوح کی برکت سے حاصل ہوئے۔
 ایہ روایت عروق خطاب سے ہے حاکم مستدرک جز ۲ ص ۶۱۵ کتاب التاریخ۔ طبرانی ابن عساکر
 اور مواہب اللدنیہ

اسی طرح سابقہ امت بھی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح سے مدد طلب کیا کرتی

چنانچہ صاحب السراج باسند صحیح، ابو نعیم اور بیہقی سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ اور خیبر کے یہود، عرب قبائل بنی غطفان اور بنی جہینہ بت پرستوں سے جنگ کرتے وقت مغلوب ہوتے رہے۔ اور متواتر شکست کھاتے رہے تو ناچار انہوں نے دشمنوں اور تورات کا علم رکھنے والوں کی طرف رجوع کر لیا بہت زیادہ تحقیق و جستجو کے بعد درج ذیل دعا ہر ایک یہودی سپاہی کو تعلیم کی گئی جسے جنگ کرتے وقت پڑھا جاتا تھا تو یہودیوں کو شکست کے بجائے فتح نصرت نصیب ہوا کرتی تھی دعا یہ ہے: **اللَّهُمَّ رَبَّنَا إِنَّا نَسُوكَ بِحَقِّ أَحْمَدِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي وَعَدْتَنَا أَنْ تُخْرِجَنَا لَنَا فِي آخِرِ الزَّمَانِ وَبِكِتَابِكَ الَّذِي تَنْزِلُ عَلَيْنَا آخِرَ مَا يَنْزِلُ، أَنْ تَنْصُرَنَا عَلَى أَعْدَائِنَا**

اے اللہ ہمارے پروردگار! ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں احمد نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے جسے آخر زمانہ میں ہمارے لئے بھجوانے کا تو نے وعدہ کیا ہے اور اس کتاب کی برکت سے جو تم پر آخری کتاب بن کر نازل ہوگی، ہمیں، ہمارے دشمنوں پر نصرت عطا فرما! تفسیر عمریزی میں آیا ہے **نكاه عبد العزيز المحرث المدلوی رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ وَكَانُوا مِنْ قَبْلِ لَيْسْتَفْتَحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا ابِّ، فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ** (پارہ ۱ رکوع ۱۱) اور اس سے پہلے وہ اس نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر ہے۔ کی شرح و تفسیر میں لکھتے ہیں کہ سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور قرآن کریم کے نزول سے قبل، یہود اپنے حاجات کیلئے حضور کے نام پاک کے وسیلہ سے دعا کرتے اور کامیاب ہوتے تھے اور اس طرح دعا کرتے تھے **اللَّهُمَّ افْتَحْ عَلَيْنَا وَانصُرْنَا يَا نَبِيَّ الْأُمِّيِّ يَا رَبِّ هَمِيں نبی امی کے صدقہ میں فتح و نصرت عطا فرما۔** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مقبولان حق کے وسیلہ سے دعا قبول ہوتی ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور سے قبل جہاں میں حضور کی تشریف کا شہرہ تھا اس وقت بھی حضور کے وسیلہ سے خلق کی حاجت روائی ہوتی تھی۔ مگر یہود کی مکرشسی میں فرق نہ آتا تھا نہ آیا اور ان کے کفر کی شامت ہے کہ انہوں نے نبی کو بنو اسرائیل کے بجائے بنو اسمعیل سے پاکر سید الانبیاء کی نبوت

کے انکاری ہوئے اللہ تعالیٰ نے اُن پر لعنت فرمائی دیدہ دانستہ، کفر اختیار کیا عناد اور تعصب
ایسے ہوتے۔ العیاد باللہ!

نام احمد چوں چنیں یاری کند تاکہ نورش چوں نگہداری کند
نام احمد چوں حصارے شد چنیں تاچہ با شد ذات اُل روح الامین
ستینا احمد مُجتبیٰ کا نام مبارک کی مدد سبحان اللہ۔ وہ نام کا وسیلہ تھا اللہ جل نے ان کا نور
مبارک کتنی اور کیا کچھ زبردست نگہبانی فرماتا ہے؟ احمد مُجتبیٰ نام نامی حصار بن کر محافظ رہا ان
کی مبارک ذات کے کیا کچھ کمالات ہوں گے۔ اللہ نصیب فرماوے =

موطن دوم - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے مدت حیات دُنیا

میں یعنی "بعد از خلقت و قبل از بعثت" تو سل کے حالات بہت ہیں جن کا ذکر نہیں ہو سکتا۔
شیخ عبدالحق المحدث شرح سفر السعادت میں "ولادت نبوی میں" لکھتے ہیں جب آنحضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی مبارک عمر چھ سال ہوئی آپ کی والدہ آمنہ بنت وہب اپنے بھائیوں سے ملنے مدینہ منورہ
تشریف لے گئی تھیں (اس سفر میں ام امین رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ
وسلم) کی واری تھیں۔ حضرت آمنہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے گئی تھیں جو مدینہ میں مدفون تھے
ایک مہینہ تک مدینہ میں مقیم رہیں) واپس آتے ہوئے مقام البواہ میں حضرت آمنہ کا انتقال ہو گیا
اور (یہیں مدفون ہوئیں۔ ام امین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لیکر مکہ میں آئیں)۔ والدہ ماجدہ کے
انتقال کے بعد عبدالمطلب نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے دامن تربیت میں لیا۔ ہمیشہ
ساتھ رکھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس زمانے میں قریش پر شدت کا قحط پڑا ہاتھ نے آواز دی کہ اس
نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وسیلہ بنا کر استسقاء کرو چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے
آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کندھے پر اٹھالیا اور دعا فرمائی رحمت والی برسات کا نزول ہوا یہ
برکت اس مقدس ذات والاصفات کے واسطے وسیلہ سے تھی جس میں آثار بزرگی، عالم خورگی
سے وقوع پذیر ہونے رہے ہیں۔

موطن سوم۔

توسل بانحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد از بعثت کے بارے میں بڑی وضاحت کے ساتھ کتاب سراج میں یوم مرقوم ہے کہ ترمذی شریف ابن ماجہ النسائی بیہقی اور حاکم کی روایت ہے کہ ایک نابینا بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کر رہے تھے۔ اے اللہ کے رسول دعا فرمائیے اللہ جل جلالہ مجھے عافیت بخشے آپ نے فرمایا اگر تجھے بصارت چاہیے تو دعا کروں ابھی حاصل ہو جائے اور اگر آخرت کا اجر چاہتے ہو تو صبر کرو۔ تیرے لئے یہ بہتر بھی ہے۔ اس نے کہا اے اللہ کے رسول جب مجھے اختیار دیا ہے تو

نخواہم درجہ سان جز چشم روشن!

مجھے دنیا میں سوائے روشن آنکھ کے اور کچھ نہیں چاہیے آپ نے فرمایا: جاؤ وضو کرو دو رکعت نماز پڑھو اور پھر یہ دعا مانگو تاکہ تیرا مطلب پورا ہو۔ دعا یہ ہے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَالْوَجْهَ إِيَّاكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ (يَا مُحَمَّدُ) إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَجْتِ لِيَقْضِيَ لِي فِي حَاجَتِي هَذِهِ اللَّهُمَّ فَشَقِّعْ لِي

(رواد الترمذی والنسائی، مشکوٰۃ)

یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف، تیرے پیارے نبی محمد نبی الرحمت کے صدقے میں توجہ کرتا ہوں۔ (اے سیدنا محمد) بیشک میں نے اپنے پروردگار کے حضور تیرے واسطے وسیلہ سے توجہ کی تاکہ میری یہ حاجت پوری کر دی جائے۔ اے اللہ تو انکی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا۔ نابینا نے اس پر عمل کیا تو اس نے بینائی پائی علامہ حافظ جلال الدین السیوطی کتاب خصائص میں فرماتے ہیں ”بِنَبِيِّكَ“ کا معنی ہے نبی کریم کے وسیلہ اور آپ کی شفاعت کے ساتھ اور قولہ ”الْوَجْهَ بِكَ“ میں بلٹے استعانت سے یعنی معنی ہے ”بِنَبِيِّكَ وَإِعَانَتِكَ“ بعض نے کہا کہ قولہ ”بِنَبِيِّكَ“ میں بلٹے قسم کے لئے اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے کہا کہ قولہ ”بِنَبِيِّكَ“ میں بلٹے قسم ہونے کی صورت میں مقسم بہ ہونا صرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مخصوص ہوگا کیونکہ آپ سید اولاد آدم ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ

کی بارگاہ میں سب انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی نسبت زیادہ صاحبِ عزت و عظمت ہیں۔ سب کے سب انبیاء علیہم قطعاً آپ کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ لہذا یہ قسم صرف اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص ہے انتہی کلاماً۔ الغرض وہ نابینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بجالایا اور بینائی حاصل کر لی۔ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوا اور شکر یہ ادا کیا۔

سوال: حدیث ضریر میں نداء خطاب اس لئے کیا گیا کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعین حیات ظاہری موجود تھے تو مندرجہ حدیث میں خطاب و ندا بالشافحہ اور بالمواجہ تھی۔ مگر اب تو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ پوش اور غائب ہیں۔ غائب کو حاضر پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

جواب: قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ شفا شریف میں بالصرحت ذکر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو حکم دیا کہ یہاں سے چلے جائیے وضو تازہ کر کے دو گانہ نفل پڑھ کر دعا مذکورہ پڑھ لیجئے۔ الخ چنانچہ عثمان بن حنیف کے بقول وہ نابینا شخص دربار نبوت سے دور باہر چلا گیا اور وہاں پر عمل کر کے بینا ہوا اور شکر یہ ادا کرنے کی خاطر آپ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوا اور اس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ خطاب اور ندا یا محمدؐ یا آنحضرتؐ غائبانہ تھا اور یہ بھی ثابت ہوا ہے حصول مقاصد کے لئے سیدی یا رسول اللہؐ کو پکارنا جائز اور روا ہے خواہ قریب سے ہو خواہ دور سے ہو۔

حدیث ضریر بروایت عثمان بن حنیف درج ذیل کتب میں موجود ہے۔

ردی طبرانی..... فی البیوم الصغیر والکبیر ص..... آخر الحدیث میں آیا ہے۔ فقال

عثمان بن حنیف فواللہ ما تفرقنا و طال بنا الحدیث حتی دخل علينا الرجل وقد البصر کانه لم یکن

بہم ضوقط۔ ترمذی شریف۔ بخاری فی التاریخ ج ۶ ص ۲۰۹۔ ورواہ احمد بن حنبل فی مسندہ ج ۴ ص ۱۳۸ نقل السوزی

لب صلوٰۃ امی ج ۱ ص ۱۶۴ شوکانی۔ تحفۃ الذاکرین ص ۱۶۱۔ ابن تیمیہ (التوسل والوسیلۃ) رسالہ لہ و ذکرہ مع عبد الرحمن

(مترجم)

فی تحفۃ الاخوی شرح الجامعہ الترمذی ج ۴ ص ۲۸۲۔

موطن چہارم۔

التوسل بہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ۔ آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد بھی آپ کی ذات سے توجہ، طلب مدد و توسل کے بارہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بہت سے آثار واقع ہوئے ہیں چنانچہ جذب القلوب، طبرانی معجم اکبر و معجم صغیر ص ۱۸۲ ج اول۔

ایک شخص کو حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس ایک کام تھا مگر عثمان غنیؓ نظرِ کرم نہیں فرما رہے تھے۔ عثمان بن حنیف سے ملاقات میں یہی شکوہ کیا تو عثمان بن حنیف نے اسے حکم دیا تازہ وضو دو گارہ نفل اور درج ذیل دعا پڑھیے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتُوجِّهُهُ إِلَيْكَ
بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فَيَقْضِي لِي

اس نے وہ تمام درج بالا طریقہ سے وظیفہ پورا کر کے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر آیا تو دربان نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ حضرت عثمان غنی کے حضور لے آیا آپ نے اسے اپنے ساتھ خاص جگہ پر بٹھایا اور حاجت پوچھی جو بھی تھی پوری کر دی اور ساتھ ہی اسے فرما دیا جب بھی مجھ سے کام ہو چلے آیا کرو پورا کیا جائے گا۔ وہ آدمی خوش خوش حضرت عثمان غنی سے رخصت ہوا اور عثمان بن حنیف کے پاس آیا اور کہا جزاک اللہ خیراً حضرت عثمان غنیؓ نے نظرِ کرم فرماتے تھے نہ میری حاجت پوری کرتے اگر آپ انہیں سفارش نہ فرماتے۔ انہوں نے کہا قسم بخدا میں نے ان کو کوئی چیز نہیں کہی سوائے اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ آپ کے پاس ایک اندھا آلا اور دعا چاہی یہاں تک کہ اس کی آنکھ روشن ہو گئی۔ اور اس ساری روایت کو بیان کر کے کہنے لگے کہ میں نے اس پر قیاس کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول موجب قضا حاجت اور سبب نجات ہمیشگی ہے۔ (بیہقی بسبب شفاء السقام ص ۱۶۶۔ ابن تیمیہ فی کلبیہ التوسل والوسید جلال الدین سیوطی فی الجامع الصغیر والکبیر والخصائص الکبری ج ۲، ص ۱۶۶۔)

اسی نظریہ کی تائید میں دلائل النبوة بیہقی سے منقول ہے کہ حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ (بعد از وصال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) توسل و توجہ اور تشفع کے بطور ہمیشہ درج بالا

دعا پڑھا کرتے تھے۔

فوائد: حدیث ضریر میں سے درج ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ مہمات میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا جائے آپ سے شفاعت اور استغاثہ طلب کیا جائے۔ تو جائز ہے زندگی میں ہو یا بعد زندگی ظاہری، جیسا کہ امام احمد القسطلانی مواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں کہ توسل تشفع اور استغفار کیلئے درج بالا حدیث ضریر کافی وافی حجت ہے۔

۲۔ حدیث مذکور مدد مانگنے کی دونوں قسموں پر مشتمل ہے۔ (سوال اللہ تعالیٰ اور وسیلہ مقرب بندہ ہو۔ نزد مقرب بندہ سے ہوئے سے وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے سوال ہو) اللہم انی اسئلك..... نبی الرحمة تک، ہذا و خطاب اللہ تعالیٰ سے ہے اور وسیلہ واسطہ رسول پاک کو بنایا گیا ہے جو کہ اول قسم پر دلالت کرتی ہے۔ "یا محمد ائی نوحجت بک الی ربی فی قضاء حاجتی ہذہ" میں دوسری قسم والی استمداد پائی جاتی ہے یعنی ندا و خطاب مقرب حق رسول پاک کو اور سوال اللہ تعالیٰ سے کیا گیا ہے۔ اور ایک روایت میں "لتقضی لی حاجتی" بصیغہ معلوم مخاطب سے تیسری قسم کی استمداد صاف ظاہر ہے۔ فافہم و تفکر۔

۳۔ سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ندا کر کے پکارنا اس حدیث سے ثابت ہے۔ ندا خواہ قریب سے خواہ بعید سے ہو۔ ہر دو حال میں روا اور جائز ہے۔

اے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کانٹے والوں کو یہ دلائل پر توجہ کرو۔ قبل الخلق، قبل بعثت بعد الخلق، حیات میں اور وفات کے بعد، قرآن و حدیث سے انبیاء و صالحین کی ذات مقدسہ کو وسیلہ بنا کر ثابت ہو گیا اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے اجماع امت محمدیہ منعقد ہو گیا کہ التوسل بالنبی جائز ہے۔

مکتوب ۱۵

جنابِ عالی مدظلہ! گنہگار غلام کی گزارش یہ ہے کہ کچھ لوگ علی الاعلان کہہ دیتے ہیں کہ عبدالرسول، عبد النبی، غلام محمد غلام محمد، نبی بخش، محمد بخش وغیرہم نام رکھنا شریعت میں منع ہیں کہ ان ناموں میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے شرک ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ معبود اللہ تعالیٰ ہی ہے اور دینے والا بھی وہی ہے اور کوئی نہیں۔ دلیل میں یہ آیت قرآنی پیش کی جاتی ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيًّا فَاَمَرَتْ بِهِ فَلَمَّا آلَقَتْ دَعَا اللَّهَ رَبِّهَا لَنْ اُتِنَا صَالِحًا لَنْكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ فَلَمَّا آتَاهَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُكْرًا فِيمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ (پارہ ۹، رکوع ۷) وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس میں سے اس کا جوڑا بنایا کہ اس سے آرام پلے۔ پھر جب مرد اس پر چھایا اسے ہلکا سا پیٹ رہ گیا تو پھر اسے لٹے پھر کی پھر جب بھوجھل پڑی دونوں نے اپنے رب سے دعا کی ضرور اگر تو ہمیں جیسا چاہیے بچہ دے گا تو بیشک ہم شکر گزار ہوں گے پھر جب اس نے انہیں جیسا چاہیے بچہ عطا فرمایا انہوں نے اس کی عطا میں اس کے سوا بھی ٹھہرایا تو اللہ تعالیٰ کو بڑی ہمت ہے ان کے شرک سے۔

آیت درج بالا کی تفسیر میں بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ابلیس لعین بہت دفعہ سیدہ خوا علیہا السلام کے پاس آتا رہا جبکہ بی بی صاحبہ کو پہلا حمل تھا اور پوچھا کہ تیرے پیٹ میں کیا ہے؟ خوا علیہا السلام لاعلمی کا اظہار فرماتی تھیں۔

ابلیس کے بار بار سوال کرنے اور ڈرانے کی وجہ سے بی بی خوا علیہا السلام ڈر گئیں اور سب صورت حال آدم کریم علیہ السلام سے عرض کر دی۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام بھی ڈر گئے۔

ابلیس علیہ اللعنة پریشان حالت میں سیدنا آدم علیہ السلام سے غمخواری اور

ہمدردی کرنے آگیا اور کہہ دیا کہ غم مدت کی بجائے کیونکہ میں خود اسم اعظم جانتا ہوں اور میں مستجاب الدعوات ہوں اللہ تعالیٰ سے میں دعا کروں گا تمہاری طرح اسے اوم علیہ السلام یہ عمل بھی بُھوت بشری پیدا ہوگا اور آسانی بیٹ سے باہر آجائے گا بشرطیکہ اس نومولودہ کا نام "عبدالخارث" رکھا جائے۔ یاد رہے کہ فرشتوں میں شیطان ابلیس کا نام "خارث" مشہور تھا۔ چنانچہ آدم و حوا علیہما السلام نے یہ بات قبول کر لی۔ جب پتھر صحیح و سالم پیدا ہوا تو اس کا نام "عبدالخارث" رکھ دیا گیا یعنی صرف نام میں شرک کیا گیا نہ کہ عبادت میں۔ انتھی کلام

غریب نواز! معتزلہ اور ان کے متبعین اس روایت کو سند قرار دے کر درج بالا اسماء حسنا کو غیر مشروع قرار دیتے ہیں اور شرک سمجھتے ہیں۔ لہذا عرض حضور ہے کہ جس طرح سیدھی صحیح راہ ہو اور اہل سنت و جماعت کا جو صحیح مسکک ہو اس بارے میں تحریر فرمائیے تاکہ اس پر عمل کیا جائے اور اطمینان و سکون ہے۔ یا اللہ ہدایت کا سورج ہمارے سروں پر دائماً چمکتا رہے۔ آمین ثم آمین!



جواب ۱۵

برخوردار بعد از سلام واضح ہو کہ مسئلہ فہم نام (عبد الرسول عبد النبی غلام محمود محمد بخش وغیرہ) رکھنا شریعت پاک میں جائز نہیں۔ اس لئے کہ اسم (بالکسر) علم کے قسموں میں سے ایک قسم ہے معلوم ہو کہ علم کے تین نوع ہیں۔ ایک کیفیت ہے جس نام کے اول اول میں ماں باپ بیٹا بیٹی کا لفظ آئے جیسا کہ ابوالحسن ابن حاجب ام کلثوم وغیرہ دوم لقب ہے جبکہ اس علم میں کسی کی مدح یا ذم مقصود ہو جیسا کہ شمس الدین سراج العلماء وغیرہ اور جب ان دونوں میں سے کوئی بات نہ ہو تو وہ اسم ہے (الفوائد الضیائیہ)۔

اور یہ بات طے ہے کہ اسم علم ہو یا لقب ہو۔ وہ اپنے اسمی میں کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ لہذا درج بالا الفاظ سے کسی کا نام رکھنا قطعاً موجب شرک نہیں (تفسیر کبیر رازی) مزید برآں یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ "عبد اللہ" اسم علم ہے اگرچہ اس کی ہر ہر جزو اپنے اپنے معنی پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن وہ معنی مدلول یہاں قطعاً مراد نہیں ہے ورنہ علم نہیں ہو سکتا۔ کافیہ ابن حاجب میں ہے العلم ما وضع لشيء بعينه غير متناول بغيره بوضع واحد علم وہ ہے جو کبھی معین چیز کیلئے وضع کیا گیا ہو اور وہ (موضوع لہ کے بغیر) کسی اور شئی کو قطعاً شامل نہیں ہوتا۔

اس تفصیل کے بعد ظاہر ہو جاتا ہے کہ علم سے مقصود صرف ایک ذات شخص ہی مراد ہوتی ہے اور بس۔ وہاں ترکیبی معنی مراد نہیں ہوتا۔ جیسا کہ "دینہ" جبکہ کسی ایک شخص کا نام رکھ دیا جائے تو وہ شخص معین مراد ہوگا جبکہ معنی ترکیبی نہ رہے۔

تفسیر کبیر میں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے مفسرین کے قول (قصہ حاملہ ہونا حضرت حوا کا اور ابلیس کا بار بار آنا اور عبد الحارث نام رکھنا۔ الخ) کی بہت توجیحات فرمائی ہیں۔ لکھتے ہیں آدم علیہ السلام ابلیس علیہ اللعنة کو سب لوگوں کی نسبت خود سب سے زیادہ جانتے تھے۔ اور تمام ناموں سے

بھی باخبر تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا" اس نے تمام نام آدم کو سکھلا دیئے اور آدم کریم بخوبی جانتے تھے کہ حارث شیطان کا نام ہے۔

مقام حیرت ہے آدم و ابلیس میں خوب عداوت پائی جاتی ہے اور آدم علیہ السلام جانتے ہیں کہ حارث شیطان کا نام ہے تو پھر کس طرح اپنے لڑکے کا نام عبدالحارث رکھ دیا اور کیوں نہ پہچان سکے کہ یہ نام رکھنا بہت بُرا ہے جبکہ اس سے اجتناب و احتراز لازم تھا۔ اگر کسی جاہل سے کہا جائے کہ اپنی اولاد کا نام عبدالحارث رکھ دو تو وہ بھی عاف صاف انکار کرے گا۔

چو جائیکہ سیدنا آدم علیہ السلام سے ایسا فعل و عمل صادر ہونا العیاذ باللہ العلی العظیم۔ (لہذا یہ روایت موضوع اور غلط ہے۔)

تفسیر کشاف اور تفسیر بیضاوی شریف درج بالا آیت کے تحت فرماتے ہیں، "هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ" الخ میں من نفس واحدہ سے مراد، قصی ہیں آدم و حوا نہیں ہیں اور قصی، حضور علیہ السلام کے آباؤ اجداد میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں، ان کی جنس یعنی قریش عرب میں سے بیوی کرارت فرمائی اور دونوں میاں بیوی نے عہد کر لیا کہ وہ دونوں صاحب اولاد ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کے شکر گزار اور سپاس دار رہیں گے۔ اللہ جل شانہ نے حضرت قصی کو چار لڑکے عنایت فرمائے مگر ان کے نام رکھنے میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک کر لیا گیا۔ نام یہ ہیں عبدعزیز، عبدقصی، عبدمناف اور عبددار۔

اندریں روایت، درج بالا روایت و آیت میں قرآن مجید کا خطاب قوم قریش سے ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے۔ اور وہ آل قصی کہلاتے ہیں اس آیت کا آدم علیہ السلام سے بوجہ نام رکھنے عبدالحارث کے کوئی تعلق نہیں ہے۔ عقل سلیم اور فہم عظیم والوں پر درج بالا بات واضح ہو گئی ہے۔ تو جھید سوم از تفسیر کبیر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سے کہ۔

اللہ تعالیٰ نے ضرب المثل کے طور آیت پاک میں لوگوں کی بوجہ جہالت و شرک آیت پاک میں فرمایا ہے کہ لوگوں کی حالت، مشرکین کی حالت کے عین مطابق ہے جو کہ جاہل اور مشرک تھے اندر میں معنی آیت مندرجہ میں خطاب عام ہے ہر شخص کیلئے۔ ترجمہ یوں بن پائے۔ اللہ تعالیٰ

کوئی ہے جس نے تم میں سے ہر ایک کو ایک جان سے یعنی اس کے باپ سے پیدا کیا اور اسکی جنس سے اس کی بی بی کو بنایا پھر جب وہ دونوں جمع ہوئے اور حمل ظاہر ہوا اور ان دونوں نے تندرست بچہ کی دعا کی اور ایسا بچہ ملنے پر شکر ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ویسا ہی بچہ تندرست عنایت کیا۔ ان کی حالت یہ ہو گئی کہ کبھی وہ اس تندرست بچہ کی پیدائش و طبائع کی طرف نسبت کرتے ہیں جیسے دریوں کا حال ہے۔ اور کبھی ستارہ پرستوں کی طرح، بچہ کی ولادت، ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور کبھی بتوں کی طرف جیسا کہ بت پرستوں کا دستور ہے۔ مگر اللہ پاک نے فرمایا کہ وہ ان کے شرک و جہالت سے بری ہئے اور برتر ہے یہ تو جھوٹا نہایت صحیح اور درست ہے۔

توجیہ چہام - تفسیر کبیر میں آیا ہے اگر ہم روایت مندرجہ "تسمیہ عبدالمحارث" صحیح تسلیم کر لیں تب بھی عصمت انبیاء کے منافی نہیں۔ کیونکہ اس شخص سے ہی بہ عبادت کی دعا و برکت سے بچہ صحیح و سالم پیدا ہوا تو سیدنا آدم و سیدہ حوا علیہما السلام نے اپنے بچے کا نام اس شخص سے بوجہ محس ہونے کے، منسوب کر دیا۔ کیونکہ کبھی کبھار انعام پانے والا اپنے آپ کو انعام دینے والے کا غلام تصور کر لیتا ہے تو کہتا ہے "عبد المنعم" انعام دینے والے کا غلام ہوں اور عرب میں بھی یہ مثل مشہور ہے کہ اَنَا عَبْدٌ لِمَنْ تَعَلَّمْتُ مِنْهَا حَرْفًا مِیْنِ اس شخص کا غلام ہوں جس سے میں نے ایک حرف پڑھا ہے۔

بعینہ اسبی طرح سیدنا آدم و حوا علیہما السلام نے شخص داعی کی دعا و برکت کے باعث اپنے بچے کی سلامت پیدائش پر بچے کا نام "عبد المحارث" رکھ دیا جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت (غلام و خادم کے معنی میں نہیں بلکہ ملکیت اللہ اور خلق اللہ ہونے کے سبب عبد المحارث) کو عبد اللہ کہا جا سکتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ اگرچہ یہ تاویل درست اور صحیح ہے مگر شان انبیاء کے لئے یہ عمل مناسب نہیں۔

حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقْرَبِينَ کے زیر اصول، سیدنا آدم و حوا علیہما السلام کو عتاب کیا گیا وجہ یہ ہے کہ لفظ "عبد" میں اشتراک پایا جاتا ہے یعنی لفظ ایک ہے اور معنی زیادہ ہیں۔

(غلام خادم۔ مملوک اور عبادت) جیسا کہ لفظ رب میں معنی کا اشتراک پایا جا سکتا ہے معبود سردار اور پرورش کرنیوالا وغیرہ۔ اگرچہ عبد الحارث میں، عبد سے غلام کا معنی لیا جا سکتا ہے تاہم مملوک والے معنی کی طرف بھی ذہن جاتاہے جیسا کہ ”رب“ سے مراد ربی سردار ہو پھر بھی معبود کے معنی میں استعمال ہوا کرتا ہے۔ اس لحاظ میں لفظ ”عبد“ میں مشترک المعنی ہونے کے سبب سیدنا آدم علیہ السلام کو اس عمل میں عقاب کیا گیا ہے۔

میں نے بعض فاضل کامل لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ آپ اپنے آپ کو بطور تواضع لکھ دیتے ہیں ”عبد کم“ تمہارا غلام جیسا کہ کسی کے ہاں جب کوئی شخص مہمان ہو تو میزبان اپنے کو عَبْدُ الضَّيْفِ، مہمان کا خادم و غلام قرار دیتا ہے۔ یہاں صرف تواضع اور انکساری مراد ہوتی ہے نہ یہ کہ میزبان کو مملوک اور مہمان کو رب و مالک اور معبود سمجھا جائے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کے متعلق فرمایا تھا ”اِنَّكَ رَجِيٌّ“ بے شک وہ میرا محسن ہے یہاں بھی تواضع و انکساری مراد ہے نہ کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو مملوک اور عزیز مصر کو معبود قرار دیا ہو العیاذ باللہ العلی العظیم۔

یہ بحث بڑی معرکتہ آلاب ہے اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کے متعلق تفصیل سے لکھا جائے تاکہ اصلیت و حقیقت منکشف ہو اور کسی قسم کا شبہ دل میں خلجان پیدا نہ کرے۔

جاننا چاہیے کہ لفظ ”عبد“ کے لغت میں غلام و خادم کے معنی آتے ہیں اور اس کی ضد ”حر“ ہے معنی ہے آزاد۔ اندر میں صورت لفظ عبد کی اضافت دوسروں کی طرف صحیح ہے جیسا کہ قرآن مجید میں لفظ ”عباد“ جمع مخاطب ضمیر کی طرف اضافت ہے۔

ارْتَادِ بَارِي تَعَالَى هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا لَكُمْ فِيهِ مَسَاجِدَ تَمُجِّدُونَ ﴿۱۰۷﴾ وَانكحوا الأيامى منكم والصالحين من عبادكم وأمائكم ان يكونوا فقرا يغنيهم الله من فضله وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (پارہ سورہ ۳۲ نور رکوع) اور اپنے میں سے بن بیسای عورتوں کا (خواہ وہ کنواری ہوں یا راند) اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے نیکوں کا نکاح کرو یا کرو اگر وہ غریب ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مہربانی سے غنی کر دے گا اور اللہ وسعت والا اور علم والا ہے۔

قرآن مجید کتب فقہ میں عبد اور امثلیہ دونوں لفظ غلام اور لونڈی کے معنی میں استعمال ہوتے

ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ الْحَرْبِ وَالْحَرْبِ
وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ (سورہ بقرہ پارہ دوم رکوع ۱۷۲) اے ایمان والو تم پر مقتولوں کی بابت
بدلہ لازم ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔**

حدیث مبارک ہے عن ابی موسیٰ الأشعری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ثَلَاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَأَمِنَ بِمُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوكُ إِذَا آدَىٰ حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوْلِيهِ رَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ أُمَّتُهُ
يَطَاهَا فَأَدَّبَهَا وَأَحْسَنَ قَادِيْبَهَا وَعَلَّمَهَا فَاحْسَنَ تَعْلِيمَهَا تَمَّ اعْتَمَاقُهَا فَتَزَوَّجَهَا
فَلَهَا أَجْرَانِ (متفق علیہ باب الایمان مشکوٰۃ شریف)

ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے رسول پاک نے فرمایا میں شخص ہیں جنہیں دو دو ثواب
ملے ہیں، ایک وہ اہل کتاب جو اپنے نبی پاک پر ایمان لایا پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی
ایمان لے آیا۔ دوسرے کسی کی ملکیت میں خادم جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے اور اپنے
مالک و مولیٰ کے حقوق بھی ادا کرتا ہے۔

تیسرے نمبر پر وہ لونڈی کا مالک مرد جس نے اوب و علم کی تعلیم دی اور اسے آزاد کر کے
اس کے ساتھ شادی کر لی اس کو دو اجر ملتے ہیں۔

مترجم اکتب فقہ میں عبد و حرد و متضاد لفظ قرار دیئے جاتے ہیں جیسا کہ لیس علی
المسیلم صدقہ ثانی عبیدہ ولانی فرمیں۔ کتاب الزکوٰۃ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے فقہ
ولسے کہتے ہیں کہ مسلمان پر اس کے عبد اور گھوڑے کی زکوٰۃ نہیں۔

سوال :- جب عبد کو نبی اور ولی کی طرف اخصاف کیا جاتا ہے تو جوہرٹ لازم آتا
ہے مثلاً عبد النبی کا معنی ہے نبی کا غلام اور عبد الولیٰ کا معنی ہے ولی کا خادم جبکہ مضاف
مضاف الیہ کا نہ غلام ہے اور نہ خادم۔

جواب :- یہاں اخصاف کر کے مضاف کی نیاز مندی تواضع اور انکساری اور مضاف
الیہ کی عظمت شان کا اظہار مراد ہوتا ہے جیسا کہ عبد الضیف (مہمان کا غلام اور عبد المنعم
(محسن کا خادم) میں مضاف اپنے آپ کو بطور تواضع غلام اور مضاف الیہ کو عظیم الشان قرار

سے دیتا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اضافی ناموں میں صرف سعی کی عزت اور عظمت شان مقصود ہوتی ہے۔ جیسا کہ روح اللہ اور بیت اللہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کر کے روح اور بیت کی عزت و عظمت مقصود ہے۔

مزید برآں یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اضافی نام بناتے وقت مُضاف الیہ زندہ ہو موجود ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے "ہذا روضۃ السلطان یہ بادشاہ کا روضہ ہے جبکہ سلطان مرجحاً ہوتا ہے۔ حالانکہ سید المرسلین اور اولیائے کاملین کی حیات مبارکہ باجماع اُمت محمدیہ ثابت ہے حیات نبی اور اثبات اللہ کی بحث مکتوب نمبر ۱۶ میں دیکھ لیجئے۔

حضرت علامہ الحافظ عبد اللہ احمد پوری اپنے مشہور رسالہ میں فرماتے ہیں:

"عبد" کے دو معنی ہیں مخلوق اور مملوک جب عبد کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو دونو معنی صحیح ہیں اور اگر عبد کی اضافت اللہ کے سوا کسی دوسری طرف ہو تو وہاں صرف دوسرے معنی مُراد ہوتے ہیں چاہے مُضاف الیہ زندہ ہو یا مُرجحاً ہو۔ بحالت زندہ کہا جاتا ہے۔ اَمْوَالُ الذِّمِّیِّ عِبْدٌ ذٰلِکَ اَمِیْرٌ لِّاٰمِیْرِ مَلَکِیَّتِیْنِ مِیْنِ مَوْجُوْدٍ تَمَامِ غُلَامُوْنَ کُوْا سِ طَرِحِ کَا حُکْمِ دِیَا۔ بحالت موت کہا جاتا ہے۔ مَا تِ الْاَمِیْرُوْا الْبَقِیُّ عِبْدٌ ذٰ اَمِیْرٌ مَرِیْا اُوْر اِسِ کَا غُلَامِ بَاقِیِّیْنِ۔

انتحی کلاماً

جاننا چاہیے کہ عبد کو مُضاف بناتے وقت چار چیزیں ملحوظ خاطر ہونی چاہئیں:

۱۔ تعظیم ملحوظ خاطر ہو جیسا کہ "بیت اللہ میں" بیت کو اللہ کی طرف اضافت کر کے اسلی تعظیم و تکریم مطلوب ہے۔ اسی قسم میں بتے ابن کی اضافت باپ کی طرف شاکر کی اضافت استاد کی طرف اور مرید کی اضافت شیخ کی طرف بلکہ خود سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جاتی ہے یعنی بیٹا باپ سے، شاگرد استاد سے اور مرید اپنے شیخ اور خود نبی پاک سے عرض کریں کہ تم سب آپ کے عبد یعنی غلام ہیں۔

۲۔ مشائخِ عظام اور اساتذہ کرام کو مولیٰ کا مقام حاصل ہے۔ اور ہم سب ان کے عبد اور غلام ہیں۔ مَنْ عَلَّمَنِي حَرْفًا فَهُوَ مَوْلَايَ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَنِي وَاِنْ شَاءَ بَاعَ عَنِّي حَسْبَ مَنْحَنِ مَجْهُدِي اَيْک حرف تعليم دی وہ میرا مولیٰ (مالک) ہے اُسے اختیار ہے چلے میرے آزا کو کسے یا بیچ ڈالے۔ یہ تو استاذ اور شیخ کو مولیٰ (مالک) بنانے کا مقام ہے۔

بھلا سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے برتر و بہتر معلم اور کون ہو سکتا ہے؟ روایت میں آیا ہے: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ مَعْلِي مَوْلَاهُ میں جس کا مولیٰ ہوں علی اس کے مولیٰ ہیں۔ يَا اِبْنَ اَبِي طَالِبٍ اَصْبَحْتَ وَاَمْسَيْتَ مَوْلَى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَاَمْسَيْتَ لِي عَلِيٌّ! تم ہر مومن اور مومنہ کے مولیٰ ہو گئے ہو۔ اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو بکر الصديق کو حکم دیا کہ بلال کو خریدنے میں مجھے بھی شریک کیا جائے تو ابو بکر الصديق نے جواباً عرض کیا اے حبیب! میں نے حضرت بلال کو آزاد کر دیا ہے آپ مجھے اپنا غلام بنا لیں۔ میں آپ سے کبھی آزادی نہیں چاہوں گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر صديق کی اس بات کو برقرار رکھا اور اُسے قبول فرمایا۔

۳۔ جس طرح ایک عبد (غلام) اپنے آقا و مولیٰ کی اطاعت و اتباع کرتا ہے اسی طرح مخلص مريد بھی اپنے شیخِ کامل کی پیروی کرتا ہے اور اُمتِ محمدیہ کو صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع بجالانا ہوتی ہے لہذا مريد اور جمیع اُمت اپنے آپ کو عبد کہلانے میں حق بجانب ہیں۔

جناب قاضی محمد سعید صاحب اپنی کتاب ”تجلیۃ الحق“ میں فرماتے ہیں کبھی کبھار ادنیٰ ملاہست کی بنیاد پر بھی اضافت اور نسبت کر دی جاتی ہے جیسا کہ بستی اور گاؤں کا ایک باشندہ پوری بستی کو اپنی طرف نسبت کر کے کہتا ہے ہذا قَرْمِيْنَا یہ ہماری بستی ہے۔ ممکن ہے کہ عبد الرسول میں وہی ادنیٰ سی ملاہست کام آتی ہو۔

لفظ ”غلام“ عربی کلام میں بے ریش لٹ کے کو کہتے ہیں خواہ آزاد ہو یا غیر آزاد اور فارسی میں ”غلام“ کا معنی عبد ہوتا ہے کشف اللغات۔

شیخ عبد الحق المدنی الدہلوی فرماتے ہیں غلام اور لونڈی سے مراد وہ مملوک غلام اور

نوٹدی ہوتے ہیں جو اپنے مولیٰ و مالک کے ملک اور قبضہ میں ہوں۔ اندر میں حالات عبد النبی اور غلام رسول عبد اللول و غیر ہم اسم علم ہیں جن میں جھگڑے والی بات نہیں کیونکہ اسم علم سے مراد ہرے ایک نام جو کسی ذات کا تشخص و تعین کر دے وہاں نہ ترکیبی معنی مراد ہوتا ہے نہ تضاد ہوگا۔

حیرت ہے ان لوگوں پر جو محض شرک کے وہم سے ایسے بابرکت نام رکھنے سے شدت سے انکار کرتے ہیں جبکہ وہم پر حکم شرعی مرتب نہیں ہوا کرتا۔

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ آپ واصل بحق ہیں اس لیے عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اسْتَوْفُوا عَلَي الْاَنْفُسِهِمْ۔ مرجع ضمیر متکلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اس کی تائید و تقویت میں مولانا اشرف علی صاحب نے فرمایا کہ قرینہ بھی اسی معنی کا ہے آگے فرمایا لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَتِي اللّٰهِ اگر مرجع اس کا اللہ ہوا تو فرمایا جاتا مِنْ رَحْمَتِي تاکہ مناسبت عبادی کی ہوتی۔ (شما تم امداد یہ کا ترجمہ نجاتِ مکیہ ص ۱۲۵)

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بندہ خود خواند احمد در رشاد
جُمہ عالم را بخوان قُلْ يَا عِبَادِ

(مترجم)



سوال ۲۔ درج بالا تحقیق میں عبد الرسول، عبد الولی، غلام رسول، غلام فرید وغیرہ نام رکھنے کا جواز مل گیا اَنَا وَصَدَقْنَا مگر یہ دوسرے نام مثلاً محمد بخش، فرید بخش، جیلانی بخش تو شرک قرار دیتے جاتیں کیونکہ ان ناموں میں ظاہر ہے کہ غیر اللہ کو بخش نہاد اور معطی یعنی بخشش دینے والا مانا پڑتا ہے جو کہ شرک ہے۔

جواب ۲۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ اسم علم سے ایک ذات مشخص معین کا تعین مراد ہوتا ہے وہاں ترکیبی معنی نادر لہذا نبی بخش احمد بخش نام رکھنے میں کیا اعتراض؟

۳۔ بصورت دیگر اگر ان اسماء میں ترکیبی معنی ہو اور عطا کی بات آجائے تب بھی شرک نادر کیونکہ انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام و رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دینے اور لینے میں اللہ جل جلالہ کی طرف سے اختیار دیا گیا ہے بحضرت آیات اعادیت اور ناطق و لائل سے یہ بات ثابت ہے مترجم (حضرت ملا محبت اللہ صاحب بہاری رحمہ اللہ تعالیٰ اصول فقہ کی کتاب مسلم الشیوخ کے خطبہ میں فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں رَبَّنَا اَلْاِحْتِیَاقُ حَقًّا کُلُّ مَجَازٍ وَ کُلُّ الْاَمْرِ حَقِیْقًا وَ کُلُّ مَجَازٍ اے ہمارے رب حقیقت تیرے لئے ہے اور تیرے سوا سب مجاز ہیں اور امریت و حاکمیت حقیقت تیرے لئے ہے اور تیرے سوا سب تیرے اجازت دینے ہوئے ہیں یعنی تو نے ہی انہیں حکومت و امریت عطا فرمائی ہے۔)

ارشاد باری تعالیٰ ہے قَالَ اِنَّمَا اَنۡزَلۡنَا سُوۡرَۃَ رَبِّکَ لِذٰہِبٍ اَکۡثَرِ غَلَامًا ذَکِیًّا (سورۃ مریم آیت ۱۹) میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک صاف ستھرا بیٹا بخشوں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بیٹا عطا کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ کتب کلام میں یہ مسئلہ واضح طور پر موجود ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے متبعین کرام کا مرتبہ و مقام، فرشتوں سے بڑھ کر ہے۔ جب جبرائیل دینے میں اجازت یاب ہیں تو سید دو عالم اور آپ کے مجربوں غلاموں کو دینے والے نہیں کیا ممانعت؟ جبکہ درج بالا اسماء مبارکہ میں کسی کی تعظیم و تحکیم اور عزت و عظمت شان بھی مقصود ہے۔

[خلاصہ عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک والملکوت ہے قادر و مختار مطلق ہے
 ملکیت حقیقتہً اسی کے لئے ہے اس نے اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں میں سے جسے
 چاہا ملک عطا فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ مَا لَكَ الْمَلِكِ تُعْطِي الْمَلِكَ مَنْ تَشَاءُ اپنے بندوں کو
 عاجز و مجبور نہیں بنایا۔ بلکہ ان میں وہ استعداد رکھی کہ وہ خود کی صفات کے آئینے اور
 مظاہر ہوئے کچھ قدرت کچھ اختیار کچھ تصرف عطا فرمایا۔ (مترجم)]
 تفسیر حسینی میں آیا ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام نے حضرت بی بی مریم علیہا السلام
 کو پریشان حال دیکھا تو فرمایا — میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے (اُس کے
 حکم سے) ایک پاک و صاف بیٹا بخش دوں۔ (انتھی تفسیر الحسینی)
 جب مریم کیلئے بیٹے کی بخشش سیدنا جبرائیل علیہ السلام سے قرآن مجید ثابت کر
 رہے۔ تو سید الاولین و الآخین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اطاعت شعار اولیاء کرام
 کی طرف سے بخشش و عطا میں کیا ضل و خلل واقع ہو سکتا ہے اور کہاں سے شرک ظہور پاب
 ہو جا سکتا ہے۔

بہر حال یہی چند آیات و احادیث اور اقوال مشائخ کافی ہیں۔

ہر کس کہ بقران و خبر زو نسر ہی !

آلت جوابش کہ جوابش ندہی !

اللّٰهُمَّ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ
 عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (آیۃ نم آمین)



مکتوب ۱۶

جناب عالی مظلّمہ گزارش بحضور یہ ہے کہ اس وقت کے بعض کم علم طالب علم کہتے ہیں کہ قبر کو چادر پہنانا، اس پر شامیانہ کھڑا کرنا، قبہ بنانا اور قبر پر طاؤس کے بیروں کے دستے ہلانا وغیرہ وغیرہ یہ سب کے سب ”شُرک فی العبادہ“ میں شمار ہر ہذا ممنوع ہیں۔

غریب نواز! وام اللہ فیوضکم العالیہ جس طرح اس مسئلہ میں راہِ ثواب ہو، جواب زیب رقم فرمائیے تاکہ اس پر عمل کیا جاسکے۔

زیادہ حد آداب۔



جواب ۱۶

برخوردار بعد از السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، واضح باد کہ ان طلبہ کا ان مسائل کو شرک فی العبادۃ میں شمار کرنا خطائے محض ہے کیونکہ شرک فی العبادۃ کے معنی یہ ہیں کہ ایسے کام جو اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت کی خاطر اپنی ذات کیلئے مخصوص کر لئے ہیں، انہیں اگر غیر اللہ کیلئے قرار دیا جائے تو شرک فی العبادۃ ہوتا ہے۔

انہیں حالت، امور خمسہ مسئلہ (چادر پوشی، شامیانہ، قبہ منانا، صفہ بنانا اور طاووسی پر) کو اللہ رب العالمین کی ذات کیلئے مخصوص قرار دینا نہایت جھوٹ ہے، ان معترضین سے پوچھنا چاہیے کہ کس مقام پر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درج بالا پانچوں اشیاء اپنے لئے مخصوص فرما کر انہیں دوسروں کیلئے شرک قرار دیا ہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ الْبُهْتَانِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔

جاننا چاہیے کہ "شرک" توحید کی ضد ہے تو لامحالہ اس کے معنی یہ ہونے کہ غیر خدا کو یا تو واجب الوجود اور اس کی صفاتوں کو ذاتی قدیم ازلی ابدی سمجھے یا معبود جلنے۔ شرح عقائد میں ہے۔ اِلٰہُ شُرَکَآءُ هُوَ اَشْرَکٌ الشِّرْکِیَّةُ فِی الدُّلُوْمِیَّتِ (۱) بمعنی واجب الوجود کَمَا لِلْمُبْعُوْثِ (۲) اَوْ بِمَعْنٰی اِسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَةِ کَمَا بِعِبَادَةِ الْاَصْنَامِ۔ شرک کا معنی دوسرے کو الوہیت میں شریک بنانا ہے جس کی دو صورتیں ہیں ایک ہے کہ دوسرے کو اللہ تعالیٰ کی طرح واجب الوجود اور قدیم ماننا جیسا کہ مجوسیوں کا عقیدہ ہے ایزدان اور ابرہمن، دوسرا یہ ہے کہ غیر خدا کو معبود اور عبادۃ کا حقدار ماننا جیسا کہ بت پرستوں کا عقیدہ ہے۔

برخوردار! احادیث صحیحہ میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے قبروں پر قبوں کا بنانا وغیرہ کی جہاں کہیں ممانعت ہے صرف اس صورت میں ہے کہ مال مائع کرنے کے سوا

اور کوئی فائدہ وہاں نہ ہوتا ہو۔ بلکہ صرف نام و ناموس اور مکرو فریب اور ناموس کی بناء پر قبروں پر قبے بنائے جائیں یا شامیانے اور پردے لٹکائے جائیں۔ اور اگر ان کاموں میں کوئی فائدہ ہو مثلاً کہ فاتحہ پڑھنے والوں کو وہاں ان کے مقبرہ کے اندر بیٹھ کر آرام ملے۔ قرآن کریم پڑھنے والے وہاں شامیانے کے نیچے بیٹھ کر باطمینان قلب اور سکون خاطر کے ساتھ تلاوت کر سکیں۔ ناواقف اور بے خبر لوگ، مقبرہ اور چادر و شامیانہ کو دیکھ کر یہ جان لیں کہ یہ ولی کا مزار ہے تاکہ اس سے تبرک حاصل کریں۔ زیارت کی رغبت حاصل ہو اور وہاں اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگیں کہ ان کی دُعا قبول ہو۔ تو یہ سب کام جائز نہیں کوئی ممانعت شریعت میں نہیں ہے۔ جبکہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

کتاب نافع میں ہے کہ سلف صالحین نے مشہور علمائے دین و مشائخ کرام کی قبروں پر قبہ بنا یا شامیانہ لگنا جائز قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کو آسکیں اور وہاں پہنچ کر

ملا علی القاری الملکی "ان یخصم القبور ان ینبی علیہ وان یقعد علیہ" (الحديث) کے تحت فرماتے ہیں قَدْ اَبَاحَ السَّلَفُ النَّبَاءَ عَلٰی قُبُورِ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ الْمَشْهُورِيْنَ لِیُزَوِّرَهُمُ النَّاسُ وَلِیَسْتَرْجِعُوا بِالْجُلُوسِ فِیْهَا۔ سلف صالحین نے بناء علی القبر کو مباح قرار دیا ہے جبکہ میت مشائخ علما اور سادات سے ہو تاکہ لوگ اطمینان سے زیارت کر سکیں اور آرام ملے۔ (مجمع البوار جلد تیسری صفحہ ۱۴ پر اسے مطرح آلی ہے۔ علامہ شامی نے احکام میں جامع الفوائد سے نقل کیا تفسیر روح البیان ہے "انما یعمرو مساجد اللہ" کے تحت اور علامہ عبد الغنی نابلسی مُصَنَّف کشف النور نے اسی طرح فرمایا ہے۔ نیز مطالب المؤمنین سے نقل کر کے صاحب کشف الغطاء نے لکھا ہے کہ "در مدینہ منورہ بنائے قبہ با بر قبور اصحاب در زمانہ پیش شدہ امت و ظاہر آست کہ یہ تجویز علمائے آنوقت باشد" مدینہ میں صحابہ کی قبروں پر قبوں کا بنا نا گزرے ہوئے زمانہ میں واقع ہوا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس وقت کے علماء کی اجازت سے ایسا ہوا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس پر قبہ لگبند

آرام کر سکیں۔ انتہی کلامہ۔ بعینہ اسی طرح ہدیتہ الرواح میں بھی ہے۔

سوال :- ایمان والوں کی قبروں پر قبہ بنانا۔ حدیث شریف کے خلاف ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هَبَّ أَوْبَاحُ وَقَطَرُ اللَّامُطَارِ عَلَى قَبْرِ الْمُؤْمِنِ كَفَّارَةٌ لِدُنُوبِهِ، أَوْ كَمَا قَالَ مُؤْمِنٌ كِي قَبْرِ يَهُوَاهِلْ كَا چِلْمَا اُور بَرَسَات كِي قَطَرَات اِس كِي كِنَاهِلْ كَا كَفَارَه يِي۔ اندر صورت قبوں كا بنا نا شاميانہ اُور چادريں و باد و باران سے مانع ہونے كى وجہ سے ممنوع ہوئے۔

جواب :- بشرط صحت حدیث درج بالا، ارشاد گرامی عام مؤمن گنہگار کیلئے ہے تاکہ مشائخ علماء سادات اور اصحاب و آل بیت اطہار کیلئے ہے۔ قرینہ وال ہے : كَفَّارَةٌ لِدُنُوبِہِہَا (گناہوں كا كفاره ہوتا ہے) اگر ہر خاص و عام قبر پر چادر شامیانہ قبہ و گنبد بنا کر تراہم اور ممنوع ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے گنبد خضریٰ كى تعمیر كى صورت نہ كى جاتى جبکہ اس وقت علمائے حق، حق کو بجزرت موجود تھے۔

سوال :- اگر کہا جائے کہ تسلیم ہے گنبد خضریٰ، سید الاولین و الآخین صلی اللہ علیہ وسلم كے وصال مبارك كے بعد تعمیر ہوا ہے اور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود بناء علی القبور كى كوئى بدایت نہیں فرمائی تھی اس كا جواب یہ ہے كہ یہ بات طے ہے كہ گنبد خضریٰ كى بنیاد مباركہ جناب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے رکھی تھی جس كى لمبائی مترہ ماٹھ تھی اور اس میں دروازہ نہیں رکھا گیا تھا۔ السیوری اور دوسرے نامور مؤرخین اور سیرت نویسوں

(نوٹ :- گذشتہ صفحہ كے فٹ نوٹ سے)

موجود ہے اور اس وقت كالم ہے جبکہ علمائے حق بجزرت موجود تھے۔

المختصر مقبول چادر وغیرہ بدعت حسنة ہیں اور بدعت حسنة جو مقشود شرع كے موافق ہوا سے سنت ہی كہتے ہیں۔ پس قبروں پر قبوں كا بنا نا پردوں كا لٹكانا۔ چادروں كا ٹالنا جائز ہے جب كہ مقشود یہ ہو كہ عوام كى نگاہوں میں صاحب مزار كى عظمت رہے ان كى شان میں كوئى تحقیر و گستاخی نہ ہو۔

(مترجم)

کی کتابوں میں یہ بات موجود ہے اور ہمارے لئے یہی سند کافی ہے۔

سوال :- اگر کہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دوسرے اصحاب کرام اور آل رسول کے ساتھ مل کر گنبد اس لئے بنایا تھا کہ کفار و منہود اور یہود و نصاریٰ کے غلط ارادے تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کی بے حرمتی ہو بسا اعلیٰ تمام اصحاب کرام نے حجرہ مبارکہ کے گرد و گرد نہایت مضبوطی اور تمام حفاظت کے ساتھ روضہ شریف تعمیر کر دیا اب تو کوئی خوف و ہراس نہیں رہا جس کی وجہ سے قبور پر قبے تعمیر کیا ضروری قرار دیا جائے۔ نتیجہ واضح ہے اِذَا فَاتَتْ الْعِلْمَاتُ الْمَعْلُولُ لِهَذَا قَبْرِ شَامِيَا وَغَيْرِهِ ضِيَاعَ مَالٍ هُنَّ اَوْرُكُجْ هُنَّس۔

جواب :- یہ ہے کہ کبھی کبھار ہنگامی حکم فائدہ مند ہونے کی صورت میں علت ختم ہو جانے کے بعد بھی اسے بحال رکھنا جائز ہے جس طرح ابتدائے اسلام میں بیگانہ نماز میں قرأت بالجہر ہوا کرتی تھی دن کی نماز ظہر و عصر میں کفار قریش یہود و منہود کی آمد و رفت بجزرت ہوتی تھی اور نمازیوں پر سنگ باری ان کا روز کا معمول بن گیا تھا۔ مگر رات کے وقت قریش و شیمان اسلام، اپنے اپنے گھروں کے اندر ہو کر رہ جاتے اور نمازیوں کو کچھ سکون مل جایا کرتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار قریش کے خوف سے ظہر و عصر میں قرأت بالجہر کے بجائے قرأت بالخفا کا حکم دے دیا مگر فجر و مغرب اور عشاء میں قریش کی آمد و رفت کچھ کم تھی تو قرأت بالجہر بحال رکھی گئی۔ بعدہ جب اسلام کی قوت غلبہ حاصل ہوا اور قریش کا خوف بتا رہا تو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم سابق بحال رکھا یہاں تک کہ عصر و ظہر میں اگر گھول کر بھی قرأت بالجہر پڑھ دی جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور اسے دوبارہ ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

اندرین حالت جب کفار اور اعدائے اسلام کا خوف و ہراس نہیں رہا تو قرأت خفیہ کیوں باقی رکھی جائے؟

جواب کا جواب ہوگا بعینہ وہی ہماری طرف سے جواب ہٹے اس سوال کا کہ جب یہود و یہود کا خوف و ہراس نہیں رہا تو قبہ و شامیہ قبور پر کیوں بنایا اور باقی رکھا جائے؟

جاننا چاہیے کہ مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا روضہ مبارک زیارت گاہ خلائق موجود ہے۔ حضرت عباس اور حضرت حسن بن علی امام زین العابدین امام باقر رضوان اللہ علیہم کے مزارات پر بڑا شاندار روضہ شریف بنایا گیا ہے۔ ایک روایت میں کہ گنبد خضریٰ کے ایک کونے میں سیدہ فاطمہ الزہریٰ کا قبہ بنا ہوا ہے۔ امام مالک کے مزار پر قبہ ہے نبی پاک کی اولاد مبارکہ ذکور و اناث سیدنا ابراہیم سیدہ رقیہ سیدہ ام کلثوم اور سیدہ زینب رضوان اللہ علیہن کے مزارات پر شاندار قبوں کی تعمیر موجود ہے۔ نبی بنی حلیہ سعدیہ کا روضہ ہے۔ حضرت فدیحہ کے مزار پر مکہ شریف میں قبہ ہے۔ ازواجِ مطہرات کے مزارات پر قبہ عظیم الشان بنایا گیا ہے۔

مکہ معظمہ کے قبرستان جنت المعلیٰ میں فدیحہ الکبریٰ کا قبہ موجود ہے۔ حضرت محمد بن ابوبکر الصدیق کا روضہ پاک ہے سیدنا ہاشم و عبد مناف اور سیدنا عبد المطلب کے مزارات اکٹھے ہیں اور ان پر روضہ جات بنائے گئے ہیں۔ اور ایک چار دیواری میں مزارات ہیں۔ مزارات میں حاجی شریف زندنی، حضرت ملا علی القاری رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور تمام دنیا میں مشائخِ علم مشہورین سادات کرام اولیاءِ عظام کے مزارات پر روضہ جات حد و شمار سے وافر مقدار میں موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ سب روضہ جات اس وقت کے علماء کی اجازت سے بنائے گئے ہوں گے جو حق گو اور حق جو تھے۔ اور اصول ہے کہ صحابہ کرام کو تابعین پر اور تابعین کو تبع تابعین پر فوقیت حاصل ہے۔ ان بھی لوگوں میں سے آج تک کسی ایک صاحبِ علم نے آج تک چادر شامیانہ گنبد قبہ کا انکار نہیں کیا کیونکہ ان میں زائرین بٹھ کر سکون کا سانس لیتے ہیں۔ قرآن پڑھنے والے ان مکانوں میں باطمینان و سکون تلاوت کرتے ہیں اور ناواقف راہ گیر لوگ ان قبہ جات کو دیکھ کر یہ جان لیتے ہیں کہ یہ ولی کا مزار ہے اور اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے وسائل سے دعا مانگتے ہیں تاکہ ان کی دعا قبول ہو۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کیا اچھا فرماتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ پر وہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکان زندہ
بے ادب نہانہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہما آفاق زد
ایکھان تعظیم مسجد میکنند
در جفاے اہل دل جد میکنند
آن مجاز است این حقیقت اے خزان
نیت سجد خبر دروں سروران
مسجد کو در درون اولیا است
سجدہ گاہ مجلہ است آنجا خداست

جب اللہ تعالیٰ کسی کے پر وہ دری چاہتا ہے تو اسے پاک دل اور صاف روح لوگوں کا دشمن بنا دیتا ہے۔ بے ادب، صرف اپنے آپ کو ذلیل نہیں کرتا بلکہ سارے جہان کو جلا کر رکھ دیتا ہے۔ احمق لوگ ظاہری مسجد کی تعظیم تو کرتے ہیں مگر اللہ والوں پر ظلم کرنا وتیرہ بنا لیتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ زمین پر بننے والی مسجد اللہ تعالیٰ کا مجازی گھر ہے اور اللہ والوں کا دل حقیقی گھر ہے

القصر اللہ والوں کے دل میں جو مسجد حقیقی ہے وہی سجدہ گاہ ہے کیونکہ وہاں اللہ پاک کا مقام ہے۔

ان دونوں مقدس مقامات جنت البقیع اور جنت المعلیٰ میں چادر پوشی روزِ اول سے آج تک جاری ہے۔ کعبہ پاک کا غلاف اور کعبہ رسول کا غلاف آج تک موجود ہے۔ باقی مقدس مقامات جیسا کہ مشہد مقدس بغداد شریف اور اجیر سرہند وغیرہ میں بھی رسم چادر پوشی برقرار ہے۔ قیمتی شامیانہ قناتیں اور روشنی کے لئے چراغاں جبکہ ان سب کا مقصد صرف زائرین کی راحت اور قرآن و حدیث پڑھنے والوں کو سکون و اطمینان پہنچانا ہو، سلف و خلف کا مقبول ترین معمول چلا آ رہا ہے۔

تعجب ہے مولانا غلام کبریا پر جو کہ اہل سنت و جماعت میں سے اور صاحب علم و فضل ہیں اور پیرانِ عظام سے واسطہ ہونے کے باوجود، اپنی کتاب ارشاد الغاویں میں تبرک سے فرار کر کے کراہت کی طرف چلے گئے اور لکھ دیا کہ درج بالا امور خمسہ (چادر شامیانہ وغیرہ) شرک نہیں صرف مکروہ ہیں۔

جو اباً عرض ہئے کہ مولانا غلام کبریا صاحب یا تو سلف عمالین اور پیرانِ عظام کا کتابوں کا مطالعہ نہ کر پائے ہیں یا امور مندرجہ کو مختلف فیہ ہونے کے ناطے مکروہ کہہ گئے ہیں۔
 وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ اِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَالُ۔

فائدہ :-

اس باب میں چند اعتراضات دیکھے گئے اگرچہ انہیں اس مبارک کتاب میں نقل کرنا مناسب نہیں تھا مگر طالبِ صادق کے وہم و گمان کو دفع کرنے کے لئے، وہ سوالات نقل کئے گئے ہیں۔ اور ان کے جوابات بمطابق قرآن حدیث اور بموجب اقوال بزرگانِ میان کر دیئے جاتے ہیں تاکہ راہِ ہدایت کے طلب گار گمراہی سے بچ جائیں اور صراطِ مستقیم پر ان کا ہر قدم محکم و مستحکم رہے۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ وَهُوَ خَيْرُ رَافِقٍ۔

اعتراض :-

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء و مشائخ کرام کے مزارات پر مجاوری کرنا شرک ہے۔
 جواب :-

مدینہ منورہ کی حسن مجاورت، احادیث صحیحہ اور آثارِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صبر علی بلاد المدینۃ وشدتہا کنت لہ شہیداً وشفیعاً یوم القیامۃ، رواہ مسلم۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت رسولِ پاک نے فرمایا: جس کیسے سے مدینہ منورہ کی شدت اور اس کی تکلیف پر صبر کیا۔ قیامت کے دن میں اس کا گواہ اور سفارشی ہونگا۔

دوسری حدیث میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ قال رسول اللہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اسْتِطَاعَ اَنْ يَمُوْتَ فِي الْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا فَاِنِّي اَشْفَعُ
لِمَنْ يَمُوْتُ فِيْهَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ - نبی پاک نے فرمایا جسے مدینہ طیبہ میں مرنے
کی استطاعت ہو وہ ضرور مدینہ پاک میں مرے کہ میں ایسے لوگوں کی سفارش کروں گا
جو مدینہ میں مرے گا ترمذی اور احمد نے روایت کیا۔

ان دونوں احادیث مبارکہ سے مدینہ طیبہ کی حسن مجاورت واضح طور پر ثابت ہے۔
ویسے بھی مجاور بننا جائز ہے مترجم (مجاور اس کو کہتے ہیں جو قبر کا انتظام رکھے۔ تلم لے کھولنے
اور بند کرنے کی چابی اپنے پاس رکھے۔ یہ مجاوری صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ سیدہ عائشہؓ
مسلمانوں کی ماں ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر النور کی منتظر اور چابی بردار تھیں جب
صحابہ کرام کو زیارت کرنا ہوتی تو سیدہ عائشہؓ سے ہی دروازہ کھلوا کر زیارت کرتے تھے۔
(مشکوٰۃ شریف باب الدفن) آج تک روضۃ الرسول پر مجاور رہتے ہیں کبھی نے ان کو
مشرک اور ناجائز نہیں کہا ہے۔

اعتراض :-

کہا جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے مزارات سے ملحقہ عمارات
مکانات اور اردگرد کے جنگل بوٹے وغیرہ کا بطور تبرک اوب کرنا محض باطل ہے اور اس
جنگل وغیرہ سے شاعیں کلنے کو ممنوع قرار دینا بھی مشرک ہے۔
غریب نواز جن بات جیسے ہو بیان فرمائیے اور اللہ تعالیٰ سے اجر پائیے۔

جواب :-

انبیاء اور اولیائے صالحین کے مقامات کا اوب کرنا جائز بلکہ سنت ہے مشائخ عظام
کے آستان عالیہ متبرک مقامات ہیں وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور ان مقامات کی زیارت
کرنا اور ان کو متبرک سمجھنا جائز مستحب اور مستحسن ہے کیونکہ یہی وہ مبارک ہستیاں ہیں جن کو
شان میں کثرت سے احادیث وارد ہیں۔ مثلاً الشَّيْخُ فِي قَوْمِهَا كَالنَّبِيِّ فِي اُمَّتِهَا
قوم میں شیخ وقت کام تہ اس طرح ہے جس طرح اُمت میں نبی کا۔ (جامع صغیر سیوطی ص ۴۳)
اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ (رواہ البوداؤد، مشکوٰۃ شریف جزء ۱ جامع صغیر ص ۶۹)

علمائے حق، انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا وَنِظِيرُهُ فِي اُمَّتِي
 رواہ (جامع صغیر ۲ ص ۶۹) ہرنجی کی نظیر میری اُمت میں پائی جاتی ہے۔
 عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةُ حَرَامٌ
 مَا بَيْنَ عَيْرِ الْيَمَنِ ثَوْرٍ مِنْ اَحَدٍ فِيهِ حَدَثٌ اَوْ اَوْى مُحَدَّثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَ
 الْمَلَكُوتِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِينَ لَا يَقْبَلُ مِنْهُ صَوْفٌ دَلَّ اَعْدَلٌ مَتَّفِقٌ عَلَيْهِ مَشْكُوتٌ شَرِيفٌ
 بَابُ حَرَمِ الْمَدِينَةِ حَرَّمَهَا اللهُ تَعَالَى الْفَصْلُ الْاَوَّلُ ص ۲۳۸۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ مدینہ طیبہ میرے لئے مکہ
 اور تک حرم ہے جس شخص نے ان حدود معینہ میں کوئی خلاف شرع کام کیا یعنی بدعت
 سیہ اختیار کی یا اس شہر میں کسی مجرم کو پناہ دی اُس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت
 ہے نہ اس سے فراتر قبول ہوں گے اور نہ نوافل۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَتَهُ
 فَجَعَلَهَا حَرَامًا وَاِنَّ حَرَمْتُ الْمَدِيْنَةَ حَرَامًا مَا بَيْنَ مَا زَمِيْلَهَا اِنَّ لَا يَحْرَقُ فِيهَا دَمٌ
 وَلَا يُجْمَلُ فِيهَا سِلَاحُ الْقِتَالِ وَلَا تُخْتَبَطُ فِيهَا شَجَرَةٌ اِلَّا الْعَلْفُ (رواه مسلم مشکوٰۃ شریف
 باب حرم المدینۃ فصل اول۔)

حضرت ابوسعید کی روایت ہے نبی پاکؐ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم
 بنایا اور میں نے مدینہ طیبہ کو اس کے دونوں اطراف میں حرم بنا دیا ہے نہ اس میں خون
 بہایا جائے نہ ہتھیار اٹھائے جائیں اور نہ کوئی درخت کاٹنا چاہیے سوائے گھاس کے۔
 [اکثر اہل محبت کی عادت ہے کہ اپنے بزرگوں کی چیزیں برکت یا یادگار کیلئے
 نہایت اہتمام اور ذوق و شوق سے رکھتے ہیں۔ مقصد صرف برکت حاصل کرنا ہے آج بھی
 بعض صالحین اولیاء عظام اور پہلے زمانہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جہاں حضور
 علیہ السلام نے چھ ماہ عبادت فرمائی تھی، نماز پڑھتے ہیں۔ لہذا جمہوری اور جمالی دونوں
 بزرگوں کی عبادت گاہوں میں نمازیں ادا کرنا ان کی زیارت کرنا اور انہیں متبرکات مجتہد سنت
 صحابہ سے امت ہے۔ عَنْ صَالِحِ بْنِ دَرَّهَمٍ يَقُولُ انْطَلَقْنَا حَا جِيْنَ فَاذْا رَجَلٌ نَقَالَ

إِلَىٰ جَنبِكُمْ قَرِيبًا يُقَالُ لَهَا الْإِدِّيَّةُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ مَنْ يَضَعُ لِي مِنْكُمْ أَنْتَ
يُصَلِّي فِي مَسْجِدِ الْعِشَاءِ كَعَتَيْنِ أَوْ أَرْبَعًا يَقُولُ هَذَا لِأَبِي هُرَيْرَةَ.....
رواه البراد، مشكوة شریف ص (

صلح بن دریم سے روایت ہے کہ ہم حج کرنے چلے ایک مزد میں مبتلا اور کہا کہ
تہارے قرب میں کوئی بستی ہے جس کا نام امیر ہے ہم نے کہا جی ہاں۔ کہا کہ تم میں سے
کون ذمہ داری قبول کر لے کہ وہ میری طرف سے مسجد عشاء میں دو رکعت یا چار رکعت
ناز پڑھے اور کہلانے کہ یہ ابو ہریرہ کیلئے ہے..... الخ

اس حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں ایک یہ کہ جس طرح عبادت مالہ کا ثواب
پہنچانے۔ اسی طرح عبادت بذیہ کا بھی پہنچانے۔ دوسرے یہ کہ جس طرح میت کو
ثواب مل جاتا ہے اسی طرح زندہ کو بھی پہنچانے۔ کیونکہ یہ شخص ابو ہریرہ تھے اور اس وقت
زندہ تھے۔

اور اس حدیث مبارکہ سے اگلے فاضلہ میں عبادت کا اہتمام بھی ثابت ہوا ہے۔
اہل محبت اپنے مشائخ کے رہنے یا ان کی عبادت کی جگہوں کو متبرک سمجھ کر قعدا و ملان ذکر و
طاہرت کا اہتمام کرتے ہیں ان مقامات کا متبرک ہونا تو ظاہر ہے اور مقام متبرک میں
عبادت کا اہتمام بھی اس حدیث سے ثابت ہے۔ (ترجمہ) [

سوال - زیارت قبور کیلئے دور دور سے سفر کر کے آیا شریعت مقدمہ میں شرک
کا حکم رکھتا ہے؟

جواب - اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کی مزارات کی زیارت
کیلئے سفر کرنا شرک نہیں بلکہ افضل و احسن کام ہے۔ احادیث مقدمہ اور فقہ کی کتب سے
ایسا سفر کرنا ثابت ہے۔ فتح القدیر میں آلی ہے۔ قَالَ مَشَاؤُنَا زِيَارَةَ الْقُبُورِ مِنْ أَفْضَلِ
الْمَشْهُورَاتِ مَشَاخِ عِنَّاكَ زَفَرًا يَأْكُلُ مَسْجِدَاتٍ فِي بَدْرٍ أَوْ فِي مَسْجِدِ كَامٍ، زِيَارَةُ قُبُورِ
بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ أَفْضَلِ الْمَشْهُورَاتِ فِي الْبَدْرِ. أَنَّهُ قَرِيبٌ مِنَ الْوَجِبِ لِمَنْ لَهَا وَسَعَةً، جَو
شخص صاحب وسعت ہو اس کے لئے قبور کی زیارت مستحب ہے اور واجب کے

قریب قریب ہے۔

حدیث دارقطنی اور بنی زرار نے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث روایت کی ہے
 مَنْ جَاءَنِي زَائِرًا لَا تَحْتَمِلُهُ إِلَّا زِيَارَتِي كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 جو شخص خالص میری زیارت کو آئے اور اُسے سولے اس کام کے اور کوئی ضرورت نہ ہو
 تو مجھ پر حق ہے کہ میں قیامت کے روز اس کی سفارش کروں۔

وَإِخْرَاجِ الدُّرُقَطْنِيِّ مِنْ حَيْجِ وَزَارِ قُبُورِي كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي دَارُقَطْنِي نِي
 اخراج کیا کہ نبی پاک فرماتے ہیں جو شخص حج کرے اور میری قبر النور کی زیارت کرے تو وہ
 شخص ایسے ہے جیسا کہ اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ہو۔ اس مسئلہ میں اولین کلام
 رضوان اللہ علیہم بھی انبیاء علیہم السلام کے حکم میں ہیں۔ حدیث میں آئی ہے "الشيخ في قومه كما أتيت في أمته"
 اپنی قوم میں شیخ وقت ایسے ہے جیسا کہ نبی اپنی امت میں ہو۔ لہذا ان کی مزارات کیلئے دودرانہ
 سفر کر کے آسعادت دارین ہے۔

[جاننا چاہیے کہ سفر کا حکم اس کے مقصد کے تابع ہوتا ہے یعنی حرام کام کیلئے سفر کرنا حرام اور
 جائز کام کیلئے جائز اور سنت کام کیلئے سنت فرض کام کیلئے فرض ہے مثلاً حج فرض کیلئے سفر بھی
 فرض جہاد و تجارت کیلئے سفر سنت۔ روضۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیلئے سفر کرنا واجب
 ہے چونکہ یہ زیارت قریب واجب ہے۔ دوستوں سے ملاقات شادق بیاہ اطبائے سے علاج وغیرہ
 کیلئے سفر کرنا جائز ہے کیونکہ یہ سب امور جائز ہیں جو رقی تالیقی کیلئے سفر حرام ہے۔ غرضیکہ سفر کا
 حکم معلوم کرنا ہوتا ہے اس کا مقصد دیکھو اور عرس خاص زیارت قبر کا نام ہے اور زیارت قبر تو سنت
 ہے لہذا اس کے لئے سفر بھی سنت ہی میں شمار ہوگا۔ (مترجم)]
 اعتراض۔

مسئلۃ شریف باب المسابغ میں ہے۔ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
 وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِي هَذَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ ابو سعید خدری کی روایت ہے۔
 نبی پاک نے فرمایا کہ تین مسجدوں کے سوا اور کسی طرف کچاوسے نہ ہاندھے جائیں یعنی سفر نہ کیا

جاٹے (وہ تین مساجد یہ ہیں) ایک مسجد حرام دوسری مسجد اقصیٰ اور تیسری میری اپنی یہ مسجد۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان تین مسجدوں کے سوا اور کسی طرف سفر کرنا ناجائز ہے جیسا کہ زیارت قبور اور مشاہد مبارکہ۔

جواب۔

اس حدیث مبارکہ کا مقصد و مفہوم صحیح طور پر سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل دلائل پر غور و فکر کرنا لازمی ہے:

تمام مساجد (جو کہ عبادت گاہ ہیں) مراتب میں مساوی ہوتی ہیں درجات میں غیر متفاوت ہیں۔ اہل اسلام کے شہروں میں سے کوئی بھی شہر مسجد سے خالی نہیں لہذا ایک مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد کی طرف یہ سوچ کر سفر کرنا کہ وہاں ثواب زیادہ ملتا ہے۔ لغو ہے اور ضائع مگر سید الناس والاہم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”اِلَّا اِلَى ثَلَاثَةٍ مَسَاجِدَ“ فرما کر تین مسجدوں کو مستثنیٰ قرار دے دیا کہ ان تین مسجدوں میں نماز کا ثواب زیادہ سے زیادہ ملتا ہے۔ لہذا ان تین مساجد میں زیادتی ثواب کی نیت کر کے دور دراز سے سفر کر کے آنا چونکہ فائدہ مند ہے۔ لہذا جائز ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ نفعی حکم ہے کہ تم مساجد کی زیارت با نیت زیادتی ثواب کے صرف ان تین مساجد کی طرف سفر کرو۔ ان تین مساجد کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف سفر نہ کیا کرو۔ کوئی فائدہ نہیں باقی سب مساجد رتبہ اور مرتبہ میں برابر ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ..... اس حدیث میں مستثنیٰ مفرغ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ دونوں ہم جنس ہیں۔ اندر میں ضرورت حدیث دراصل یوں ہوگی کہ لَا تَشْدُ الرِّجَالَ اِلَى مَسْجِدٍ اِلَّا اِلَى ثَلَاثَةٍ مَسَاجِدَ یعنی تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے۔ البتہ مسجد کے علاوہ اور مقامات و مشاہد مبارکہ یعنی قبور النور تو وہ اس کلام کے مفہوم میں شامل ہی نہیں کیونکہ انبیاء و اولیاء کی زیارات برابر برابر نہیں ان کے برکات متفاوت بقدر درجات ہیں۔ لہذا ان کی زیارت کیلئے دور دراز سے سفر کرنے کو جائز قرار نہ دینا بہت بُری فہم ہے جس سے اللہ تعالیٰ پناہ دے۔ آمین۔

[حدیث شد الرجال بایہ مطلب کبھی نہیں لیا گیا کہ ان مساجد ثلاثہ کے علاوہ اور کسی

طرف بھی حصولِ ثواب کی خاطر ممنوع ہے۔ ہمیشہ ہی معنی لئے جاتے رہے کہ ان مقدس مساجد میں عبادت کا ثواب علی المرتب زیادہ ملتا ہے۔ اور دنیا کی باقی مساجد ثواب میں برابر ہیں کسی کو بھی پر فضیلت نہیں چنانچہ اس مفہوم کی تائید مسند امام احمد کی روایت ہے۔

لَا يُبَغِي لِلْمُصَلِّي أَنْ يَشُدَّ الرَّحَالَ إِلَى مَسْجِدٍ يُبْتَغَى فِيهِ الصَّلَاةُ
غَيْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِي -

(فتح الباری عینی)

جناب ملا علی قاری مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ مرقات شرح مشکوٰۃ شریف اسی حدیث کے تحت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب احیاء علوم الدین سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَفِي إِحْيَاءِ الْعُلُومِ ذَهَبَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ إِلَى الْأَسْتِدْلَالِ عَلَى
النَّبْعِ مِنَ الرَّحْلَةِ، لِزِيَارَةِ الْمَشَاهِدِ وَقُبُورِ الْعُلَمَاءِ وَالصَّالِحِينَ.
فَمَاتَبَيْنَ لِي أَنَّ الْأَمْرَ يُسَى كَذَاكَ بِلِ الزِّيَارَةِ مَا مَوْرًا بِهَا
بِخَبْرِكُنْتِ نَهَيْتِكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ الْأَفْرُورُ هَا أَنَّمَا
دَرَدَ النَّهْيُ عَنِ الشَّدِّ لِغَيْرِ الثَّلَاثَةِ مِنَ الْمَسْجِدِ لِمَا تَلَهَا
أَمَّا الْمَشَاهِدُ فَلَا تُسَاوَى بِلِ بَرَكَاتِهِ زِيَارَتِهَا عَلَى قَدْرِ دَرَجَاتِ
تِهِمْ عِنْدَ اللَّهِ، ثُمَّ لَيْتَ شَعْرِي هَلْ نَمِيعُ ذَاكَ الْقَابِلُ
عَنِ شَدِّ الرَّحَالِ إِلَى قُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ فِي مَعْنَاهُمْ
فَلَا يَبْعُدُ أَنْ يَكُونَ ذَاكَ مِنْ أَعْرَاضِ الرَّحْلَةِ كَمَا أَنَّ
زِيَارَةَ الْعُلَمَاءِ فِي الْحَيَاةِ مِنَ الْمَقَاصِدِ

انتھی کلام المرقات۔

احیاء العلوم غزالی میں آیات کے بعض علماء متبرک مقامات اور علماء و صالحین کی قبور النور کی

زیارت کیلئے سفر کرنے کو منع کرتے ہیں۔

لیکن جو مجھ کو تحقیق ہوئی وہ یہ ہے کہ حکم ایسا نہیں بلکہ زیارت قبور کا حکم تو نبی پاکؐ نے دیاب سے اس حدیث کی وجہ سے کہ میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا خبردار قبروں کی زیارت کیا کریں۔

ان میں مساجد کے علاوہ باقی مسجدوں کی طرف سفر کرنے سے اس لئے منع فرمایا ہے کہ مرتبہ اور درجہ میں باقی سب مساجد برابر ہیں لیکن مقامات متبرکہ اور مشاہد مقدسہ برابر نہیں بلکہ ان کی برکات بقدر درجات عند اللہ متفاوت ہیں۔ کیا یہ مشاہد و مقامات کی زیارت سے منع کرنے والا انبیاء علیہم السلام کی مقدس قبور کی زیارت سے منع کرے گا جبکہ اس سے منع کرنا سخت مشکل اور دشوار ہے۔ رہے اولیاء کرام تو وہ بھی انبیاء علیہم السلام کے حکم میں ہیں پس کیا بعید ہے کہ ان کی طرف سفر کرنے کے زیارت کرنے میں خاص غرض ہو جیسا کہ علماء کرام کی زندگی میں ان کی زیارت کرنا ہوتا ہے۔

المختصر جب دینی اور دنیاوی کاموں کیلئے سفر کیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی طے ہے کہ زیارت قبور صالحین ایک دینی کام ہے۔ اگر اس کے لئے سفر کیا جائے تو کیوں حرام ہو؟ (ترجمہ)

اعتراض کیا جاتا ہے کہ غیر خدا (خواہ نبی ہو یا ولی) کی نذر و نیاز ناجائز ہے اور غیر خدا سے مدد مانگنا اور اعانت پانہما بھی شرک ہے لہذا نذر و نیاز اور استعانت سے اجتناب کیا جائے۔

جواب۔

انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنا یا ان کو حاجت روا جاننا نہ شرک ہے اور نہ خدا کی بغاوت بلکہ عین قانون اسدق اور منشاء الہی کے بالکل مطابق موافق ہے اور ہم اس مسئلہ (استمداد و استعانت) کی تشریح و توضیح پہلے ہی سولہویں مکتوب میں واضح طور پر کر چکے ہیں۔

اولیاء کرام کے نام کی نذر ماننا، شریعت پاک میں، اس کے حوازی بہت وجہ پائی جاتی ہیں چنانچہ علامہ و جیسہ الدین گجراتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اعلم ان فذوات الاولیاء ہل ہی

وَاجِبَةٌ أَمْ لَا؟ فَالْجَوَابُ لَا، بَلْ إِنَّهُ مِنْ آدَابِ الْمُؤَيَّدِينَ يُقْسَمُ لِأَوْلَادِهِمْ سَوِيًّا
ذَكَرًا كَانَ أَوْ أُنْثَىٰ وَلَهُ يُقْسَمُ عَلَىٰ طَرِيقِ الْفَرَاغِ وَقَسِمُ عَلَىٰ طَرِيقِ الْفَرَاغِ
انتهی کلام۔

جاننا چاہیے کہ نذر اولیاء اللہ کی حقیقت کیلئے؟ واجب ہیں یا نہیں؟ جواب دیا
گیا کہ واجب نہیں بلکہ مریدوں کے آداب میں سے ہے۔ اور مصرف اس نذر کا (نذر کنندگان
کے نزدیک) ان اولیاء اللہ کی اولاد (رشتہ دار اور خدام اور برادرانِ طریقت اور ان جیسے
لوگ ہیں) مذکور منٹ برابر ہیں اور یہ نذر برابر برابر تقسیم ہوا کرتی ہے نذر الخیر کے علم کے طور پر
ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ نذر علم فرانس کے اصولوں کے مطابق اولاد میں تقسیم ہوا کرتی ہے۔

وَاللَّهُ اعْلَمُ بِالصَّوَابِ

جاننا چاہیے کہ "لفظ نذر" مشترک ہے نذر شرعی اور نذر عرفی میں نذر شرعی وہ ہے جسے
جس میں غیر واجب چیز کو از روئے تقرب الی اللہ اپنے اوپر واجب کر لیا جائے۔ ایسی نذر عبادت
ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے۔ جو نذر اولیاء اللہ کیلئے از روئے تقرب ہو بعض لوگ اسے
ممنوع قرار دیتے ہیں اور کچھ لوگ اولیاء اللہ کیلئے مانی ہوئی نذر کو نذر خداوندی سمجھتے ہیں۔
کیونکہ اولیاء اللہ فنا ذات پاک میں فانی اور بقائے ذات اوشانہ کے ساتھ باقی ہیں یعنی
فانی اللہ اور بقا باللہ کا مقام حاصل کر چکے ہیں تو اس معنی میں اولیاء اللہ کیلئے نذر
بائنہ ہے اگرچہ از روئے تقرب ہو۔

نذر عرفی وہ ہے جو بطور ہدیہ و تحفہ ہو اور ایصالِ ثواب کیلئے ہو جو آجکل عرف عام میں
بزرگوں کے فاتحہ کو نذر دنیا کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اس لئے کہ عرف یہ ہے کہ
بزرگوں کی خدمت میں جو پیش کیا جاتا ہے اسے نذر دنیا کہتے ہیں جس کی تین صورتیں ہیں
اول۔ اے اللہ اگر میری یہ مشکل حل کر دی جائے تو میں حسبِ توفیق اللہ تعالیٰ کے نام
کا بکرا دوں گا۔ اور ثواب اس کا ولی اللہ کو بخشوں گا۔ پھر بعد حصول حاجت بکرا لے کر ولی اللہ
کی قبر کے نزدیک ذبح کر کے خدام و مسافرن کو کھلا دے۔

دوسرے۔ اے اللہ تعالیٰ کے محبوب ولی، بارگاہِ خداوندی میں میری مشکل حل ہو جانے کی

دعا فرمائیے بصورتِ حل مشکلات میں تمہارے نام کا بجزا، اللہ تعالیٰ کیلئے خیرات کروں گا اور تیرے فقر میں تقسیم کروں گا۔

سوم۔ یہ کہ ولی اللہ کو بارگاہِ بیہ نیاز میں وسیلہ اور سفارشی بنایا جائے یا بصورتِ کہ یا اللہ اس بزرگ صلح کی رُوح پر فتوح کی برکت کے صدقہ اور اپنی بے غایت عنایت و مہربانی کے طفیل میری یہ مشکل آسان فرما دے میں حسبِ توفیق بجا نذر تیرے حضور پیش کروں گا اور اس ولی اللہ کی قبر کے قریب ذبح کر کے اس کا اجر و ثواب اس بزرگ صلح کی رُوح کو ایصالِ ثواب کروں گا جس سے تیری یا اللہ خوشنودی حاصل ہو۔

جمع فقہا اور محدثین ان قیوں صورتوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایفائے نذر واجب ہے اور ذبیحہ حلال ہے۔ کذا فی ارشاد الفاویز :

[وصال یافتہ اولیاء اللہ کی نذر۔ اگر اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کا ثواب ان کی رُوح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے۔ اور جو نذر یعنی تقرب ان کے نام پر ہو تو حرام ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۷) رسالہ نذوح میں شاہ رفیع الدین فرماتے ہیں لفظ نذر کہ ایجا مستعمل است نہ بمعنی شرعی است۔ چہ عرف آلت کہ آنچہ پیش بزرگان سے بزند نذرو نیاز گویند۔ اولیاء اللہ کے نام کی جو "نذر" مانی جاتی ہے وہ نذر شرعی نہیں بلکہ عرفی ہے۔ جس کے معنی ہیں نذرانہ جو آجکل عرف عام میں مستعمل ہے۔ مولوی صاحبان پیر استاد طبیب ڈاکٹر اور وکیل کیلئے مستعمل ہوتا ہے۔ نذر نیاز نذرانہ۔ یہ عبادت نہیں ہے۔ موقع استعمال کو دیکھ کر اس کے معنی کا تعین ہو جائے جسے جیسے لفظ صلوة نماز کے لئے بھی ہے جو عبادت ہے اور دُرد کیلئے بھی جو بارگاہِ رسالت میں ہدیہ تحفہ اور نذرانہ ہے۔ موقع استعمال سے نماز اور دُرد کے معنی کا تعین ہو جائے۔ اسی طرح نذر کا بھی موقع استعمال سے ایصالِ ثواب ہدیہ تحفہ کا عبادت و تقرب کا تعین ہو جائے۔ اس لئے کہ کوئی مسلمان نذر برائے عبادت نہیں کرتا بلکہ صرف ایصالِ ثواب مقصود ہوتا ہے۔ (مترجم)]

اعتراض۔

عرب کے مشرکین، حصولِ مطلب کیلئے، بتوں کو وسیلہ سفارشی بنا کر دُعا طلب کیا

کرتے تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ خود خبر دیتا ہے۔ (قرآن مجید سورہ زمر آیت نمبر ۲۳) وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهَا أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهَا يَخْتَلِفُونَ۔ اور وہ جنہوں نے اس کے سوا اور والی بنائے (کہتے ہیں) ہم تو صرف اتنی بات کیلئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کر دیں گے۔ اللہ ان میں فیصلہ کر دے گا اس بات کا جس میں اختلاف کر رہے ہیں۔

مسلمان قوم انبیاء اولیاء کو وسیلہ بنانے اور شرک بت پرستی، بتوں کو وسیلہ بنانے۔ دونوں برابر ہیں کوئی فرق نہیں مشرکین عرب ہم معطل مطلبہ اور قادر بر حق اللہ تعالیٰ کو سمجھتے تھے اور بتوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ اور سفلی سمجھتے تھے اسی طرح بعینہ مسلمان بھی مطالب کے حصول میں بزرگ ہستیوں کو وسیلہ و ذریعہ قرار دیتے ہیں انہیں حالت ان کے اور مشرکین عرب کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اسی آیت سے اسی طرح مشرکین کے حق میں وارد ہوئی اسی طرح بدعتی ٹولہ کیلئے بھی وارد ہے

الجواب :-

یہ مسئلہ بھی معرکہ الارابہ سے اس لئے اس پر بھی کچھ تحقیق ہوگی۔ ہم اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ برحق معبود ہے اور معطلی مطلق اس کی ذات ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام صرف اور صرف وسیلہ و شفیع ہیں۔ ان کی عبادت نہیں کی جاتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (پارہ ۶ رکوع) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں کوشش کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

واقعہ یہ ہے کہ مشرکین، اپنے بتوں کی پوجا اور عبادت کرتے تھے ساتھ ہی ان کو وسیلہ و سفارشی بھی سمجھتے تھے۔ لہذا ان کم بختوں نے سرتابی کی اور خدا کے باغی اور مشرک ٹھہرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهَا أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ اور وہ جنہوں نے اس (اللہ کے سوا دوسرے والی بنائے) کہتے ہیں،

ہم تو انہیں صرف اتنی سی بات کیلئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کر دیں گے۔ مشرکین نے اپنے بتوں کو اللہ یعنی ان کے معبود حقیقی ہونے کا اعتقاد کیا اسی لئے وہ مشرک قرار پا گئے اگر وہ ان بتوں کو معبود نہ ٹھہراتے صرف وسیلہ سمجھتے تو ہرگز مشرک قرار نہ دیتے جاتے۔ اور آیت مندرجہ کی تحقیق یہ ہے کہ کلمہ "لِيُقَرَّبُوا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى" کا تعلق "مَانَعِدْهُمْ" سے ہے "اتخذوا من دونها اولياء" سے نہیں ہے۔

درحقیقت ہوا یہ ہے کہ بعض معنی الفین نے "لِيُقَرَّبُوا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى" کا تعلق "اتخذوا من دونها" سے جوڑ دیا اور "مَانَعِدْهُمْ" کو درمیان سے ہٹا دیا اور اہل سنت و جماعت پر بہتان باندھ لیا جبکہ قرآنی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ مشرکین عرب توحید کے انکاری تھے انہیں اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے میں اعتقاد ہی نہیں تھا وہ کہتے تھے اجعل الالهة الواحدة كما محمد نے سب معبودوں کو ایک معبود بنا لیا وہ تمام کفار "الہم الواحد" سن کر حیران رہ گئے۔ اس حیرانگی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ توحید کے انکاری تھے۔ بالفرض اگر مشرکین، اپنے بتوں کو معبود حقیقی نہ سمجھتے تھے تو پھر کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سے انکار اور قرآنی آیات درج بالا سے حیرانگی، چہ معنی دارو؟

تفسیر عزیزی میں ہے کہ ابن جریر اور ابن المنذر، ابن ابی الصلاح اور ابوالشیخ نے روایت کیا ہے کہ جب "إِلَهُكُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ" آیت پاک، نازل ہوئی تو مکہ معظمہ کے کفار نے سنا اور حیران رہ گئے اور کہنے لگے كَيْفَ يَسْعُ لِلنَّاسِ إِلَهُ وَاحِدٌ وَأَنْ مُحَمَّدًا لَيَقُولَ "إِلَهُكُمْ وَاحِدٌ" فَلَيَأْتِنَا بِآيَاتٍ إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ۔ سب لوگوں کیلئے ایک خدا کیسے پورا ہوگا؟ جبکہ محمد کہتا ہے کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے، اگر وہ سچا ہے تو ہمیں دلیل سے سمجھاوے۔

[قرآن مجید کے مطالعہ اور احادیث مبارکہ میں غور سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین میں دو چیزیں پائی جاتی تھیں (۱) بتوں کی عبادت کرنا (۲) ان کو شیخ اور وسیلہ بنانا اور سمجھنا اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں میں شرک کیا ہے معبود بنانا یا وسیلہ سمجھنا یا دونوں شرعی معیار کو پیش نظر

رکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ صرف معبود سمجھنا اور ان بتوں کی عبادت کرنا ہی شرک ہے۔ انہیں شفیع اور وسیلہ سمجھنا شرک نہیں۔ اس لئے کہ وسیلہ ہونا سفارشی ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں بلکہ یہ صفت صرف مخلوق کیلئے خاص ہے کیونکہ شفیع کیلئے مشفوع الیہ کا ہونا ضروری ہے۔ خدا کے سوا اور کوئی مشفوع الیہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر خدا کو شفیع سمجھا جائے گا تو خدا کے سوا کوئی اور مشفوع الیہ ڈھونڈنا ہوگا و ہذا باطل پس معلوم ہوا کہ کسی کو شفیع وسیلہ بنا کر شرک نہیں ہے اس لئے کہ شفیع ہونا خدا کی صفت نہیں۔

لیکن کسی کو شفیع بنانے میں بندہ آزاد نہیں رکھا گیا کہ اپنی مرضی سے جس کو چاہے شفیع بنائے۔ شفیع اس کو ہی سمجھ سکتے ہیں جس کو خدا نے شفیع بنایا ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی شفاعت قبول کرنے کا اذن دیا ہو جیسے فرمایا **مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ**۔ پس نبی ولی صلی اللہ علیہ وسلم نے شفیع بنایا ہے اور حضور پاک اور آپ کے صحابہ کرام کے عمل نے اس کی خبر دی ہے لہذا ان ماذون لوگوں کو شفیع سمجھنا حق ہے اور بتوں کو شفیع نہیں بنایا گیا ان کو وسیلہ اور شفیع بنا باطل ہے۔

چونکہ کفار نے اپنی مرضی سے بتوں کو شفیع سمجھ لیا اس لئے ان کی مذمت کی گئی اور صحابہ کرام نے حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شفیع سمجھا ان کی مذمت نہ خدا نے کی نہ رسول نے بلکہ رسول کریم نے صاف فرمایا **أَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ سَبَّ سَبَّ سَفَارِشِي فِي يَوْمِي هُمْ شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكِبَابِ**۔ **مَنْ أُمَّتِي فِي يَوْمِي أُمَّتِي** کے بڑے بڑوں گنہگاروں کی سفارش کرے گا۔

اب آیت پاک **مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ** کا مطلب سمجھ لیجئے کہ شرک بتوں کی عبادت ہے اور انہی بتوں کو وسیلہ واسطہ سفارشی اور قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھنا باطل محض ہے۔ مشرکین کو کیا حق ہے کہ خدا کی خدائی میں رہ کر جس کو چاہیں وسیلہ واسطہ بنالیں۔ وسیلہ سفارشی وہی ہو سکتا ہے جس کو خدا نے شفیع بننے کی اجازت دی۔ خدا نے بتوں کو وسیلہ نہیں بنایا ہے لہذا ان کو وسیلہ سمجھنا خیال خام اور باطل تام ہے۔ انبیاء اولیاء کو اللہ رسول نے وسیلہ بنایا لہذا ان کو وسیلہ بنا کر حق اور ایمان ہے۔

ہم اہل سنت و جماعت خدا کے حکم کے تابع ہیں جیسا حکم دیا بسرو چشم حکم دیا

بتوں کو وسیلہ شفیع نہ سمجھ نہ سمجھا۔ فرمایا تمہارے شفیع و وسیلہ انبیاء اولیاء ہیں، مان لیا مشرکین سے کہا کہ بتوں کو وسیلہ نہ سمجھو کم بختوں نے سرتابی کی باغی ہوئے بتوں کو وسیلہ بنالیا

وَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان فاصلہ کرے گا۔ المختصرات یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کی بھی عبادت کرنا خواہ مجسم ہو یا خدا کے نام کا بت ہو، شرک ہے کیونکہ عبادت غیر اللہ کی مطلقاً شرک ہے۔ خواہ اجسام کی کرے یا ارواح کی کرے یا دونوں کی ایک ساتھ لیکن استعانت اور استمداد شفاعت وسیلہ سمجھنا شرک نہیں بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کا منشا اور اس کا اذن ہو۔

جاننا چاہیے کہ شرک کا معنی صرف بت پرستوں پر اور مجوسیوں پر صادق آتا ہے نہ کہ اہل سنت و جماعت پر۔ کیونکہ اہل سنت، انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کو بارگاہ حق سبحانہ و تعالیٰ میں وسیلہ اور شفیع بناتے ہیں انہیں معبود نہیں جانتے۔

شرح عقائد نسفی میں ہے۔ الاشرک هو الشوک فی الالوہیتا (۱) بمعنی وجوب الوجود کما للمجوس (۲) او بمعنی استحقاق العبادۃ کما لعبدة الاصنام

شرک کے معنی ہیں غیر خدا کو الوہیت میں شریک کرنا جو دو صورت میں ہو سکتا ہے (۱) غیر خدا کو واجب الوجود (ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا) اور اس کی صفوں کو ذاتی قدیم ازلی ابدی سمجھے جیسا کہ مجوس کا عقیدہ ہے یا غیر خدا کو عبادت کا مستحق یعنی معبود جاننے جیسا کہ بت پرستوں کا عقیدہ ہے اور یہی وہ شرک ہے جس سے بحث کی جا رہی ہے یہ صریح کفر ہے آیت کریمہ ان اللہ لا یغفر ان یشوک بہا و یغفر ما دون ذاک لمن یشاء۔ کا مطلب یہ ہے کہ غیر خدا کی طرف توجہ و التفات نہ کی جائے کہ شرک

خفی ہئے اور شرک خفی طاعت و عبادت کر کے بخش دیا جا کہہئے جیسا کہ حدیث پاک میں
 آیہ سے الطَّيْبَةُ شَرِكٌ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُدْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ بِرِزْدٍ كُوْا كِرْ فَا لِيْنَا شَرِكٌ خَفِي
 ہئے لیکن توکل جیسی طاعت و عبادت کے طفیل اللہ تعالیٰ یہ شرک دفع کر دیتا ہئے۔ اگر
 شرک خفی کفر قرار پانا تو توکل سے اس کی بخشش نہ ہوتی ہکذا فی ارشاد الغاویں

[توحید و شرک ۔ لَدَالِمَا اَللّٰهُ يَهْدِيْهُ لِمَا يَشَاءُ مِنْ اَمْرٍ اَوْ يَنْهٰهُ عَمَّا يَشَاءُ مِنْ اَمْرٍ]
 الہ منفی اور الاحرف استثناء ہئے اللہ مثبت ہئے۔ لاسے جس کی نفی کی گئی الہ سے اسی
 کا اثبات کیا گیا ہئے۔ الہ بمعنی مالوہ یعنی معبود کے معنی میں ہئے غیر کے معبود ہونے کی نفی
 کی گئی ہئے اور اسی معبود ہونے کا اللہ سے اثبات کیا گیا ہئے۔ "لاوالا" قاعدہ کے تحت
 حصر کا فائدہ دیتے ہیں یہی حصر توحید ہئے جس کے سادہ طور پر معنی ہوئے کہ معبود صرف
 اللہ ہئے پس اس کلمہ سے توحید معبودیت ثابت ہوتی ہئے یہ توحید کی ایک قسم ہئے۔
 بیان توحید میں کلمہ جلالت ذکر کیا گیا ہئے جو علم ذات ہئے تاکہ یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ
 معبود کون ہئے جو اللہ ہئے اور کلمہ جلالت "اللہ" علم ہئے اس ذات کا جو واجب الوجود
 اور اس کی صفات کاملہ ہیں۔ کامل صفات کا معنی یہ ہئے کہ وہ بھی قدیم ہیں ذاتی ہیں کسی کی
 عطا سے نہیں فنا ہو جانے والی بھی نہیں۔

اور ایسا معبود جو واجب الوجود ہو تمام صفات کمال کا جامع ہو، صرف ایک ہی ہو سکتا
 ہئے۔ یہ دوسری قسم کی توحید ہوتی یعنی توحید و حجب ذات و صفات۔

(۱) توحید معبود (۲) توحید و حجب ذات و صفات۔ پس کلمہ طیبہ کے معنی ہوئے کہ معبود
 وہ ہی ایک ہے جو واجب الوجود اور جامع صفات کمالیہ ہئے۔ اور اس کی صفات سب ذاتی
 غیر عطائی اور قدیم ہیں۔

شرک توحید کی ضد ہئے تو لامحالہ معنی یہ ہوئے کہ غیر خدا کو یا تو واجب الوجود اور
 اس کی صفات کو ذاتی قدیم ازلی ابدی سمجھے یا معبود جانے۔

یاد رکھیئے توحید حاصل نہ ہوگی جب تک توحید کی دونوں قسموں (توحید معبودیت اور

توحید و جوب الوجود پر ایمان نہ ہو لیکن شرک کیلئے یہ ضروری نہیں کہ دو اقسام مجتمع ہوں بلکہ غیر خردا کو اگر کوئی واجب الوجود نہ ملے مگر معبود سمجھتا ہے تو وہ مشرک ہوگا اگر غیر خدا کو واجب الوجود قدیم مانتا ہے مگر معبود نہیں مانتا تو بھی شرک ہوگا۔ اگر کوئی غیر خردا کو نہ واجب الوجود مانتا ہے نہ معبود جانتا ہے مگر اس کی صفات کو ازلی ابدی قدیم ذاتی مانتا ہے۔ تو وہ بھی مشرک ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی غیر خردا کو نہ واجب الوجود مانتا ہے نہ اس کی صفات کو ذاتی قدیم جانتا ہے اور نہ معبود سمجھتا ہے بلکہ اس کو بندہ مخلوق یقین کرتا ہے اور اس کی صفات کو عطا ہے الہی سے ممکن حادث کہتا ہے۔ تو اسے ہرگز مشرک نہ کہا جائے گا۔ اس لئے کہ اس نے نہ واجب الوجود میں شرک کیا نہ معبود بنا کر شرک ہوا ہے یعنی اس غیر خردا کی ذات اور اس کی صفات کو ویسے نہ مانا جیسے خدا کی ذات و صفات ہیں۔ (مترجم)

اعتراض: تقویۃ الایمان کے حوالے سے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ولی اللہ اور انبیاء علیہم السلام کو غیب دان کہنا سمجھنا شرک ہے اور یوں کہنا بھی کفر کہ جب میں ولی اللہ کا نام زمین پر لیتا ہوں تو اسے خبر ہو جاتی ہے جیسا کہ کسی شاعر کا کہنا ہے۔

مکن نہیں کہ خیر البشر کو خبر نہ ہو

جواب: مشہور مفسرین اور صالحین کا فیصلہ ہے کہ غیب دو قسم ہے۔ غیب مطلق اور غیب اضافی، غیب مطلق، اللہ تعالیٰ کا مخصوص غیب ہے اور دوسری قسم غیب اضافی ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ غیب اضافی کا مطلب یہ ہے کہ بعض کیلئے غیب اور بعض کیلئے غیب نہیں بلکہ کھلم کھلا موجود ہو جیسا کہ جسمانی حالت مثلاً جھوک پیاس اور شہوت و خواہش وغیرہ جو کہ انسان کے لئے شہادت ہے معلوم ہے اور انسان کے نزدیک غائب نامعلوم اور غیر مفہوم جیسا کہ برزخ کا عالم، جنت جہنم اور

قبر و حشر اور ہر وہ چیز جو ملکوتی جہان سے تعلق رکھتی ہو۔

اس تفصیل کے بعد، غیبِ اول یعنی غیبِ مطلق جو کہ خاصہ خدا ہے۔ رب تعالیٰ اس غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے برگزیدہ رسول کے۔ اور دوسری قسم غیبِ اضافی کہ رب سے خاص نہیں ہے اس پر رسولِ پاک کے علاوہ اولیاءِ کرام کو بھی مطلع فرما دیتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ "کامل و صالح روحانیت" تمام عالم ملکوت پر اور برزخ میں رہتے ہوئے، عالمِ دنیا کے تمام زندہ مخلوق بلکہ تحت الشری سے لے کر فوق الشریا تک تمام عالم پر اللہ تعالیٰ کی عطاؤں سے پوری طرح باخبر ہے۔

اولیاءِ دانند یکیک مومبو!

زانکہ پرہستند از اسرارِ ہو!

چنانچہ طحاوی شریف اور دیگر تمام معتبر کتب حدیث و تفسیر میں بالصرحت موجود ہے کہ لوحِ قلم کا علم بھی غیبِ مطلق نہیں جس کو اللہ تعالیٰ کا خاص غیب کہا جائے کیونکہ اخبارِ صحیحہ میں سیدنا اسرافیل علیہ السلام اور بعض اولیاءِ کرام کیلئے لوح و قلم کے علم پر اطلاع یاب ہونا تو بحیثیت منقول ہے۔ کیا لوگ نہیں جانتے کہ قرآن مجید میں وَعَلَّمَ اَوَّلَ الْاَسْمَاءِ کَلِمًا وَّارَدَیْنِے۔ نیز شاہ عبدالعزیز جو اس گروہ کے مقدمات ہیں وہ اپنی تفسیر میں آیت کریمہ وَیَكُوْنُ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا کے تحت تحریر کرتے ہیں کہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر نبی کو اپنی امت کے اعمال پر مطلع فرمایا ہے کہ فلاں آج کے دن اس طرح کرے گا اور فلاں اس طرح حتیٰ کہ قیامت کے دن تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا اور گواہی و شہادت بھی رواں رہے گی۔

[جناب ملا علی قاری حل العقده شرح قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں کہ لوح و قلم کا علم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے دریاؤں کی ایک نہر ہے اور آپ کے علم کے سطحوں کا وہ ایک حرف ہے۔ قصیدہ بردہ شریف ملاحظہ ہو۔

فَاَنْ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتْهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عَلَّمَ اللُّوْحَ وَالْقَلَمَ

شاہ عبد العزیز صاحب الحدیث الدہلوی تفسیر عزیزی میں اسی آیت کے ماتحت لکھتے ہیں، رسول علیہ السلام مطلع است بنور نبوت بر دین ہر متدین بدین خود کہ در کد میں درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چسیت و حبلے کہ ہزار از ترقی محجوب مانده است، کلام است پس او سے شناسد گناہاں شمارا و اعمال بد و نیک شمارا و اخلاق و نفاق شمارا ہذا شہادت او در دنیا بحکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل است۔

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نور نبوت کی وجہ سے ہر دیندار کے دین کو جانتے ہیں کہ وہ دین کے کس درجہ تک پہنچا ہے۔ اور اس کے ایمان کی حقیقت کیلئے اور کون سا حجاب اسے ترقی سے مانع ہے پس حضور علیہ السلام تمہارے گناہوں کو اور تمہارے ایمانی درجات کو نیک و بد اعمال اور تمہارے اخلاق و نفاق کو پہنچاتے ہیں۔ لہذا ان کی گواہی دنیا میں بحکم شرعی امت کے حق میں قبول اور واجب العمل ہے۔ (مترجم)

جناب ملا علی القاری المسکی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مرقات شرح مشکوٰۃ الجزء الاول ص ۶۲ میں آیا ہے۔

لِلْغَيْبِ مَبَادِي وَ لَوَاحِقُ. فَمَبَادِيهَا لَدَيْ طَلْعِ عَلَيْهِ مُقَرَّبٌ وَ لَدُنِّي مَرْسَلٌ
وَ مَا اللّٰوَاهِقُ فَهُوَ مَا أَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَى بَعْضِ أَحْبَابِهِ لَوْحَتَهُ وَ خَرَجَ ذَلِكَ عَنِ
الْغَيْبِ الْمَطْلُوقِ وَ صَارَ غَيْبًا إِضَافِيًا وَ ذَلِكَ إِذَا تَنَوَّرَ الرُّوحُ الْقُدْسِيُّ وَ إِزْدَادًا
نُورِيَّتَيْهَا وَ اشْرَاقَهَا بِالْإِعْرَاقِ عَنِ ظُلْمَتِهَا عَالَمِ الْحَسَنِ وَ تَجَلِّيَتِهَا مِرَاتِ الْقَلْبِ
عَنِ صَدَاءِ الطَّبِيعَتِ وَ الْمَوَاطِنِ عَلَى الْعِلْمِ وَ الْعَمَلِ وَ يُضَانُ الْإِنْوَارِ الْإِلَهِيَّتِ
حَتَّى يَقْوَى النُّورُ وَ يَنْبَسِطُ فِي فِضَائِ قَلْبِهِ فَتَنَعَّكُسُ فِيهِ النُّقُوشُ الْمُرْسَلَتِ فِي
اللُّوحِ الْمُحْفُوظِ وَ تَطَّلِعُ عَلَى الْمُنِيسَبَاتِ وَ تَتَصَوَّفُ فِي أَجْسَامِ الْعَالَمِ السَّفَلِيِّ بَلْ يَتَجَلَّى

حِينَئِذٍ الْفَيَاضُ الْمَطْلُوقُ بِمَعْرِفَتِهِ الَّتِي هِيَ أَشْرَفُ الْعَطَايَا فَكَيْفَ يَغْيِرُهَا
 غَيْبُ كَمَلْتَيْ كُفْرٍ مَبَاوِي أَوْ كُفْرٍ لَوَاحِقٍ هَوْتَيْ هَيْبِ غَيْبِ كَمَلْتَيْ مَبَاوِي بِرْتُوْنَهْ مَلَكْتَيْ مَقْرَبِ
 أَوْ رَنْبِي مَرْسَلِ اِطْلَاعِ يَأْتِي مَعَهُ اَلْبَتَّةُ لَوَاحِقٍ فِي سَمْعِ كُفْرٍ حَيْزِيْرِ فِي اَللّٰهِ تَعَالَى اِنِّيْ بَعْضُ اِحْبَابِ
 بِرْطَاهِرِ فَرَاوِيْتَلَهْ مَعَهُ كِهْ اِسْ لَاحِقَهْ كِي لَوْحِ كُو اِسْ كِهْ سَلَمَنْ فَرَاوِيْتَلَهْ مَعَهُ اِسْ طَرَحِ بِرْ
 لَاحِقَهْ غَيْبِ مَطْلُوقِ كِهْ دَاثِرَهْ سَهْ خَارِجِ هُو كَرِ غَيْبِ اِضْطَاغِي كِهْ زَمْرَهْ فِي اَجْمَالَهْ مَعَهُ اُوْر
 بِرْ اِسْ طَرَحِ كِهْ جِبْ قَدْسِي رُوْحِ مَقْرُوْرَهْ هُو جَاتِي هَمَّ تُو اِسْ كِي نُوْر اِنِّيْتِ اُوْر اَشْرَاقِ فِي اِضْطَاغِ تُوْتَا
 هَمَّ اِسْ طَرَحِ كِهْ وَهْ عَالَمِ حَسَنِ كِي ظَلَمْتِ سَهْ اِعْرَاضِ كَرِ كِهْ قَلْبِ كُو طَبِيْعَتِ كِهْ مَقْبَلَهْ جَلَا
 بَنْخَسَا اُوْر عِلْمِ وِعْمَلِ بِرْ مَوَاطِبَتِ اِحْتِيَارِ كَرِ لَهْ مَعَهُ اُوْر سَا تَهْ هِي اِسْ بِرْ اَلْوَارِ كَلِيَهْ كَا فَيَضَانِ هُو تَا هَمَّ
 بِهَا تَكْ كِهْ بِرْ نُوْر قُوْمِي هُو كَرِ اِسْ كِهْ قَلْبِ كِي فِضَائِي فِي هَيْبِلِ جَالَهْ مَعَهُ تُو اِسْ وَاقْتِ اِسْ قَلْبِ
 فِي لَوْحِ مَحْفُوْظِ فِي تَرْسَمِ نَقُوْشِ اِنِّيْ اَعْكَسِ طُوْلَتِي فِي اِسْ وَاقْتِ وَهْ شَخْصِ غَيْبِ كِي حَيْزِيْرِ فِي
 اِطْلَاعِ يَأْتَا اُوْر عَالَمِ اِجْسَامِ اِيْضِيْ عَالَمِ سَفْلِي فِي تَصْرَفِ كَرِ لَهْ مَعَهُ بَلْكَ اِسْ قَلْبِ بِرْ اِسْ وَاقْتِ اِسْ مَعْرِفَتِ
 كِهْ بَا عِبْثِ فَيَاضِ مَطْلُوقِ جَلِ جَلَا، جَلُوَهْ كَرِي فَرَا تَلَهْ جُو مَعْرِفَتِ كِهْ تَمَامِ عَطِيَا تِ سَهْ بِالَا تَرِ هُو تِي
 هَمَّ تُو دُو سَرِي حَيْزِيْرِ فِي كِهْ مَتَعَلِقِ كِيَا كِهْنَا۔

کتاب شرح برزخ مولانا عبد الشکور صاحب السالمی میں ہے۔

رَوِي فِي الْاَخْبَارِ اِنَّ الْاِنْسَانَ اِذَا بَصِيْبٌ عَلَيْهِ اَمْرٌ فَيَسْأَلُ فِي وِلْيَانِ اَوْلِيَاءِ
 اَللّٰهِ تَعَالَى فَاِنْ كَانَ حَيًّا لَيَسْمَعُ الرِّيحَ فِي طَرْفَتَيْ عَيْنٍ اَوْ لَيَعْلَمُ الْوَلِيَّ بِكَشْفِ
 الْقُلُوْبِ وَاِنْ كَانَ مَيِّتًا فَتَسْمَعُ الْمَلَكُ بَلَاغَتَهُ وَيُعِيْنُ لَهُ بِالشَّفَاعَةِ عِنْدَ اللّٰهِ وَ
 عَلَيْهِ الْمَشَاحِجُ ۲۲

احادیث مقدسہ میں مروی ہے کہ انسان جب مشکل میں گھر بٹے تو اللہ تعالیٰ کے رسول
 میں سے کسی ایک کو آواز دیکر بلائے۔ اگر وہ ولی اللہ زندہ ہے تو اسے پلک بھپکتے ہی ہوا
 سنا دگی یا وہ ولی اللہ خود کشف سے جان لے گا اور اگر ولی اللہ امناوی، ہر چکا ہے تو فرشتے
 اسے سنا دیں گے اور وہ ولی اس مدد خواہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کر کے اس
 کی مدد کریں گے۔ مشائخ عظام کا یہی عقیدہ ہے۔

اعتراض ہے۔ مرنے کے بعد، شعور و ادراک اور پہچان و شنید، باقی نہیں رہتی اور نہ مرنے والے، اپنی قبر پر زیارت کیلئے آنیوالوں کو پہچانتے ہیں نہ ان کے کلام و سلام کو سنتے ہیں تو پھر ان کی مزارات پر جانے سے کیا فائدہ؟ بَیِّنُوا وَتُوجِرُوا (یہ اعتراض سمع موتی کے متعلق ہے۔

جواب ہے۔ سماع موتی میں اصل راہ حق یہ ہے کہ

مرنے کے بعد، شعور و ادراک اور پہچان و شنید وغیرہ یہ سب صفات، میت میں باقی ہوتے ہیں جس پر اہل سنت و جماعت اور اہل فلسفہ کا اتفاق ہے۔ شرع شریف میں آیات و احادیث متواترہ بجزرت ناطق ہیں کہ قبر کا عذاب و ثواب برحق ہے ذی فہم اور صاحب علم کے لئے تحریر و تقریر کی ضرورت ہی نہیں حتیٰ کہ کتب کلامہ میں قبر کے عذاب و ثواب کے انکاری کو کافر تک کہا گیا ہے اور یہ بھی طے ہے کہ قبر کا عذاب و ثواب بغیر ادراک و شعور نہیں ہو سکتا ہے۔

چنانچہ بخاری و مسلم میں یہ روایت موجود ہے جب جنگ بدر کے کفار مقتولین کو بدر کے کنوئیں میں ڈال دیا گیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کنوئیں پر تشریف لائے اور انہیں ان کے باپوں کے نام لے کر پکارا کہ یَا فُلَانُ بْنِ فُلَانٍ۔ یَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ بِكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا نَانِي قَدْ وَجَدْتُ مَا وَعَدَنِي رَبِّي حَقًّا قَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا تَكَلَّمُ مِنْ أَجْسَادٍ لَا أَرْوِاحَ فِيهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ مَا أَنْتُمْ بِأَسْمِعَ لِمَا أَقُولُ، مِنْهُمْ وَفِي رِوَايَةٍ مَا أَنْتُمْ بِأَسْمِعَ مِنْهُمْ وَلَكِنْ لَا يُحْبِبُونَ۔ متفق علیہ و زاد البخاری

قَالَ قَتَادَةُ أَحْيَاهُمْ اللَّهُ حَتَّى أَسْمَعَهُمْ قَوْلَهُ تَوْبِينًا وَتَصْغِيرًا وَنَقْمَةً وَ حَسْرَةً وَنَدْمًا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۲۵ باب حکم الاسراء باب اول)

اے فلاں بن فلاں — کیا تم نے اپنے پروردگار کے وعدہ کو برحق پایا۔ یقیناً میں نے اپنے پروردگار کے وعدہ کو برحق پایا امیر عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو جسم ہیں اور ان میں ارواح موجود نہیں ہیں۔ آپ ان سے کلام کر رہے ہیں؟

جواباً ارشاد فرمایا قسم بخدا تم میری بات ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ لیکن وہ (سن کر) جواب نہیں دے سکتے ہیں بخاری و مسلم۔ مگر بخاری نے مزید کہا قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر لیا حتیٰ کہ انہیں نبی پاک کی بات سنا دی یہ سب ان کی تحقیر و توہین وغیرہ مقصود تھی۔

تفسیر کشاف میں آ رہے ہیں کہ صحابہ کرام سے جو اباسیدہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا: لَقَدْ عَلِمُوا انَّ مَا وَعَدَهُمْ رَبُّهُمْ حَقًّا قسم بخدا یہ سب مقتولین جان چکے ہیں کہ رب کا وعدہ برحق ہے۔ قَالَتْ عَالِشَةُ وَالنَّاسُ يَقُولُونَ لَقَدْ سَمِعُوا مَا قُلْتَ لَهُمْ وَإِنَّمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ عَلِمُوا۔ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں صحابہ کرام کہتے ہیں کہ مقتولین نے سید دو عالم کی بات سن لی ہے۔ حالانکہ نبی پاک نے لَقَدْ سَمِعُوا نہیں فرمایا بلکہ لَقَدْ عَلِمُوا فرمایا ہے مقتول لوگ جان چکے ہیں۔ الخ یعنی کہ انہیں علم ہے سمع نہیں ہے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

[حدیث نمبر ۲۴۳ کے تحت التکشف میں لڑنا تھا نوی حائف لکھ کر فرماتے ہیں مسئلہ سماع موتی یہ مسئلہ اختلافی ہے بعض لوگ اس حدیث (لَسَمِعَ قَرَدٌ نَعَالِهِمْ) سے اثبات کرتے ہیں اور بعض نے آیت لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ أَوْ مَا نَتَّ بِسَمْعٍ مِّنْ فِي الْقُبُورِ سے نفی کی ہے۔ مشبتین نے آیت کا جواب دیا ہے کہ یہاں موتی سے کفار مراد ہیں کہ استعارہ ان کو موتی کہہ دیا پس آیت کو مبحث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نافیین نے اس کا جواب دیا ہے کہ آیت میں استعارہ ہے مگر مستعار منہ (موتی) میں حقیقی معنی پایا جانا ضروری ہے پس موتی بالمعنی الحقیقی کیلئے عدم سماع ثابت ہو گیا مشبتین نے جواب دیا کہ اس قاعدہ سے صرف اتنا لازم آتا ہے کہ موتی پر موتی کا صدق بالمعنی الحقیقی ہے اس سے لاسمع کا حقیقت پر محمول ہونا لازم نہیں آتا بلکہ اسمیں مجازاً اطلاق المطلق علی المقید ہے۔ اور سماع سے مراد سماع نافع ہے پس معنی یہ ہیں کہ موتی بالمعنی الحقیقی سے سماع نافع منفی ہے اور ضرورت اس محل علی المجاز کی جمع بین النصوص ہے اور قرینہ اس کا خود مشاہدہ

ہے۔ کفار میں نفس سماع کے منفی نہ ہونے کا۔ بلکہ سماع نافع کے منفی ہونے کا ہے (مترجم)

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (پارہ اول رکوع ۲)

لَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَمْوَاتٌ وَلَكِنْ لَا تَعْرِفُونَ
جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کو نہیں
سمجھتے۔ اسی طرح قرآن مجید کی سورہ آل عمران آیت ۱۶۹-۱۷۰ پارہ ۲ رکوع میں وارد
ہے۔ لَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَمْوَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ
فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ۔ بلکہ انہیں کشف کے ذریعہ پس ماندہ لوگوں کے
احوال سے خوشخبری دی جاتی ہے۔

ارشاد ہوا: وَ لَيْسَ تَبَشِيرُونَ بِالَّذِينَ لَكُمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْقِهِمْ أَنْ لَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ اور خوشی پاں مارے ہیں اپنے پھیلوں کی جو ابھی ان سے
نہ ملے کہ ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم۔

درج بالا احادیث و آیات مبارکہ کی روشنی میں واضح ہو جائے کہ مرنے والوں کو
ادراک و شعور حاصل ہے۔

جمہور فلاسفہ بھی مرنے والوں کے لئے ادراک و شعور اور پہچان و شنید کے قائل
ہیں سوائے جالینوس کے، لہذا فلاسفہ میں اسے شمار نہیں کیا جاتا۔

جاننا چاہیے کہ جسم کیلئے دائمی اور ہمیشہ کے لئے پگھل جانا اور گھل جانا ہے۔ اجزا الگ الگ
ہو جاتے ہیں مگر روح کے لئے شعور و ادراک اور شنید و معرفت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے
ترقی پذیر ہوتا ہے۔ لہذا روح کا بدن سے جدا ہو جانے میں، روح کیلئے شعور و ادراک
میں کیا فرق ہو سکتا ہے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔

فائدہ :- معلوم رہے کہ قبر اور عالم برزخ میں ارواح کے احوال ملائکہ کی طرح ہیں کہ
شکل و صورت کے توسط سے وہ بدنی کام کیا کرتی ہیں اور حیوانی و نفسانی افعال کا مصدر بنتی
ہیں بغیر اس کے کہ نفس نباتی کو ہمراہ رکھتی ہوں۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ فرشتوں کے لئے

اعمال کے موافق جزا و سزا اور تنعیم و عذاب نہیں ہوتا اور ارواح کے لئے اعمال کے مطابق جزا و سزا اور تنعیم و عذاب ہوا کرتا ہے۔

جناب مولانا ابوشکور السالمی اپنی کتاب شرح برزخ میں فرماتے ہیں کہ جہان فانی سے دار جاودالی کو جانے والے لوگ، اپنے زائرین کے کلام کو سنتے ہیں ان کے حالات جلتے ہیں، کامل ارواح، مدد اور اعانت بھی کرتے ہیں۔ ان کی عبارت کے الفاظ یہ ہیں۔ اِنَّ الْمَيِّتَ لَيَسْمَعُ كَلِمَ الْزَّائِرِيْنَ وَيَعْرِفُ اَحْوَالَهُمْ فَلَا يُعْبَدُ اَنْ لِّيَعِيْنَ لِّلْمُتَحَيِّرِيْنَ فِيْ سَعَةِ اَمْرِهِ اِنْ كَانَ لَمَّا ذَكَرَكَ الْمَكَانُ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى ! اس میں شک نہیں ہے کہ مردہ زیارت کرنے والوں کی باتیں سنتے اور ان کے حالات جانتے ہیں، تو کوئی بعید نہیں کہ وہ پریشان حال لوگوں کی (باذن اللہ) مدد بھی کر سکیں اگر انہیں عند اللہ وہ مرتبہ و مقام حاصل ہو۔
مولانا نظام الدین گنجوی نظامی سکندرنامہ میں فرماتے ہیں۔

مرا زندہ پندار چوں خویش تن

من آیم بجاں گھر تو آئی بہ تن !!

مجھے اپنی طرح زندہ جانتے ہیں روحانی طور پر تیرا استقبال کروں گا اگر تم مجھے ظاہری بدن کی صورت میں ملنے آؤ گے!

سوال :- اولیاء کرام کے مقامات و مکانات اور ان کے کلام وغیرہ کو باعث برکت جاننا اور ان کی نشست و برخاست اور جلسے عبادت، پر عبادت کرنا شرع شریف میں کیا حکم رکھتا ہے۔

جواب :- ایسی اشیاء سے برکت پانا اور انہیں تبرکاً استعمال میں لانا، ثواب عظیم اور اجر فخم کا باعث ہے جیسا کہ تفسیر عزیزی میں زیر آیتہ ”صِوَاطِ الدِّیْنِ اَنْعَمَتْ عَلَیْهِمْ“ موجود ہے کہ اولیاء اللہ کی نشست و برخاست کے مقامات، ان کے کلام انفاس و افعال میں، ان کی نسل و نسب اور دوست و احباب میں، گاتاں متواتر، برکت کا ظہور ہوتا آیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :

بالجملہ از مضمون این سوره معلوم می شود کہ، عبادت و طاعت بالسبب

اوقات نیک و مقامات مُتبرک و حضور اجتماع صالحین در ایجاب ثواب و ایراث برکات والوار، عزتے عظیم حاصل مے شود۔ (سُورَةُ الْقَدْرِ تفسیر عزیزی) یہ مضمون سُورَةُ الْقَدْرِ کی تفسیر میں بھی موجود ہے۔

خلاصہ اینکه اس سُورَةُ کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت و بندگی میں، نیک اوقات اور مُتبرک مقامات اور اہل اللہ کی محفل مجالس میں حاضری کے سبب، جہاں ثواب اور برکات کا فیضان ہوتا ہے۔ ساتھ ساتھ مزید عزت و عظمت بھی حاصل ہوتا ہے۔

تفسیر مظہری میں بھی یہ مضمون مقام ابراہیم کے زیر آیت پایا جاتا ہے ۱۱

اعتراف: "تقویۃ الایمان مؤلفہ محمد اسمعیل الدہلوی میں ایک حدیث نقل کر کے "فائدہ"

لکھا ہے کہ مجھے ایک دن مکر مٹی میں مل جاتا ہے تو۔ کیا ہے؟

جواب: "عفواً باللہ! مضمون بالا میں حدیث نہ کبھی دیکھی اور نہ سنی ہے نہ بطریق صحیح اور نہ

بسنذعیف۔ البتہ تقویۃ الایمان کے مؤلف نے قیس بن سعد کی حدیث سے یہ مطلب نکال لیا ہے جو کہ مفہوم حدیث سے سینکڑوں منازل اور ہزاروں مراحل دور ہے۔

قد حقیقت حدیث پاک اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ایک دن قیس بن سعد نے بارگاہ

رسالت میں عرض کیا اکثر لوگ اپنے سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں حکم ہو تو ہم غلام بھی آپ کے قدموں کی دھول پر سجدہ ریز ہو جایا کریں۔ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فصاحت آمیز مُبارک زبان سے ارشاد فرمایا۔

أَلَا بَیْتٌ لِّمَوَدَّتِ بَقَائِرِی الْاُنْتِ تَسْجُدُ لَنَا فَقُلْتُ لَا فَقَالَ لَا تَفْعَلُوا (مشکوٰۃ شریف)

اے قیس بن سعد تمہارا کیا خیال ہے اگر میری قبر انور پر تمہارا گزر ہو تو اسے سجدہ کرو گے، میں نے کہا نہیں تو فرمایا "ایسا کام نہ کرو"

مؤلف تقویۃ الایمان نے اس حدیث کے نیچے مندرجہ بالا مفہوم و مطلب کا غیر ضروری

اضافہ کر دیا ہے۔ ایسا اضافہ جو حدیث پاک کے مفہوم و مطالب سے کوسوں دور ہے۔

اہل اسلام کے نزدیک صحیح عقیدہ، حدیث نبوی کے موافق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسم مبارک مٹی پر حرام کر دیئے گئے ہیں کہ انہیں مٹی کھا سکے۔ روز قیامت تک ان کے مبارک جسم محفوظ و مامون ہیں۔ اند میں حالت، ہمیں لازم ہے کہ جان و دل، ان کتوں کی خاک یا پر قربان کر دیں جو مدینہ منورہ کی گلیوں میں گزربس کر رہے ہیں۔

دل و جان بتنائے وصالش حیران - مرن خاک مگر کوٹھے رسولِ عربی
آپ کے وصل وصال کی آرزو میں میرا دل اور میری جان حیرت زدہ ہے۔ خدا کرے
کہ رسولِ عربی کے گلی کوچوں کی خاک پر میرا سر قربان ہو۔

اعتراض ہے۔ جو کام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرام تابعین تبع تابعین (قرونِ ثلثہ) کے زمانوں کے بعد ایجاد ہوا وہ بدعت ہے کفر اور حرام ہے اس میں خیر و برکت کی توقع عبرت اور رائیگاں ہے چنانچہ عرس، میلاد، تیجا، چالیسواں وغیرہ نوحادث شدہ رسوم ہیں اور بدعات پیدا کر کے لوگوں کو گمراہی کے کنویں میں دھکیلا جا رہا ہے جبکہ قرونِ ثلثہ میں درج بالا امور میں سے کسی کا ذکر تک نہیں ملتا۔

جواب ہے۔ ہر وہ کام جو قرونِ ثلثہ کے بعد وقوع پذیر ہوا ہے بدعت کہتے ہیں۔ لیکن اسے حرام اور کفر کہا جائے تو یہ خرابی ہے۔ مقولہ مشہور ہے اگر کسی چیز سے پیار ہو جائے تو اس کا ذکر زبان زد ہو جاتا ہے۔

حق بات یہ ہے کہ بدعت دو طرح کی ہے بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ اب یاد رکھنا چاہیے کہ بدعتِ حسنہ تین طرح کی ہے۔ بدعتِ جائز، بدعتِ مستحب اور بدعتِ واجب اور بدعتِ سیئہ دو طرح کی ہے۔ بدعتِ مکروہ و بدعتِ حرام یعنی بدعتِ کل یا پنج قسم ہے

اس تقسیم کی تفصیل ملاحظہ ہو جو مرقاۃ "باب الاعتصام بالکتاب والسنتہ" میں ہے
الْبِدْعَةُ اِمَّا وَاجِبَةٌ كَقَوْلِكَمُ التَّحْوِ وَتَدْوِينِ اَصْوَلِ الْفِقْهِتِ وَاِمَّا مُحْرَمَةٌ كَذَهَبِ
الْجَبْرِیَّتِ وَالْقَدْرِیَّتِ اِمَّا مَذْمُومَةٌ كَاِحْدَاثِ التَّوَابِطِ وَالْمَدَارِسِ وَكُلِّ اِحْسَانٍ
لَمْ یُعْهَدْ فِی الصَّدْرِ الْاَوَّلِ وَكَالتَّرَاوِیْعِ اِیْ بِالْجَمَاعَةِ الْعَامَّةِ وَاِمَّا مَكْرُوهَةٌ

كَذُخْرِفَتِ السَّاجِدِ وَأَمَّا مَبَاحَتُهُ كَالْمَصَافِحَةِ عَقِيْبَ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ وَالتَّوَسُّعِ فِي
الْمَأْكَلِ وَالْمَشَارِبِ - عَنْهَا (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۱۱ مطبوعہ لبنان)

بدعت یا تو واجب ہے جیسے علم نحو سیکھنا اور فقہ کے اصول کی تدوین کرنا۔

یا تو حرام ہے جیسے جبرسیر اور قدریہ کا مذہب یا مستحب ہے جیسے مسافر خانوں اور
مدرسوں کا بنانا اور ہر وہ اچھی بات جو پہلے زمانے میں نہ تھی اور جیسے نماز تراویح۔

یا مکروہ ہے جیسے مساجد کو فخریہ زیب و زینت دے کر آراستہ کرنا۔

یا جائز ہے جیسے فجر و عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور عمدہ عمدہ کھانوں اور شربتوں میں

وسعت کرنا۔ (ملا علی القاری المکی المرقاۃ باب اعتصام الکتاب والسنت)

عَنْ جَرِيرٍ _____ مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهَا أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ

عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَجْرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ

سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَلَيْهَا وَذُرْهَا وَذُرُّهَا مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَجْرِهِمْ

شَيْءٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ مَشْكُوٰۃً شَرِيْفًا كِتَابَ الْعِلْمِ

نبی پاکؐ نے فرمایا جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کر دے اس کو اس کا ثواب ملے گا

اور اس شخص کا بھی جو اس طریق پر عمل کرے گا اور ان کے ثواب میں سے کچھ کھم بھی نہ ہو گا

اور جو کوئی اسلام میں بُرا طریقہ جاری کرے تو اس پر اس کا گناہ بھی ہے اور ان لوگوں کا بھی جو

اس پر عمل کریں اور ان کے گناہ میں سے کچھ کھی نہ ہوگی۔

معلوم ہوا کہ اسلام میں کار خیر کا لانا باعثِ اجر و ثواب ہے اور برے کام لانا گناہ کا

موجب ہے بعض علماء کا یوں کہنا کہ قرونِ ثلثہ کے بعد کی اچھی ایجادات بھی حرام بدعت

اور کفر ہیں ان سے خیر کی امید نہ رکھی جائے، باطل محض ہے بلکہ ازمنہ ثلثہ کے بعد کی

اچھی ایجادات میں بھی خیر و برکت پائی جاتی ہے جیسا کہ نبی پاکؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

گرای ہے۔

أُمَّتِي كَشَدِّ عَيْنِي لَا يُدْرِي أَوْلَاهَا خَيْرًا أَوْ أَسْطَهَا أَوْ آخِرُهَا رَوَاهُ

میری امت کی مثال برسات جیسی ہے، میں پتہ چل سکتا کہ اول، اوسط اور

آخر میں بھلائی ہے یعنی از اول تا آخر بھلائی ہی بھلائی ہے۔

شاہ عبد العزیز المحرث الملوی تفسیر عزیزی اور فساد عزیزی میں فرماتے ہیں۔

اول آنکہ یک روز معین نمودہ یک شخص یاد و شخص باہیت اجتماعیا
مردمان کثیر محض بنا بر زیادت واستغفار روند، این قدر از رو سے اہادیت
ثابت است۔

پہلا طریقہ یہ ہے کہ (عُرس کیلئے) ایک دن مقرر کر لیا جائے اس میں ایک شخص دو شخص
یا بہت لوگ جمع ہو کر محض زیارت اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کی نیت کر کے چلے جائیں تو
اس قدر روایات سے ثابت ہے۔

دور تفسیر و منشور نقل نمودہ کہ بر سر سال، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر مقابر بر رفتند
و دُعا برائے اہل قبور سے نمودند این قدر ثابت و مستحب است

دوم آنکہ یہ ہیئت اجتماعیا مردمان جمع شوند و ختم کلام اللہ کنند
فاتحہ بر شربی و طعام نمودہ تقسیم در مردمان حاضرین نمایند این قسم معمول
در زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدین بنو داگر کے باین طور کند باک نیست
زیرا کہ درین قسم قبح نیست بلکہ فائدہ اموات و احیاست۔ (فلوی عزیزی)
دوسرا طریق عُرس کے لئے یہ ہے کہ بہت سے لوگ اجتماعی شکل میں جمع ہو کر
کلام اللہ کا ختم کریں اور شربی و طعام پر فاتحہ پڑھ کر حاضرین میں تقسیم کر دیں۔ ایسی صورت
اگرچہ حضور پاک، خلفائے راشدین کے مبارک دور میں نہ تھی مگر اس میں حرج کوئی نہیں
ہے۔ کیونکہ ایسی صورت (عُرس) میں کوئی بُرائی نہیں پائی جاتی بلکہ اس میں زندوں اور مُردوں
دونوں کیلئے فائدہ ہی فائدہ ہے۔

شیخ محقق عبد الحق دہلوی "ما ثبت بالسنۃ" میں فرماتے ہیں:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِذَا كَانَ هَذَا الْبُؤْهَبَ الْكَافِرِ الَّذِي نَزَلَ الْقُرْآنُ بِذِمَّتِهِ جُوزِي
فِي النَّارِ فَرِحَ بِنِدْوَةِ الْمَوْلِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَمَا هَالِ الْمُسْلِمِ مِنْ أُمَّتِهِ لَيْسُوا
بِمَوْلِدِهِ وَيَبْدُلُ مَا تَصِلُ إِلَيْهِ قَدَرْتَهُ فِي مُحَبَّتِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ. لِعُمَرَى

إِنَّمَا كَانَ جَزَاءُهَا مِنَ اللَّهِ الْكَرِيمِ أَنْ يَدْخُلَهَا بِفَضْلِهِ الْعَبِيدِ جَنَّاتِ النَّعِيمِ -
 وَلَا يَنْزِلُ أَهْلُ الْأَسْمَاءِ يُحْتَفِلُونَ بِشَهْرِ مَوْلِدِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُطْعَمُونَ
 الْوَلَدِيَّةَ وَيَتَصَدَّقُونَ فِي لَيَالِيهِ بِالْوَأَاعِ الصَّدَقَاتِ وَيُظْهِرُونَ السُّرُورَ وَيَزِيدُونَ
 فِي الْمَبْرَاتِ وَيُعْتَنُونَ بِقِرَائَةِ مَوْلِدِهِ الْكَرِيمِ وَيُظْهِرُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَرَكَاتِهِ كُلِّ فَضْلٍ عَظِيمٍ
 وَمِمَّا جَرَّبَ مِنْ خَوَاصِهَا أَنَّهُ أَمَانٌ فِي الْمَلِكِ الْعَامِ وَالشُّرَى عَاهِلُ بَيْتِ الْبَغِيَّةِ
 وَالْمُرَامِ رَحِمَ اللَّهُ أُمَّهُ إِتْمَخَذَ لِيَا لِي شَهْرَ مَوْلِدِهِ الْمُبَارَكِ أَعْيَادًا لِيَكُونَ أَشَدَّ
 عَلَى مَنْ فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَعِنَادًا - (ما ثبت من السنة وشهر ربيع الأول)

ابن جوزی کہتے ہیں جبکہ ابوہب کافر کو جس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا، اس خوشی کا یہ صلہ بلا کہ اس نے حضور علیہ السلام کی پیدائش پر سرت کا اظہار کیا تھا۔ تو اس مسلمان کا کیا حال ہوگا جو آپ کی اُمت میں ہو کر آپ کی پیدائش کی خوشی کرتے ہیں اور آپ کی محبت میں جتنا ہو سکتا ہے خرچ کرتے ہیں۔ مجھے اپنے زندگی کی قسم! یقیناً خداوند کریم کی طرف سے اسکی یہی جزا ہوگی کہ وہ اپنے فضل و کرم سے جنت کے باغوں میں داخل فرمائے گا۔

ہمیشہ سے ہی مسلمان حضور علیہ السلام کی ولادت مبارکہ کے مہینہ میں محافل (میلاد) منعقد کرتے ہیں اور طعام و شراب بنا پکا کر اس مہینہ کی راتوں میں طرح طرح کے تحفہ جات خوب تقسیم کرتے ہیں اور ان لوگوں پر اس عمل کی برکت سے ہر قسم کی برکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس محفل میلاد کے خصوصی تجربات میں سے یہ ہے کہ وہ سال بھر تک امان پاتے ہیں اور حاجت روائی مقصود براری کی بڑی بشارت بنے پس اللہ تعالیٰ اس شخص پر بے پایاں رحمت نازل فرمائے جس نے میلاد شریف کے مہینہ کی دن رات کو عید بنایا۔

علامہ سعید الدین گادرونی اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں، ایک جماعت، بارہ ربیع الاول شریف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم وصال مناتے ہیں اور دوسری جماعت اس دن ہجرت رسول عربی کا جشن بناتے ہیں۔ آپ اسی تاریخ کو ہجرت فرما کر مدینہ منورہ جلوہ گر

ہوئے تھے۔ اور دونوں فریق بارہ ربیع الاول کو لذیذ و لطیف کھانے پکا کر ایصالِ ثواب کی نیت سے سید اکائفات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کرتے ہیں اور فقراء و مساکین کو کھانے کھلاتے ہیں۔ یہ مدینہ منورہ کے دو گروہ ہیں۔

بعینہ اس طرح مکہ معظمہ میں بھی دو گروہ ہیں ایک گروہ بارہ ربیع الاول شریف کو محفل میلاد شریف میں شریک ہوتے ہیں اور اسے ذریعہ برکت سمجھ کر ہر سال محفل میلاد منعقد کرتے ہیں اور دوسرا گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مقدسہ کا جشن مناتے ہیں۔ اور اگر کچھ مزید اطلاع و مطالعہ مطلوب ہو تو غلام کبریا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ارشاد الغابین پڑھ لیں۔

(متعلقہ ص ۲۲، سطر نمبر ۶)

سوال :- اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب صرف بڑے بھائی جتنا کرنا چاہیے تو ہم اس کا کیا جواب دیں؟ گذارش بحضور یہ ہے کہ آپ ارشاد فرمائیں کہ اس مسئلہ میں طریق صواب کیلئے ہے؟

جواب :- اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ایسی گفتگو اور ایسا کلام کفر محض ہے، نعوذ باللہ منہا۔ اس لئے کہ اس قسم کے کلام میں امانت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اور جو شخص پیغمبروں میں سے کسی بھی پیغمبر کی امانت کا مرتکب ہو، وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ اُس نے نبی علیہ السلام کے درجہ کو بڑے بھائی کے درجہ سے کمتر بتایا۔ اس لئے کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس نے مشبہ اور بڑے بھائی کو مشبہ بہ قرار دیا۔ اور علم معانی میں یہ بات مقرر اور طے شدہ ہے کہ مشبہ کا درجہ مشبہ بہ کے درجہ سے کم تر ہے۔

نجیب بات تو یہ ہے کہ قرآن مجید فرقان حمید میں بے شمار مقامات پر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہایت بلند درجہ القاب سے یاد فرمایا ہے جیسا پھر ارشاد فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ، وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَمَن أَطَاعَ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ، وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ. لَٰئِن أَمْسَرْتَنِي لَأُحْشِيَنَّكَ وَمَأْتِيَّكَ الشَّجَرَةُ وَمِن لَّدُنِّي مَوْرِدٌ. فَاذْكُرْ بِمَا لِلَّهِ عِلْمًا أَنتَ لَا تَعْلَمُ ۗ وَتَعْلَمُ اللَّائِي بِالنُّجُومِ ۗ

ایسے عزت افزائی کے کلمات کون سے بھائی کے حق میں نازل فرمائے ہیں؟ نعوذ باللہ

حدیث شریف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أَنَا أَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ الْوَالِدِ" کہ میں اپنی امت کے لئے مثل باپ کے ہوں اپنے بیٹے کے لئے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ اپنے بڑے بھائی کے برابر بتایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معنوی باپ ہونے کے درجہ سے منحرف ہوئے وہ اسی اقرار اور انکار کی وجہ سے عاق ہو گئے۔ اور شرعاً جو اپنے باپ کو بھائی کہے تو فقہانے اُسے عاق کا حکم دیتے اور اس کی نماز اس کے روزے اور اس کی عبادت نامقبول ہے۔ اس کے پیچھے نماز ناجائز اور اس کی گواہی غیر معتبر ہے۔ پس اہل سنت کے لئے لازم ہے کہ ان سے صحبت نہ رکھے اور ان کی کتابیں نہ پڑھے۔

سوال :- اگر کوئی شخص کہے کہ سابقہ اور عالیہ بزرگان دین کی تصانیف اور اقوال پر طعن اور سننے میں ایسے کلمات آئے ہیں جنہیں علماء ظاہر شریعت کے مطابق اہل سنت کے

خلاف سمجھتے ہیں۔ پس بعض علماء نے ان کلمات کو ان کی محویت اور سکر کی حالت پر
محمول فرمایا ہے اور بعض نے انہیں لغو قرار دیا ہے اور بعض نے ماضی کے علماء حقیقہ مثلاً
حضرت شیخ محی الدین ابن عربی، حضرت شیخ فرید الدین عطار، حضرت مولانا جلال الدین رومی،
حضرت مولانا عبدالرحمن جامی اور دیگر مشائخ کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مشکل اور مُغلق
قرآنوں کو کفر کا درجہ دیا ہے۔

اے شیخ رہ بگو کہ طریق صواب چیست!

جواب: صحیح حدیث شریف میں آئے ہے کہ جو کسی ایسے شخص کو کافر کہے جو حقیقتاً
کافر نہ ہو، تو کہنے والا کافر ہو جائے۔ ملا علی قاری نے شرح ”فقہ اکبر“ میں استاد
ابو اسحاق کا قول نقل کیا ہے۔ اسی طرح بہستانی نے ”شرح قصیدہ بیہ امالی“ میں لکھا ہے اور
شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ”تکمیل الایمان“ میں بھی حکم فرمایا ہے۔ نیز شیخ ابوشکور سالمی نے
”ہمید“ میں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی گالی کے طور پر کسی کو کافر کہے گا تو خود کافر ہوگا۔
فائدہ:۔ جاننا چاہیے کہ جب عام لوگوں کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جائے تو اہل اللہ
کو کافر قرار دینے والا بطریق اولیٰ کافر ہوگا، کہ اہل اللہ تو فنا فی اللہ اور بقا باللہ
کے مدارج طے کر چکے ہیں۔ جو یہ ہے کہ ان کے عالی درجات کلمات میں مجاز اور استعارہ
بجزرت استعمال ہوا ہے۔ اور حقیقت میں ان کے کلمات سے کوئی کلمہ بھی شرع شریف
اور اہل سنت و جماعت کے عقائد کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ قرآن و سنت کے عین
مطابق و موافق ہوتا ہے:

سخن کہ بشنوی از اہل دل مگو کہ خطارت

سخن شناس نہ ای دلبر! خطا اینجاست

اللہ والوں کی باتیں سن کر مت کہیے کہ غلط ہیں۔ اے میرے محبوب تمہیں

سخن شناسی حاصل نہیں ہے اور یہ بہت بڑی خطا ہے۔

علامہ قاضی پانی پتی کا ”تفسیر مظہری“ میں ایمان افروز بیان سنئے اور سر دھنیے۔ ارشاد

فرماتے ہیں :

فَاَلطَّرِيقُ السَّوِيُّ لِلْعَوْمِ عِنْدَ مَطَالَعَتِهِ كَثِيرٌ وَسَمِعَ كَلَامَهُمْ عَدَمَ الْإِنْكَارِ
وَحَمَلِهِ عَلَى ظَاهِرِ الشَّرِيعَةِ، مَهْمَا امْكُنَ بِالتَّأْوِيلَاتِ - فَإِنَّ كَلَامَهُمْ رَمُوزٌ
وَإِشَارَاتٌ أَوْ تَفْوِيزٌ عَلَيْهِ إِلَى عَدَمِ الْغُيُوبِ كَعَاثَانَ الْمُتَشَابِهَاتِ فَإِنَّ فِي
كَلَامِهِمْ مَجَازَاتٌ وَإِسْتِعَارَاتٌ مَصْرُوفَةٌ عَنِ الظَّوَاهِرِ وَلَيْسَ شَيْءٌ مِنْهَا مُخَالَفٌ
الشَّرْعِ بَلْ كُتِبَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ رَزَقَنَا اللَّهُ تَعَالَى مِنْهُ بِفَضْلِهِ وَمِنْهُ

عوام الناس کے لئے سیدھی راہ یہ ہے کہ صاحبِ سکر لوگوں کی تصانیف اور ان کا
کلام پڑھتے سنتے وقت، ان کا انکار نہ کریں بلکہ

۱۔ ان کی تاویل صحیح کر کے ظاہرِ شریعت پر محمول کرنے میں کوشش کریں۔ کیونکہ ان کا کلام
اور تصانیف بھید و اسرار اور اشارات سے عبارت ہے۔

۲۔ یا اے اللہ تعالیٰ غیب جانتے والے کی طرف پُرس کر دیں جیسا کہ آیات متشابہات کا حکم
ہے اور یہی اعتقاد رکھ جائے کہ ان کے کلام اور تحریر میں مجاز و استعارہ کا استعمال
ہو رہا ہے اور وہاں ظاہری معنی مراد نہیں ہیں۔

اندریں حالت اہل الشدک کی کوئی بات خلافِ شرع نہیں ہوگی بلکہ قرآن و حدیث کا منفر
اور خلاصہ قرار پائے گا۔ الشدک ہم سب کو ان کے کلام کو سمجھنے کی توفیق نصیب فرماوے اور
وہ بھی اپنے فضل و کرم کے طفیل آمین۔

كَذَانِي الْمُرْقَاةِ لِعَلِّي الْقَارِي:

اولیاء اطفال حق اندازے سپر ۔ حاضر و غائب از لیشان کن حذر

گفتہ او گفتہ الشدک بود ! ۔ گرچہ از حلقوم عبدا شد بود

اولیاء اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ ان کے روبرو اور غائبانہ، ہر حالت میں ان
کے بارے احتیاط چاہیے۔ ان کی بات حقیقتہً اللہ تعالیٰ کا بول ہئے اگرچہ بظاہر اللہ کا بندہ بول
رہے۔ شیخ کامل کی دعا، عام دعا نہیں شیخ کامل، فانی فی اللہ ہئے اور اس کا بولنا، اللہ تعالیٰ
کا بولنا ہئے۔ (مشنوی روم)

ہکٹوپ ۱۷

بجانب ہدایت مآب حضرت غریب نواز حفظہ اللہ جلالہ استکم بعد از تجتہ تسلیم ہمارے اردگرد بعض اہل علم لوگوں کا کہنے سے "سماح مطلق حرام ہے" اور سننے والا گنہگار ہے لیکن سماح کو حلال و جائز قرار دینے والا کافر ہے۔ سماح کو حرام کہنے والے لوگوں نے منسوخ و تاویل شدہ آیات، اور موضوع احادیث کو اپنے مدعی کیلئے سند بنا لیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر لوگ سیدھی راہ سے بہک گئے اور اپنے مشائخ کرام اور پیرانِ عظام سے بے اعتقاد بن بیٹھے ہیں۔ اور سننے والے اسلاف و اخلاف کو گنہگار اور سماح کے حوازہ و استجاب سمجھنے والے قائلین کو کافر کا حکم بے باک دیا جاتا ہے۔ البتہ بعض ایسے لوگ جو آنوالا شان کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں وہ مشائخ کے اقوال و افعال کو حالت سکر پر محمول کرتے ہیں اور ان کے اقوال و افعال کو قابل عمل نہ ہونے کی وجہ سے حالت سکر قرار دیتے ہیں۔ باوجودیکہ شیخ کامل کے اقوال و افعال ان کے لئے محبت تسلیم ہوتے ہیں جس طرح ارشاد ہے کہ "الشیخ من عیبتی السنۃ و یمیت الیدعتہ و یکون افعالہ و اقوالہ حجتہ للناس" شیخ سے مراد دراصل ایک ایسا فرد کامل ہوتا ہے، جو سنت کو زندہ کرے اور بدعت کو ختم کرے اور اس کے اقوال و افعال لوگوں کے لئے حجت ہوں۔

عالی جاہد آپ کے اکثر حواشی نشین بڑے بڑے عالم فاضل لوگ ہوا کرتے ہیں براہ نوازش و کرم بخشی، متبرع علماء فضلاء سے فتویٰ لیا جاتے کہ سماح کس وضع سے حرام اور کس طرح جائز حلال و مستحب ہے تاکہ حق و ناحق میں امتیاز ہو۔ اپنی مہر اور دستخط بھی ثبت فرمادیں تاکہ ہر خاص و عام، حسبِ تبحر آئینِ اہل اللہ شان پیر و سنگیر روشن ضمیر، ہدایت یابن اور خصوصاً آنوالا شان کے خاندان کے متوسلین، اپنے پیرانِ عظام کی روش پر محکم اور مستحکم ہو

جائیں۔ دُعا ہے کہ اوشانہ تعالیٰ آپ جیسا آفتاب ہدایت، ہم غریبوں کے سروں پر تابان
و درخشاں رکھے۔

رہے اس طرح کے لوگ جو روزِ ازل سے بحکمِ یٰضِلُّ بِرِکْثٰرٍ وِرْطٰہُ ضَلٰلٍ مِّیْ اُوْنْدِھِے
پڑے ہیں، اُن سے ہمیں کیا تعلق؟



جواب ۱۷

برخود دار عمر وراز ہو بعد از سلام سنت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام
 پیرانِ عظام کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سماع مطلق حرام نہیں ہے اس مسئلہ سماع میں اگرچہ
 علمائے کرام کو اختلاف ہے۔ مگر مشائخ فرماتے ہیں وصول الی اللہ کا سہل اور آسان ترین
 راستہ "قوالی" ہے بلکہ فرائض و واجبات اور سنن و تلاوت قرآن کی طرح سماع بھی افضل
 عبادت سمجھا جاتا ہے۔ بشرطیکہ کبھی کبھار ہو۔ حضرت شیخ محمد رحمہ اللہ کی بعض تصانیف میں اسی
 طرح آیا ہے۔

آداب السالکین میں مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ: خواجگانِ چشت ہمہ وقت دو رکن میں مشغول
 رہا کرتے ہیں۔ رکن اول نماز ہے تو دوسرا رکن ہے "قوالی" فرق صرف یہ ہے کہ رکن اول نماز میں
 خودی برقرار ہوتی ہے کہ ابتدا سے انتہا تک ہوش و تواضع صحیح ہونے چاہئیں بلکہ قیام قرأت
 رکوع، سجود، تسبیح، ترتیب، قعدہ اولین و آخرین وغیرہ کی خبر رہے۔ یعنی نماز فاسد نہ ہو جا سکے
 اور دوسرا رکن جو سماع ہے تمام کا تمام حیرت و بیہوشی طاری کرتا ہے۔ سماع والوں پر بے خودی
 کے دورے پڑتے ہیں اور ان کے دل سے سوائے حق سبحانہ تعالیٰ کے سب چیزیں محو
 ہو جاتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ سماع کے درجات میں ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ماسوائے اللہ
 کو جلا کر رکھ کر دے۔ دراصل سوائے محبت کے سماع والوں کے دل میں اور کوئی خیال نہیں آتا
 بلکہ خودی اور بے خودی کے مراتب میں عظیم فرق پایا جاتا ہے جسے صاحب فہم سمجھ سکتے ہیں باقی
 نہیں۔

فائدہ :- ستید الاولین و الاخرین کا ارشاد ہے: "لِی مَعَ اللّٰهِ وَقَدْ لَیْسَ عِنِّی فِیْہِیْ
 مَلٰئِکَۃٌ مُّقَرَّبٰۃٌ وَلَا نَبِیُّ مُرْسَلٌ" میرے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور ایک وقت مخصوص ہے
 جس میں مقرب فرشتہ کی رسائی ہے نہ نبی مرسل کی پہنچ ہے۔

عجب رمزیت در معشوق و عاشق

کراما کا تبیں راہم خبر نیست!

عاشق و معشوق میں ایک مخفی سا عجیب تعلق ہوتا ہے جس کی کراما کا تبیں کو بھی خبر نہیں ہو پاتی۔

آیات قرآنیہ میں رسول اللہ کی اطاعت و اتباع کا حکم پایا جاتا ہے اور حق بھی یہی ہے کہ اطاعت و اتباع رسول، دین اور اسلام کی بنیاد ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (پارہ ۳ رکوع) اے میرے رسول آپ فرمادیں کہ اگر تم مجت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تاکہ مجت کرے تم سے اللہ تعالیٰ اور تمہارے گناہ بخش دے۔ اور اللہ بخشنے والا ہے۔ مہربان ہے۔

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ (پارہ ۳ رکوع) اے میرے رسول! آپ فرمادیں کہ حکم مانو اللہ کا اور رسول کا۔ پھر وہ اگر اعتراض کریں تو اللہ کو کافروں سے مجت نہیں ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ مِنْكُمْ جَاهِلًا وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَذَكَرَ اللَّهُ ذِكْرًا كَثِيرًا (پارہ ۲۱ رکوع)

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السِّنُّ الْكُذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِيُفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يُفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ لَا يُفْلِحُونَ (پارہ ۳ رکوع)

احادیث مبارکہ سے عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعِدَهُ مِنَ النَّارِ رِوَاةُ الْبُخَارِيِّ (مشکوٰۃ شریف کتاب العلم فصل اول) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں رسول پاک نے فرمایا جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بانڈھا وہ اپنی جائے نشست جہنم میں بنا لے اس کو بخاری نے روایت کیا۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ

کتاب اللہ وخیر الہدی، ہدی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وشر الامور
محدثاتها وکل بدعتی ضالۃ لستہ (رواہ مسلم مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام)

سیدنا حابر کی روایت ہے رسول پاک نے فرمایا حمد و درود کے بعد سب سے
اچھی بات، اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہتر ہدایت، محمد کی ہدایت ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)
اور سب کاموں میں بڑا کام، نئے کام ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

عَنْ مَا لِكِ بْنِ أَنَسٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكْتُ
فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكُم بِهِمَا كِتَابُ اللَّهِ وَسُنَّتُ رَسُولِ اللَّهِ إِنَّ الدِّينَ بَدَأَ
غَرِيبًا وَسَيَعُودُ غَرِيبًا فَمَنْ رَوَّاهُ كَمَا بَدَأَ فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ وَهُمْ الَّذِينَ يُصَلِّحُونَ
مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنَّتِي رَوَاهُ فِي الْمَوْطَأِ (مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام فصل ثالث)

مالک بن انس سے روایت مرسل میں رسول اللہ نے فرمایا میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چکا
ہوں جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے (وہ کیسا ہیں)
ایک اللہ کی کتاب اور دوسری سنت رسول۔ بے شک دین، ابتداءً غریبوں میں ظاہر ہوا
اور آخر غریبوں میں رہے گا۔ ایسے غریب لوگ خوش قسمت ہیں جو کہ میرے بعد میری اس
سنت میں اصلاح اور درستگی کر دیں گے جس میں میرے بعد لوگوں نے فساد برپا کر رکھا ہوگا۔
ترمذی نے روایت کیا، عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلنا اجر مائتہ شہید (رواہ البیہقی مشکوٰۃ شریف
باب الاعتصام فصل دوم)

ابو ہریرہ نے روایت کیا سرکارِ دو عالم کا ارشاد ہے میری امت میں فساد ہوتے وقت
جس شخص نے میری سنت پر مضبوطی سے عمل کیا اس کیلئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

عَنْمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَالُونَ كَذَّابُونَ
يَأْتُونَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ فَيَأْتِيكُمْ وَيَأْتِيهِمْ لَا يُضِلُّوكُمْ
وَلَا يُفْتِنُونَكُمْ (رواہ مسلم مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام فصل اول)

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر زمانہ میں جھوٹے دجال (مکار) تمہارے

پس وہ حدیث لے آئیں گے جنہیں نہ تم نے کبھی سنا اور نہ تمہارے باپ و اول نے۔ ان سے دُور رہنا تاکہ وہ تمہیں گمراہ کریں اور فتنہ میں نہ ڈالیں۔

عَنْمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ
أَبَانِي قَالَ مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَانِي (رواه البخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول پاکؐ نے فرمایا میری ساری امت بہشت میں داخل ہوگی مگر منکرین جو جنت نہیں جائیں گے۔ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میرا کہنا نہ مانا اس نے میرا انکار کیا۔ بخاری نے روایت کیا۔

المختصر رب العالمین نے اپنا رسول بھیجا اور تمام دُنیا والوں کو بتا دیا کہ اگر جنت کے طلبگار ہو تو میرے رسول کی اطاعت کرو۔ گناہوں کی آمرزش چاہتے ہو تو میرے رسول کی اطاعت کرو۔ خود رحمت العالمین نے تاکید کر کے حکم دیا میرے ساتھ جنت جانا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو سوشہید کا ثواب چاہتے ہو تو میری مُردہ سنت کو زندہ کرو۔

تھوڑی سی تمہید کے بعد آدم بھر مطلب پس وہ جو کوتاہ اندیش نگوں بخت اور طہنت میں واقعی انہوں نے غلو سے کام لیا اور فتویٰ جھاڑ دیا "سماع مطلق حرام ہے" اور مزید یہ ظلم کیا کہ انہوں نے سننے والوں اور ان سے راضی رہنے والوں تک کو کافر کہہ دیا جبکہ یہی فتوے کفر واپس ان کی طرف لوٹ جانا چاہتا ہے۔

اہل سنت و جماعت پر لازم ہے ایسے منکرین کا علمی طور پر سدباب کریں۔ اس مختصر سے پیش لفظ کے ساتھ "سماع" کے متعلق چند سطور پر مشتمل ایک مقالہ پیش کرتا ہوں جس کی تالیف کا شرف اس دُعا کو حاصل ہے۔ یہ مقالہ ہے جس میں سماع کی مخالفت کرنے والوں کیلئے دُعا ہے اور مرض لاعلاج عناد کے لئے کامیاب علاج کی نہایت کامیاب اور مخلصانہ کوشش کی گئی ہے۔ آیات و آئینہ (احادیث نبویہ اقوال ثقہ اور فقہاء کی روایات، سماع و قوالی کے جواز میں بیان کی گئی ہیں۔ شک کرنے والوں کو ایسے کام میں شک کرنا چاہیے اور مزید تحقیق و تدقیق کرنی چاہیے۔ صرف اس امید پر کہ ثواب دارین ہوا اللہ کی رضا و خوشنودی مطلوب ہو اور قیامت کے دن شفیع المذنبین کی شفاعت مبارکہ

وافر جتہ ملے آمین۔

فائدہ: حق کے طلبگار وہ علماء جو دین کے راستوں پر چلتے ہیں یعنی اہل سنت و جماعت ان کے تین گروہ ہیں۔ اول محدثین، دوم فقہاء اور سوم صوفیاء کرام۔ فقہاء تو محدثین کو اہل الظواہر کہتے ہیں کیونکہ محدثین نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری قول و فعل کا مکمل اہتمام کیا اور صحیح حدیث کو ضعیف حدیث سے جدا کرنے میں مصروف رہے۔ الخ اور محدثین کرام، فقہائے اسلام کو اہل الرائے کہتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے فہم و استنباط کی قوت اور گہری نظر پر عمل کیا اور ظاہر اخبار واحد کو ترک کر دیا پس فقہاء کے نزدیک اجتہاد و استنباط پر عمل کرنا جائز ہے اگرچہ اس کے خلاف خبر واحد کیوں نہ پائی جائے جو کہ باسناد صحیح ثقہ راویوں کی روایت ہو مگر محدثین کے ہاں معاملہ الٹ ہے۔

اب رہ صاف دل صوفیاء کا گروہ، ان دونوں گروہوں میں سے اجود و اجلی ہیں کہ بوقت اختلاف بینہما کے اس مذہب کو قبول کرتے ہیں جو بہتر و برتر ہو۔ ماسوا اللہ سے توجہ ہٹا کر صرف اللہ تعالیٰ سے لو لگانے والے صوفیاء کرام "فقہاء و محدثین کے آپس کے اختلاف میں" کسی ایک کا مذہب معین قبول نہیں کرتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخفی رموز و حقائق اس گروہ پر منکشف کر دیئے ہیں لہذا سب سے بہتر و برتر مذہب خود چن لیتے ہیں لکن فی لامذہب لہا ای المذہب المعین صوفی معین مذہب کا پابند نہیں ہوا کرتا اور صوفیاء کرام اپنے اس دعویٰ پر دلیل پکڑتے ہیں باین حدیث مبارکہ: "اِخْتَلَفَ اُمَّتِي سِعْتَمَانِي الدِّينِ" میری امت کا باہمی اختلاف، دین میں وسعت کا باعث ہے۔ مذہب معین کا اختیار کیا صوفیاء کے نزدیک تنگ نظری ہے اور وسیع اور میں تنگی کرنا اور ایسے کسی ایک شی میں معتد کر دینا، دین میں منع ہے۔ عاقل بالغ کو (کسی ایک مذہب کا پابند کر دینا) حرج میں ڈالنے کے مترادف ہے یہی وجہ ہے کہ اعرابی کو محدود دُعا کرنے سے روک دیا گیا اس نے کہا تھا اَللّٰهُمَّ اَرْحَمْنِيْ وَمَعْتَمِدًا وَلَا تَرْحَمْ بَغَيْرِنَا اَحَدًا اَوْ كَمَا قَالَ: اے اللہ! صرف مجھ پر اور حضرت محمد پر رحم فرما اور ہمارے بغیر اور کسی پر رحم نہ فرما۔ تو رحمت العالمین نے تبنیہ فرمائی: لَقَدْ تَحَجَّجْتَ وَاَسْعَا اَعْف

تَفِيْقَتٌ“ بیشک تونے (اے اعرابی) ایک وسیع چیز کو تنگ کر دیا۔

احادیثِ مقدسہ کی روشنی میں ثابت ہوا کہ ایک مخصوص مذہب کو اپنا لینا سراسر تکلف اور حرج ہے جو کہ عوام کا مخصوص طریق ہے۔ مگر صوفیائے کرام قدس اللہ اسرارہم ایسی بندش کے قطعا روادار نہیں۔

فائدہ :- صوفیاء کرام کے لئے ایک معین مذہب نہ ہونے کی تائید میں کتابِ سنت اور اجماعِ امت ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (پارہ ۱۲، کوخ) اے لوگو! اللہ والوں سے پوچھ لو اگر تمہیں علم نہیں۔ آیت میں سوال میں تعین نہ کرنا اس امر کی دلالت ہے کہ مذہب میں تعین نہیں ہے۔

ارشادِ رسول ہے۔ أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ يَأْتِيهِمُ الْاِسْتِذْيَاتُ (رواہ البیہقی) میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی پیروی ہو ہدایت مل جاتی ہے۔ اس حدیث میں غیر معین صحابی کی اقتدا کا حکم، اس امر کی نشاندہی ہے کہ مذہب معین کا اختیار ضروری نہیں ہے۔

اجماعِ امت تو ظاہر ہے کیونکہ علمائے مجتہدین کے اقوال پر غور و فکر کرنا واجب ہے تاکہ راجح و مرجوح اور قوی و ضعیف میں فرق کیا جاسکے جس کا نتیجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ رشد و ہدایت میں زیادتی حاصل ہو جیسا کہ ارشاد ہے طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ طلبِ کزوں علم شد بر تو فرض، مذہب معین اختیار کرنے میں درج بالا مسدود ہو جاگئے۔

قیاس بھی عملی بذالقیاس اسی چیز کا اتقاناً کر لہئے کہ جب مذہب معین اختیار کر لیا جائے تو اس کا مقصد و معنی یہی ہے کہ مذہب معین کو بلا مرجح، ترجیح دی گئی ہے جو کہ عاقل بالغ کے حق میں حرج ہے۔ پس اے بھائیو جان لو کہ ان دونوں گروہ فقہاء اسلام اور محدثین عظام میں جب کسی ایک امر میں اختلاف پیدا ہو جائے تو صوفیاء کرام رضواں اللہ علیہم ان دونوں سے ہٹ کر وہی فیصلہ کر لیتے ہیں جو سب سے زیادہ بہتر و برتر ہو۔

لازم ہو، مرجوح نہ ہو۔ قوی ہو، ضعیف نہ ہو۔

اندریں حالت ان پر فقہا کرام کی روایات حجت نہیں بن سکتیں۔ محقق فخر الدین زراوی نے اس باب میں اسی طرح تحقیق فرمائی ہے، یاد رہے کہ علامہ زراوی دہلی کے بہت بڑے عالم اور سلطان الشائخ شاہ نظام الدین محبوب الہی کے سب سے بڑے خلیفہ اور جید عالم ہیں۔ فائدہ۔ جاننا چاہیے کہ "سماع" کا لفظ مشترک ہے بعض کے نزدیک یہ اسم جامد ہے، اسی طرح تاج الاسامی میں ہے اور اس کا معنی ہے سرور و خوشی، اور جمہور علماء کے نزدیک مصدر ہے، مادہ 'س م ع' سے جس کے معنی ہیں سُننا اور اس لفظ کا استعمال مسموع کے معنی میں ہوا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ اِنَّا الْكِتَابُ سَمَاعٌ اٰی مَسْمُوْعٌ یَسْنٰی ہُوْنِیْ کتاب ہے۔ اور اصطلاحاً وہ آواز مراد ہے جس کا سُننا بھلا معلوم ہو اور کسی روحانی ترکیب کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ جس میں اچھا، آواز، مناسب، حسن اور شوق انگیز شعر ہوں بشرطیکہ یہ اشعار خلاف شرع نہ ہوں۔ صاف ظاہر ہے کہ اصطلاحی معنی میں لغوی معنی کی رعایت بھی موجود ہے۔

لغوی اور اصطلاحی معنی کے بعد یہ فیصلہ ہے کہ سماع فی حد فائتہ قطعاً حرام نہیں ہے۔ محدثین، فقہاء اور صوفیاء کرام کے نزدیک سماع مباح ہے۔ ہاں جو موزون کلام لایعنی ہو، لہو و لہب اور خلاف شرع امور پر مشتمل ہو۔ جاہل اور فاسق اکٹھے ہوں۔ شرابی اور شہوت آمیز مل کر محفل جمائیں، تو ایسی قوال کو سماع نہیں کہا جاتا بلکہ اس کا نام ہے "غنا" سماع اور چیز ہے اور غنا دوسری چیز ہے۔ غنا حرام ہے اور سماع مستحب و مستحسن ہے جو کہ رقت قلبی اور گدازی دل کا موجب ہے و شتان بینہما

چنانچہ اسی رمز کو سمجھانے کی کوشش میں مثال دی جا رہی ہے مثلاً کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ کے نزدیک شخص مذکور پھل کھانے سے حانت نہیں ہوگا۔ دلیل یوں دی گئی کہ لحم، اللحماء سے اخذ کیا گیا ہے جس میں شدت کے معنی پائے جاتے ہیں چونکہ پھل کے گوشت میں شدت نہیں ہے لہذا پھل پر لحم کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

علیٰ اذ القیاس سماع پر بھی غنا کا حکم نہیں لگ سکتا کیونکہ سماع مطلق اور غنا اس کی مقید صورت ہے۔ مطلق اور مقید دونوں دو علیحدہ علیحدہ حکم رکھتے ہیں اسی طرح سماع اور غنا بھی دو علیحدہ علیحدہ حکم رکھتے ہیں وہ یہ کہ غنا حرام ہے اور سماع مستحبِ مستحسن اور مباح ہے۔ کیونکہ وہ ایک روحانی ترکیب پر مشتمل ہے جس میں اچھی آواز، مناسب لحن ہو اور شوق انگیز کلام ہو جس کا سننا شرع شریف میں جائز ہے ممنوع نہیں۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ اس فن کا نام "موسیقی" ہے لفظ موسیقی لغت میں ہوا کہتے ہیں اور سیقی گروہ کے معنی دیتا ہے اس فن کے لوگ ہوا گروہ لگاتے ہیں اسی نسبت سے اس فن کا نام "موسیقی" ہے۔

مناقبِ فخریہ میں آلبے نواب غازی الدین مرحوم، مورخین سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک شاگرد فیثاغورث فیلسوف تھا اس نے ایک رات خواب دیکھا کہ کوئی آدمی اسے آواز دے کر کہہ رہا ہے کہ کل صبح دریا کے کنارے چلے جانا وہاں تمہیں ایک علم کا انکشاف ہوگا۔ حسب القاد والہام، فیثاغورث فیلسوف صبح ہوتے ہی دریا کے کنارے چل پڑے وہاں ایک منظر دیکھا لوہار پہاڑ سے لوہا نکال لائے ہیں اور اسے مطرقہ اسندان سے کوٹ رہے ہیں اور ضرب پڑنے سے جو آواز نکل رہی تھی اسے موسیقی سمجھ کر وعظا و نصیحت کے طور پر فیلسوف فیثاغورث نے ایک قصیدہ ترتیب دیا موسیقی کی طرز کے موافق ساز بھی بنا کر گانا شروع کر دیا۔ قصیدہ سن کر بنواسرا میٹل کے دلوں میں ایک بے حسینی اور بے قراری سی پیدا ہو گئی اور ان کے معمول کے خلاف ان سے حرکاتِ ظاہر ہونے لگیں اور بنواسرا میٹل ان نغمات کی تاثیر سے از خود رفتہ ہو جانے لگے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

گروہ صوفیا کا اس پر اتفاق ہے کہ اہل سماع کیلئے بالذات اور اہل سماع جیسی صورت بنا کر سننے والوں کے لئے ان کے تفضیل میں، سماع مباح ہے۔ کیونکہ سماع روح کے لئے تازیانہ ہے۔ حقائق و معارف تک رسائی کیلئے، سماع دراصل بہترین تصرف اور تسلط رکھنے سے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں السَّمَاعُ مَعْرَاجُ الْأَوْلِيَاءِ مُخْتَصِّصًا عَلَى نَفْسِهِ۔ اس سلسلہ میں کسی خوش بخت نے کیا ہی اچھا فرمایا ہے۔

دل وقت سماع بوٹے دلدار بُرد جانبر اسرار پر وہ اسرار بُرد
 این نغمہ چوں مرکب است مردوح ترا بردار و خوشس بمحصل یار بُرد
 سماع و قوالی میں، مجبوب کی خوشبو دل میں بس جاتی ہے اور جان و رُوح کو اسرار و رموز
 کے خیمہ میں پہنچا دیتی ہے۔ نغمہ ایک سواری ہے جو رُوح کو سوار کر کے خوشی خوشی یار کی محفل
 میں پہنچاتی ہے۔

اور بعض محققین فرماتے ہیں فیلسوف فیثاغورث نے ریاضت و مجاہدہ کر کے دل و جان
 کو صاف کر لیا اور آسمانوں تک عروج کر گئے آسمان اور بروج کی حرکت کے موافق و مطابق علم موسیقی
 کا استخراج کیا جن کے لئے مقامات کا تعین اور ساعات کی مطابقت اور موافقت لازم قرار پائی۔
 اور میرے قول میں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ پہلے زمانہ میں ایک پرندہ ققنُس نامی تھا حکماء اور
 مسافروں نے اس کی آواز سے موسیقی کا استخراج فرمایا ہے۔ بات کچھ یوں ہے کہ ققنُس کی چونچ
 میں تین سوساٹھ سوراخ ہوتے ہیں جب پرندہ مذکور بُوڑھا ہو جائے تو خود لکڑیاں جمع کر کے
 ان پر بیٹھ کر سوراخ دار چونچ سے آوازیں نکالتا ہے۔ آواز کی حدت و گرمی سے لکڑیوں میں آگ
 جل اُٹھتی ہے۔ چنانچہ وہ پرندہ اپنی ہی آگ میں جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ جب کبھی بارش پرتی ہے تو
 وہی راکھ، اُڑھ کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور اسی اُڑھ سے تلوں بعد ایک دوسرا پرندہ ققنُس پیدا
 ہو جاتا ہے۔ فارسی قلمی اسی پرندہ کا نام بتلاتے ہیں "آتش زن" خلاصہ اینکہ یہی وہ پرندہ ہے
 جس کی چونچ سوراخ دار ہے اور تین سوساٹھ سوراخ ہونے کے ناطے ہر سوراخ سے ایک
 ذوق دار علیحدہ علیحدہ "سُر" نکلتا ہے جس سے حکماء نے "موسیقی" کا فن تخلیق فرمایا ہے۔
 (فتبارک اللہ احسن الخالقین) (از کشف برمان مویہ ملکہ اور لطائف) واللہ اعلم بالصواب۔
 جو تھے قول میں کہتے ہیں کہ ہندوستان کی نرزمین کچھ زیادہ عشق خیز واقع ہوئی ہے اور
 قائم اللیل صائم الہنہار درویشوں کا اکثر قیام گاہ رہی ہے اور ان کا وہاں قیام، صرف اللہ
 تعالیٰ کی رضا کے لئے اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے تھا۔ البتہ پُرنے دور میں
 درویشوں کے طفیل اوقات کی تاثیر بھی بہت تیز تھی چنانچہ "بجوناہی" ایک عابد و صالح شخص
 نے پہاڑ پر بیٹھ کر گانا شروع کیا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ گھنگھرو جو کہ اس عابد و زاہد

کے ماتھوں میں تھے اسے اس گچھلے ہوئے پہاڑوں میں ڈال دیا۔ جب گانا ختم ہوا تو پہاڑ آہستہ آہستہ اصلی حالت میں عود کر آیا۔ مگر وہ گھنگھری آواز پہاڑ میں اب تک گونج رہی ہے۔ دیکھنے والے اور سننے والے بھی لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ پھر جب کبھی دوسرے دن عاب یحییٰ کسی صحرا میں نغمہ سرا ہوا تو بہرن اور سب وحشی جانوروں نے اس کے آگے ماتھا ٹیک دیا۔ ایک سیح جو اس کے ماتھ میں تھی بہرن کی گردن میں ڈال دی نغمہ ختم ہوتے ہی وہ مسرت و بیخود جانور سیح گردن میں ڈالے، دُور بھاگ جلتے تھے۔ تماشہ بین حیرت میں رہ جاتے خوش الحانی ایک غیر مترقبہ نعمت ہے۔

چونکہ اس زمانے میں یہ علم موسیقی نہایت کم بہت اور کمینہ صفت لوگوں نے سیکھ لیا ہے اور اسے ذریعہ معاش بھی بنایا اس لئے اس فن کی تاثیر اور اس کی رُوح اُٹھ گئی ہے جب بھی کبھی موسیقی سے کوئی متاثر ہوتا ہے تو اسی اصلی اثر کا ثمر اور نتیجہ ہوتا ہے۔

منقول ہے کہ کبھی ایک ملک میں یہ رواج پایا جاتا ہے جب بادشاہ وقت فوت ہو جاتے اور اس کی اولاد صغیر سن ہو تو سماع کی محفل اس کے پنگھوڑے کے قریب سجائی جاتی ہے۔ اگر وہ بچہ پنگھوڑے میں لیٹے لیٹے سماع کی طرف رغبت کر لیتا ہے تو تخت و تاج اس کے سپرد کر دیا جاتا ہے ورنہ اس کے رشتہ داروں میں جس کو راغب پاتے ہیں وہی تاج و تخت اسے دے دیتے ہیں۔

اوصاف سماع را جبے پیدا نیست این بادہ تند در تور مینا نیست

بس کن نظام اس کہ این نغمہ مست ہر چند جزئی کار دل شیدا نیست

سماع کے اوصاف حد و شمار سے باہر ہیں اور یہ ایسی سخت قسم کی شراب ہے جو صراحی میں رکھنے کےائق نہیں۔ نظام خاموش رہے کیونکہ یہ مسرت کر دینے والا نغمہ ہے جس کو سن کر شیدا دل باقی کاموں سے باز آیا۔ السَّمَاعُ شَيْءٌ عَظِيمٌ سَمَاعٌ عَظِيمٌ شَيْءٌ

منقول ہے تذکرۃ الاقبا چشتیہ کے حوالے سے کہ سلطان المشائخ محبوب الہی تھے ترقی پور بن راگ بہت پسند فرماتے تھے جب پسندیدگی کی وجہ پوچھی گئی کہ کیا سبب ہے اس کا پور بن راگ سن کر دل میں بے چینی اور بے قراری سی ہونے لگتی ہے اور آپ کے

مول کے خلاف آپ سے حرکات و سکنات ظاہر ہونے لگتے ہیں تو فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے ازل میں آدم علیہ السلام کی فدیت سے السنت برکتکم فرمایا تو اس کا خطاب اور اس کی ملاوت میرے روحانی کانوں میں اب تک باقی رہ رہی ہے جو کہ پوربی راگ میں تھا لامحالہ پوربی راگ سننا ہوں تو مجھے اس خطاب کی پوربی آواز کی لذت یاد آجاتی ہے۔ اور اسی ذوق میں ایسی حرکت کرنے لگتا ہوں۔ اکثر و بیشتر سلطان المشائخ کی زبان پر یہ جملہ جاری ساری رہتا۔ من پیر شد م پوربی پیر نہ شد“ مجھے بڑھاپا آگیا مگر پوربی یونہی جوان ہے۔

فائدہ :- جاننا چاہیے کہ سماع (جب خلاف شریعت کی تمام باتوں سے خالی ہو) تو عرس پیر مسافر کی وطن واپسی، عقیقہ، پیدائش، ختنہ، صالحین کی رحلت قلبی، حفظ قرآن اور خصوصاً شادی کے وقت ایسی مشرعہ قوالی مباح ہے۔ بلکہ سنت ہے چنانچہ قرآن مجید احادیث نبویہ اقوال مشائخ اور روایات مجتہدین واضح دلائل موجود ہیں۔

آیات قرآنیہ :-

(۱) فَبَشِّرْ عِبَادِيَ الَّذِينَ لَيَسْمَعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنًا أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ (پارہ ۲۳ رکوع ۱۶)

خوشی مناؤ ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی اور یہی ہیں جن کو عقل ہے۔

اس آیت کریمہ میں لفظ القول تعظیم و استغراق کا مقتضی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی صوت جس کے سننے پر مدح فرمائی اور یہ صوت حسن عام ہے ایونکہ شے کی اپنی ذات پر فضیلت نہیں ہوا کرتی۔ لہذا اس سے مراد جس قول ہے جو قول الہی اور کلام مخلوق دونوں کو مشتمل ہے۔ اور اگر القول میں الف لام مضاف الیہ سے بدل ہو جیسا کہ امام زاہری نے مراد لی ہے اور معنی کیا لَيَسْمَعُونَ قَوْلِي تو اس صورت میں مخلوق کی شعر و شاعری جس وقت کلام الہی کے موافق ہوگی تو کلام الہی کے حکم میں داخل ہوگی۔

(۲) وَجَعَلْ لَكُمْ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ (پارہ ۲۹ رکوع ۲)

اور تمہارے لئے کان اور آنکھ اور دل بنائے تم بہت تمھاری شکرگزاری کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنا احسان جت لایا کہ تمہیں "سمع" دی گئی ہے سمع یعنی سنا ہے جو تمام سنی جانے والی باتوں کو شامل ہے بشرطیکہ وہ فسق و فجور کی طرف نہ بلائیں۔ ایسی حالت میں وہ سماع اور قوالی جو کہ شرعی ممنوعات سے خالی ہو سمع میں شامل ہے اور اس کے حکم میں بھی داخل ہے۔ یعنی احسانِ خداوندی ہے۔

(۳) وَأَحِلَّ لَكُمْ الطِّيبَاتِ (پارہ ۶ رکوع ۵) اور تمہارے لئے پاک چیزیں حلال ہوئیں طیباً سے مراد ہر وہ پاک چیز ہے جس سے روح اور دل کو خوشی اور راحت ملتی ہو بشرطیکہ اس کی حرمت پر نسی نہ آئی ہو چونکہ اَصْلُ الْأَشْيَاءِ إِلَّا بِحَاطَتِہَا یعنی ہر چیز کی اصل پاکیزگی ہے لہذا سماع اور قوالی نہ صرف ظاہر ہے بلکہ طیب اور مباح ہے اس سے دل کو خوشی اور روح کو راحت ملتی ہے اسی طرح دَلَالَتُہَا النَّصِّ کے تحت سماع اور قوالی حلال ہے۔

سوال: وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي لِهَوَاهِ الْوَالِدِثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بَعْدَ إِعْمَالِهِمْ وَيَتَّخِذُوا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّصِيبٌ (پارہ ۲۱ رکوع ۱۰)

اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں بے سمجھے اور اسے منہ سے ان کے لئے زلت کا عذاب ہے۔

وَقَوْلًا وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ، اور تم کھیل میں پڑے ہو (پارہ ۲۱ رکوع ۷)

وَقَوْلًا تَعَالَىٰ وَاسْتَفْزِزْ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ (پارہ ۱۵ رکوع ۷)

اور ڈگڈگا دے ان میں سے جس پر قدرت پائے اپنی آواز سے۔

یہ سب آیات صراحتہ دلالت کرتی ہیں کہ غنا حرام ہے کیونکہ غنا لہو الحدیث ہے

جواب ہے۔ نصوص مذکورہ بالا قابل تاویل ہیں اور ان کا مطلب و مراد معین کرنے میں مفسرین

سے بہت سے اقوال مروی ہیں۔ مثلاً

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ لہو الحدیث سے مراد ہے سحر و کھانت اور اَنْتُمْ سَامِدُونَ

میں مسمود سے مراد ہے لہو و لعب اور استھرا ہے اور میری آیت میں "بصوتک" سے مراد

ایسی آواز ہے جو فسق و فجور کی طرف بلائے۔

کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ ان سبھی آیات میں غنا (گانا بجانا) مراد ہے۔ بعض مفسرین

کا معنی متعین کر کے اس پر عمل کرنا اور بعض دوسرے مفسرین کی تفسیر بکھر چھوڑ دینا قرین النفا اور ضروری نہیں ہے۔ اور اگر مخالفین اور منکرین سماع کی تفسیر و تاویل تسلیم کر لی جلتے تب بھی اختلاف میں موافقت پیدا کرنا ممکن ہے۔ ”جب کلمہ لُھو الحدیث“ میں اتنے احتمالات پائے جلتے ہیں تو وہ اپنے مفہوم پر قطعی الدلالت نہ رہا اور حرمت غنا کے لئے قطعی الدلالت والثبوت کی ضرورت ہے۔ لہذا آیت کریمہ سے غنا کی حرمت ثابت نہیں ہوئی۔

اختلاف ختم کرانے کی صورت یوں ممکن ہے کہ یہاں جاہلیت والاغنا (گانا بجانا) مراد لیا جائے۔ یعنی ایسا کلام جس میں کفار کی جنگوں کے حالات ہوں آپس میں عشق و حسن کا تذکرہ ہو اور بتوں کی تعریفوں پر کلام مشتمل ہو اور یہ سب چیزیں لُھو و اہب میں داخل ہیں جن کا دیکھنا سنا ممنوع ہے کہ فساد کی طرف بلاتا ہے۔ ہمارے اس بیان کے تحت پہلی آیت کا آخری جملہ ”لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ“ واضح دلیل ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ جاہل اور نادان آدمی اس دلفریب چیز (لُھو الحدیث) کو خریدتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دے۔ یعنی لُھو الحدیث سے مراد ہے بُری اور فضول و بیہودہ باتیں مثلاً گپ شپ خرافات ہنسی مذاق، داستانیں، افسانے، ناول، گانا بجانا اور اس طرح کی دوسری چیزیں مراد ہیں۔

پس ایسا سماع جو عبرت کے کان کھول دے اور ماسوائے اللہ سے توجہ مبٹا کر اللہ کی طرف بلائے وہ سماع درج بالا لُھو الحدیث کے حکم سے خارج ہے چنانچہ منقول ہے جب عبد اللہ بن مسعود سے پوچھا گیا اس آیت مقدسہ میں لُھو الحدیث سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے تین مرتبہ زور دے کر فرمایا: هُوَ وَاللَّهِ الْغِنَاءُ قَدْ أَكَلَتْهُمُ اس سے مراد گانا بجانا ہے۔ فَادُّهُ۔ خالص کلام منظوم سنا حرام نہیں ہے کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شعر سنے ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی شاعری کیا کرتے تھے اور ایک دوسرے سے شعر سنتے تھے پس وہ حرام نہیں۔

(مزجم) حضرت عمر بن ثرید سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار تھا۔ سرکارِ دو عالم نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تجھے امیر بن ابی القلت کے کچھ اشعار یاد ہیں۔ میں نے عرض کی ہاں حضور! یاد ہیں فرمایا کہ پڑھو میں نے ایک شعر پڑھا۔

حضور نے فرمایا اود پڑھو اور پڑھو یہاں تک کہ میں نے سو شعر پڑھے۔ (مشکوٰۃ شریف)
 ایسا غنا جو لہو و لعب کیلئے ہووے نا جائز ہے جیسے کسی ناکر نام اور خوش گلو کا مجرا ہو اور
 کوئی حرب لسان قصہ گو ایران و توران کے کفار کی کہانیاں سنارہا ہو اور لوگ ان ثقافتی گروہوں
 میں غرق ہو کر اس موڈ میں نہ رہیں کہ خدا اور رسول اور اخلاق و آخرت غرضیکہ دین اسلام کیلئے استحضار
 رہنے اور مسلمین کے دلوں میں بے فکر و اخلاق کو غارت کر دینے والی باتیں جو کہ غنا کے حکم میں
 ہیں حرام ہیں۔ اور جب سماع ضروریات شرعیہ کیلئے ہو جس میں رقت قلب عشق الہی اور
 معرفت باری کی صفات حسنه پائی جاتی ہوں تو وہ سماع تمام ممنوعہ عوارض سے پاک و صاف
 ہونے کے سبب مباح اور حلال ہے اور اسی پر تمام علماء کا اتفاق ہے جناب مولانا فخر الدین
 الراوی رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح منقول ہے۔

دوسری بحث سنت رسول اللہ و آثار صحابہ میں۔

سماع کے جائز و مستنون ہونے پر چند روایات صحیحہ پیش کرتا ہوں۔

(۱) عن الربیع بنت المعوذ بن عفرہ (یہ انصاری صحابیات میں سے ہیں بلند پایہ
 اور عظیم المرتبت تھیں عمر دراز ملی تھی) قَالَتْ جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ حَيْثُ
 بِنْتِي عَلَى فِجْلَسَ عَلَى فِرَاشِي كَمَا جَلَسْتُكَ مَنِي فَجَعَلَتْ جَوَ مِرْيَاتٍ لَنَا يَضْرِبُ بِالذِّفِّ وَيَنْدُبُ
 مَنْ قُتِلَ مِنْ آبَائِي يَوْمَ بَدْرٍ إِذْ قَالَتْ إِحْدَاهُنَّ وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدِي فَقَالَ دَعْنِي
 هَذِهِ دُقُولِي بِالَّذِي كُنْتُ تَقُولِينَ (بخاری مشکوٰۃ ص ۲۷۱) ورواہ ابن ماجہ اور ترمذی نے
 اس حدیث کو روایت کر کے فرمایا ہذا حدیث حسن صحیح۔

معوذ بن عفرہ کی بیٹی ربیع کی شادی ہو گئی اور وہ کہتی رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے
 گھر تشریف لائے اور میرے بستر پر بیٹھ گئے جس طرح اے میرے مخاطب تم مجھ سے کچھ فاصلے
 پر تشریف فرما ہو۔ ہماری عورتیں اندر میں اثنادف بجانے لگیں اور ہمارے آباؤ اجداد جو کہ جنگ بدر
 میں شہید کر دیئے گئے تھے۔ ان کا مرثیہ پڑھنے لگیں (نذیر کے معنی ہیں میت کے اوصاف
 حمیدہ اور برگزیدہ عادات کو بیان کرنا یعنی لڑکیاں اس لڑکی کے والد کا مرثیہ پڑھنے لگیں جو
 جنگ بدر میں ابو جہل کے ہاتھوں شربت شہادت نوش کر چکے تھے) اچانک دوران

رشید خوانی ایک لڑکی نے کہا ”وَفِينَا نَبِيٌّ يُعَلِّمُ مَنَا فِي غَدٍ“ ہمارے درمیان نبی کریم تشریف فرما ہیں جو کل آئینہ کی بات کو چلتے ہیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ چھوڑ دو اور وہی گلے جاؤ جو پہلے کہہ اور گاری ہی تھیں۔ بخاری نے روایت کیا۔

شیخ عبدالحق الحدیث الدہلوی اس حدیث کے تحت اشعة اللغات میں فرماتے ہیں۔ این حدیث دلالت وارد بر آن کہ ضرب دف والنشاء اشعلہ، جائز است و ظاہر آلت کہ بغناء بود و در امثال این مقام مباح است زیرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آن زنان را منع نہ کرد بلکه فرمود بگوئید آن را کہ میگفتید رفتہ [اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ دف بجانا اور اشعار گانا اور سنا جانا نہ ہے اور صاف ظاہر ہے کہ اشعار گائے جا رہے تھے اور ایسے موقع و محل (عرس و ولیمہ، عید و ولادت، حفظ القرآن، مسافر کی وطن داپسی پر عقیقہ وغیرہ تسکین طفل، گھر دوڑ، قطع فصل، اعلان صوم وغیرہا من ضروریات شریعیہ) میں گانا بجانا اور دف بجانا اور سنا جانا نہیں کیونکہ نبی پاک نے ان لڑکیوں کو منع نہیں فرمایا بلکہ حکم دیا کہ وہی گایا جٹے جو پہلے تم گاری تھیں۔ (ترجمہ)]

(۲) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَنْكَحْتُ عَائِشَةَ ذَاتَ قُرَابَتٍ لَهَا مِنْ اَنْصَارٍ فَجَلَدَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَهْدِيْتُمُ الْفِتَاةَ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ اَرْسَلْتُمْ مَعَهَا مِنْ تَغْنِيٍّ قَالَتْ لَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَنْصَارَ قَوْمٍ فِيْهِمْ غَزَلٌ فَلَوْ بَعَثْتُمْ مَعَهَا مِنْ يَّقُوْلُ اَيْتِنَا كُمْ اَيْتِنَا كُمْ فَحْيَا اَنَا وَحْيَا كُمْ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهٗ، مَشْكُوٰةٌ شَرَفِ كِتَابِ النِّكَاحِ

حضرت عبد اللہ بن عباس کی روایت میں ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ نے اپنی کسی رشتہ دار لڑکی کا نکاح انصار میں کر دیا۔ رسول پاک تشریف لائے فرمایا کیا تم نے وہ لڑکی کو کوئی تحفہ بھی دیا تو تمام گھر والوں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا کیا تم نے اس لڑکی کے ساتھ گلے بجانے والی عورتیں بھیجی ہیں تو سیدہ عائشہ نے عرض کیا جی نہیں فرمایا انصار ایسی قوم ہے جن میں غزلیت پائی جاتی ہے۔ کاش اس لڑکی کے ساتھ کچھ عورتیں بھیجی جوتیں جو سدھیلنے جا کر شعر پڑھتی ہوتیں۔ ”اَيْتِنَا كُمْ اَيْتِنَا كُمْ فَحْيَا اَنَا وَحْيَا كُمْ“ ہم تمہارے پاس لائے ہم تمہارے پاس آگے اللہ ہمیں زندہ رکھے اور تمہیں بھی جلائے رکھے یعنی عمر دراز دے۔ آمین۔

شیخ الدہلوی فرماتے ہیں کہ درج بالا شعر اس غزل کا ہے جو انصار لوگ اپنی شادیوں کے موقع پر پڑھا کرتے تھے اور حاشیہ پر درج کیا کہ اس غزل کا آخری شعر یوں ہے۔
 وَلَوْلَا الْجَنْظَةُ الْحَمْرَاءُ لَمْ تَسْمَنْ عَنَّا كُمْ!
 اگر سُرخ رنگ گندم نہ ہو تو تمہاری جوانیاں مستی میں نہ آسکتیں۔

(۳۱) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ زُفْتُ مَوَامَّةً إِلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ فَإِنَّ الْأَنْصَارَ لَيُعْجِبُكُمْ الْلَهْوُ (رواه البخاری مشکوٰۃ ۲۷۱)

سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کسی عورت کی انصار کے جوان سے شادی ہو گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس سرود نہ تھے کیونکہ انصار کو سرود بہت پسند ہیں اس کو بخاری نے روایت کیا۔

لہو کھیل کو کہتے ہیں مگر درج حدیث میں اس سے مراد سرود ہے۔ اندر میں معنی معلوم ہوتا ہے کہ شادی بیاہ اور ولیمہ میں سرود سنانا مباح ہے مزید برآں نبی پاک نے یہ بات قائم رکھی کہ انصار کو سرود اچھے لگتے ہیں اور ظاہر عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں دف وغیرہ وقت موجود رہا کرتے تھے کہ جو چیز اچھی لگتی ہو وہ دائماً رہا کرتی ہے۔

[حاصل کلام یہ ہے کہ دف بجانا اور غنا کرنا مخصوص اوقات میں طہو و لعب کرنا جائز ہے۔ اور کتب لغت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ دف آلہ لہو ہونے کے سبب معازف میں داخل ہے پس مطلق کی حرمت مستلزم ہے صرف دف کو وَالَّذِينَ هُمْ بِأَبْلٌ فَالَّذِينَ هُمْ بِأَبْلٌ يَعْنِي دَفٌ كِي حُرْمَتِ بَاطِلٍ هُمْ. لِهَذَا حُرْمَتِ مَعَازِفٍ هِيَ أَيْ مِثْلِ هَيْ. (مترجم)]

(۳۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَتْ عِنْدِي جَارِيَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ رَجَعَتْهَا مِنْ الْأَنْصَارِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ أَلَا تَعْنِينَ فَإِنَّ هَذَا الْحَيُّ مِنَ الْأَنْصَارِ يُجِبُونَ الْغِنَاءَ رَوَاهُ ابْنُ حَبَّانٍ فِي صَحِيحِهِ. مشکوٰۃ شریف ۲۷۲

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں میری ایک انصاریہ لڑکی تھی جس کی میں نے شادی کر

دی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ تم نے گلے بجانے اور دف ڈھول کا کیوں انتظام نہیں کیا مجھے شک یہ انصار کا قبیلہ گانا بجانا پسند کرتا ہے۔

[اس حدیث سے ثابت ہے کہ غنا سننا اور خود غنا کرنا انصار کا پسندیدہ کام تھا۔ اگر یہ مراد ہوتی کہ انصار سننے کو بہت دوست رکھتے تھے تو یحییٰ بن الغناء نہ فرماتے اس کے بجائے یحییٰ بن سماع الغناء فرماتے مگر آپ نے یحییٰ بن الغناء فرمایا جس سے ثابت ہوا کہ انصار غنا کرنے کو اور سننے کو دونوں باتوں کو دوست رکھتے تھے اور یحییٰ بن صیفہ جمع مذکر غائب کلمے جو مردوں کی غنا پر ہے۔ پس اگر مردوں کیلئے غنا حرام ہوتا تو حضور انصار کو منع فرماتے کہ غنا مردوں کے واسطے حرام ہے۔ تم اس کو کیوں دوست رکھتے ہو حضور کا منع نہ فرمانا صحیح دلیل ہے اس امر کی کہ جس طرح عورتوں کے لئے غنا جائز ہے مردوں کے لئے بھی جائز ہے۔ (ترجمہ)]

(۵) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ أَبَا بَكْرٍ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ فِي أَيَّامِ مَنَى تَدْفَانِ وَتَضُوبَانِ وَفِي رِوَايَةٍ تَغْنِيَانِ بِمَا تَفَاوَلَتِ الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثٍ وَالنَّبِيُّ مَتَغَشَّ بِثَوْبَيْهِ فَاثْتَمَرَهُمَا أَبُو بَكْرٍ فَكَشَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَجْهِهِ فَقَالَ دَعُهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّمَا أَيَّامُ عِيدٍ (تِلْكَ أَيَّامُ مَنَى) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَ
عَنْ ابْنِ مَاجَةَ أَنَّ كُلَّ قَوْمٍ عِيدٌ وَهَذَا عِيدُنَا مَتَّفَقٌ عَلَيْهِ اسْتَكْرَاهُ شَرِيفٌ ۱۲۱ بَابُ الْعِيدِ
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ابو بکر تشریف لائے تو میرے پاس دو لونڈیاں مٹی کے دلوں میں دف بخاری تھیں اور پاؤں زمین پر مار رہی تھیں اور ایک ایت میں ہنسنے کر وہ رجزین گا رہی تھیں جو کہ جنگ بغاث کے دن انصار نے شاعرہ کیا تھا اور لفاخر کیا تھا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھے ہوئے آرام فرما رہے تھے پس ابو بکر صدیق نے ان دونوں لڑکیوں کو دھمکا کر گلے بجانے سے روک دیا۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ریح النور سے روہ کھول کر فرمایا اے ابو بکر ان کو گلے بجانے دو یہ عید کے دن ہیں۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے بیشک ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

پس اگر وہ بجانا اور گانا مطلقاً حرام ہوتا تو نبی پاکؐ مسلمان لڑکیوں کو حرام کام کرتے دیکھ کر کبھی خاموش نہ رہتے لیکن حضور ان کے اس فعل پر راضی رہے بلکہ ابوبکر الصدیق کو جو گانے بجانے سے منع کر رہے تھے حضور نے فرمایا۔ اے ابوبکر! ہمیں کچھ نہ کہو سبحان اللہ سرکار نے تو منع کرنے والے کو منع فرمایا اب اس کو حرام کہنا کس قدر ظلم صریح ہے۔

درج بالا حدیث میں ابوبکر الصدیق کا لڑکیوں کو دھمکا کر گانے بجانے سے روکنا گویا کہ ابوبکر الصدیق کی طرف سے کراہت کا اظہار ہے۔ اس لئے کہ بچپن کا گانا بجانا جاہلیتِ اولیٰ دور کا تھا۔ اس گانے بجانے میں جنگ کفار کے واقعات تھے جس پر فاسق و فاجر لوگوں کا جمع ہو کر لے سُننے کا امکان تھا۔ یعنی اجتماع و استماع وہ چیز ہے جس سے انسان لہو و لیس میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور فسق و فجور کی طرف بلایا جاتا ہے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسے تسلیم کرنا بنا بر اصل کے تھا وہو الصوت الحسن والکلام الموزون الشحون من الخمر والمرغطة وحب اللہ ورسولہ

[حضرت صوفیاء کرام کا کہنا ہے کہ صدیق اکبر کا منع فرمانا اس وجہ سے نہ تھا کہ گانا بجانا حرام ہے بلکہ اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی" اپنی آوازیں نبی پاکؐ کی آواز سے اونچی نہ کرو ورنہ اعمال اذیتناں بنائیں گے چونکہ وہ دونوں لڑکیاں نبی پاکؐ کے حضور گانا گانے میں آواز اونچی کر رہی تھیں۔ صدیق اکبر نے اوب ملحوظ کئے انہیں روک دیا اور یہ سوچا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حضور شاغل ہیں اس واسطے انہیں روکا ہوگا۔ اب مجھے حق ہے کہ انہیں روک کر یہ مسئلہ سمجھاؤں تو سیدہ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھایا کہ میرے ساتھ آواز پست رکھنی یہ میرا حق ہے جسے میں اپنا حق بخش دوں تو پھر کوئی گناہ نہیں جیسا کہ حضرت ثابت بن قیس کو بخش دیا گیا ہے۔ ان لڑکیوں کو بھی عیب کے دلوں میں یہ بے ادبی معاف کر دی گئی تاکہ خوشی کر لیں کیونکہ صاحبِ حق جب

اپنا حق کسی کو دیر سے توالت تعلق بھی مواخذہ نہیں فرماتے تب ہی
 تو نبی پاک نے فرمایا انہیں اپنی حالت پر چھوڑ دو اے ابو بکر، لیکن سید عالم
 صلی اللہ علیہ وسلم کا منع فرمانا "فَدَعُوهَا يَا اَبَا بَكْرٍ" صاف صاف بتلا رہے کہ
 ایسا گانا بجانا مباح ہے جس میں اچھی آواز ہو مناسب لحن ہو اور شوق انگیز
 مضامین پر مشتمل اشعار کہ گئے ہوں جو حکمت اور عظمت اللہ و رسول کی
 عشق و محبت میں ڈوبے ہوں۔ (مترجم)]

البتہ جاہلیت والا گانا صرف اس لئے حرام ہے کہ اس میں لہو و لعب اور فسق و فحور
 کی طرف بلاوا ہو رہے۔ (اور اس کے برعکس) جو سماع اور جو کلام بابرکت ہو انعامات ربانی کا ذکر
 ہو اسلام و ایمان کو دلوں میں مضبوط کر دینے والا کلام ہو اور ایسا کلام جو انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے
 حضور و ارسلان میں سے آنیوالا ہو، واقعی ایسا کلام سننا اور اس کا گانا بجانا مستحب ہے کہ مستحسن
 ہے بلکہ خداوندی احسان سے ہے جیسا کہ مقولہ مشہور ہے کہ "السَّمَاعُ يُحَرِّكُ الْقُلُوبَ
 إِلَى عَالَمِ الْغُيُوبِ" سماع غیب جلنے والے اللہ تعالیٰ کی طرف دلوں کو حرکت میں لاتا ہے۔
 سوال و اعتراض۔ ان تمام روایات سے صرف شادی بیاہ اور عید والے دن گانا
 بجانا یعنی لہو کی اجازت ثابت ہوئی اس مخصوص رخصت سے ہر وقت جواز سماع تو ثابت نہ ہوا،
 جواب یہ ہے کہ عید کا لفظ اعادۃ السرور کا معنی دیتا ہے۔ یعنی ہر وہ دن جس میں مسرت و شادمانی
 ہر سال لوٹ کر آتی ہے ثابت ہوا کہ ہر وہ دن جس میں خوشی و مسرت لوٹ آئے۔ عید کا دن
 ہوتا ہے اور اسی معنی کی تائید میں قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا
 مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ. (پارہ، رکوع ۵)
 اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے طعام نازل فرما کہ وہ دن ہمارے اگلے اور پچھلے لوگوں کے
 لئے عید اور تیری طرف سے خاص نشانی ہوگا۔

اس آیت پاک میں "عید" سے مراد اتفاق مجبور مسرت و شادمانی کا لوٹ آنا ہے تو
 ثابت ہوتا ہے ہر وہ دن جس میں خوشی و مسرت اور راحت کو دہرایا جائے وہ دن عید کا لفظ ہوتا ہے
 اور حدیث مبارک میں نبی پاک نے انصار کی صفت میں فرمایا کہ انصار کا قبیلہ گانا گانا اور گانا سننا

دلوں کو پسند کرتا ہے۔ اس سے دلیل ملتی ہے کہ غنا مطلقاً مباح ہے چاہے شادی و عید ہو یا نہ ہو جبکہ انصارِ عظیم المرتبت اصحابِ رسول ہیں جن کی شان میں قرآن فرمایا ہے: **وَلَكِنَّ الشَّمَاءَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَذَيَّبَنَا فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ**۔ (۲۶ رکوع ۱۳) لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت دے دی اور اسے تمہارے دلوں میں مزین فرمادیا اور کفر اور فسق اور نافرمانی سے تمہیں متنفر کر دیا۔

اب اگر غنا معصیت ہوتا تو اصحابِ کرام اسے مکروہ سمجھتے نہ کہ اسے پسند کرتے تو قرآن مجید اور حدیث سے ثابت ہوا کہ غنا سنا اور خود غنا کرنا ہر وقت مستحب ہے صرف شادی بیاہ اور ولیمہ و عیدین کیلئے مخصوص نہیں کیونکہ جو پسندیدہ چیز ہو وہ ہر وقت پسندیدہ ہوتی ہے نہ کہ کبھی مجتہب ہو اور کبھی مکروہ۔ پس سماع تمام اوقات کو مشتمل ہو گا۔

فائدہ: سماع و غنا محمود کی مذمت و حرمت میں بعض فقہاء کی احادیث روایت کیا کرتے ہیں مگر ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ امام الحدیث مجد الدین فیروز آبادی اپنی کتاب "صراطِ مستقیم المعروف بضرر السعادت" میں فرماتے ہیں: **وَدَرْجَمِ سَمْعِ حَدِيثِي صَحِيحٌ ثَابِتٌ نَشْدَهُ لِعَنِي كَلْنِي بَجَانِي كِي حُرْمَتِي فِي كُوْنِي حَدِيثِي صَحِيحٌ وَارِدِي فِي هِي**۔ اور کچھ فقہاء کا جو خیال ہے کہ گانا بجانا حرام ہے گانے بجانے کی محفل میں بیٹھنا گناہ ہے اور اس سے لذت پانا کفر ہے۔ تو

یہ قول بعض دوسرے فقیہوں کا تو ہو سکتا ہے اہل سنت و جماعت کا ہرگز نہیں کیونکہ حرام چیز سے لذت پانا کفر نہیں ہوا کرتا خواہ زنا ہی کیوں نہ ہو۔ لہذا اس قول پر عقیدہ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔

اعتراف: **عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَوْتَانِ مَلْعُونَانِ صَوْتُ النُّوحَةِ عِنْدَ الْمَصِيبَةِ وَصَوْتُ مَرْمَارٍ عِنْدَ الْغِنَاءِ** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ دو آوازیں ملعون ہیں ایک مصیبت کے وقت نوحہ کرنے کی آواز دوسری آواز بے غنا کے وقت مرمار کی۔ لہذا ثابت ہوا کہ غنا حرام ہے۔

جواب ہے: اس روایت کا کسی حدیث کی کتاب میں نام و نشان تک نہیں ملتا حیرت ہے

کہ منکرین ایسی بے اصل باتوں سے مقابلہ پر آتے ہیں اور ذرا نہیں شرماتے اگر بالفرض کہیں اس روایت کا وجود ہو تو جواب یہ ہے کہ یہ روایت دو مقامات کے علاوہ باقی اوقات و احوال میں دلیل اباحت ہے ورنہ تخصیص باطل ہو جائے گی لہذا ان دو آوازوں کو مصیبت اور مزار سے مقید کر کے بتلا دیا گیا ہے کہ ان دو حالات کے علاوہ باقی ہر حالت میں سماع و غنا، مباح ہے۔

اعتراف یہ حضور نے فرمایا، **الْغِنَى حَرَامٌ وَالتَّلَذُّ بِهَا كُفْرٌ وَالْجُلُوسُ عَلَيْهَا فَسْقٌ**، غنا حرام ہے اور اس کے ساتھ لذت حاصل کرنا کفر ہے اور اس پر بیٹھنا فسق ہے۔ اس حدیث سے حرمت غنا اظہر من الشمس ہے۔

جواب :- اولاً یہ حدیث کسی سند صحیح سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں اور یہ روایت ایسی بے ڈھنگی سی ہے جس کو دیکھ کر طبیعت تسلیم نہیں کرتی کہ **أَفْصَحُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ** کی یہ حدیث ہو یہاں قابل غور امر یہ ہے کہ جب ایک شخص نے غنا کے ساتھ لذت حاصل کی تو کافر تو ہو گیا اس کے بعد وہ شخص جلوس کر لے ہے جو تہیہ فسق ہے۔ تو کیا اب وہ شخص کافر ہونے کے بعد فسق ہو گیا؟ گویا کہ اس روایت سے مطلب یہ ہوا کہ سماع سے لذت حاصل کرنے والا کافر ہے اور اس پر جلوس کرنے والا، قوال سننے والا گنہگار مومن ہے اب آپ خود ہی سوچ سکتے ہیں کہ کفر کے بعد کفر کرنے سے کفر بڑھتا ہے یا وہ کفر سے نکلا کر ایمان کے درجے میں آتا ہے۔

پس یہ روایت نہ روایت درست ہے اور نہ ذرا متہ اس لئے اس روایت کو سرکار کی طرف منسوب کرنا گستاخی و سوء ادبی کے مترادف ہوگا۔ پس قول درج بالا اہل ہوا کا عقیدہ تو ہو سکتا ہے جس پر اعتقاد نہیں رکھا جاگا۔ اہل سنت و جماعت کا قول نہیں ہو سکتا۔

نوٹ :- اعتراضات اور بھی بہت کچھ ہو کرتے ہیں مگر **لِلْعَاقِلِ تَكْفِيهِ الْإِشَارَةُ** بحسب سوم قیاس مجتہدین و اقوال ائمہ اربعہ و فقہا کرام۔

امام نووی شارح مسلم فرماتے ہیں کہ ذمہ سماع کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں

ہے۔ امام سخاوی "المقاصد المحسنات فی الاہادیث المشتمرہ" میں فرماتے ہیں حرمت سماع میں بعض فقہاء نے جن جن احادیث سے استدلال فرمایا، سب کی سب غیر صحیح ہیں اور ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔

شیخ ابن حجر عسقلانی شرح بخاری میں فرماتے ہیں حرمت سماع کے بارے میں بعض متاخرین نے جتنی احادیث نقل کی ہیں وہ سب بے اصل ہیں۔ اگر اس باب میں کوئی صحیح حدیث ملتی تو مجتہدین ضرور ان کو دلیل بنا لیتے جبکہ حرمت سماع میں کبھی قسم کی کوئی حدیث نہیں مل پائی نہ صحیح نہ حسن نہ ضعیف۔ بلکہ بعض متاخرین کیلئے جن جن احادیث کو بطور استدلال پیش کیا گیا ہے وہ یا تو موضوع ہیں یا ان کا کہیں ثبوت نہیں ملتا۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم، ان تمام احادیث کو خاطر میں لائے ہی نہیں ہیں۔

ابن عربی، حرمت سماع میں بعض فقہاء کی احادیث منقولہ کا ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ یہ سب موضوع ہیں۔

ابن طاہر نے اسی طرح فرمایا بلکہ بعض شافعی المسکت حضرات یہاں تک کہہ گئے کہ حرمت سماع کی حدیثیں، منکرین سماع کی کتابوں کے بغیر اقد کہیں نہیں مل پاتیں۔

شیخ عارف باللہ ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ، قوت القلوب میں فرماتے ہیں۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے راشدین صحابہ کبار تابعین تبع تابعین آئمہ اثناعشر چار سو چالیس مشائخ کبار، دو ہزار اولیاء اللہ ایک سو بیس فقہاء ایک ہزار علماء اور لاکھوں کی تعداد عامۃ المؤمنین نے غنا گایا اور سنا۔ (ابن ہمام مکی، جواز، سماع)

جاننا چاہیے کہ شیخ ابوطالب اور ابن ہمام مکی کی بات سچتہ اور مضبوط ہے۔ ان دونوں میں علم و عرفان کی وفرت اور حال کی کثرت پاں جاتی ہے سلف صالحین کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے اور مزید فرمایا کہ منکرین سماع، سماع غنا کو مطلق حرام کہہ کر تین مصیبتوں میں سے کسی ایک میں ضرور پھنس جاتے ہیں۔

ایک یہ کہ سنن و آثار سے جاہل ہے، دوئم یہ کہ وہ بیامات کو حرام قرار دینے کی افترا پر داندی کھڑے ہے۔ سوئم یہ کہ وہ بے ذوق اور گندی طبیعت رکھتا ہے وہ ایسے ہے جیسے گدھے پر کتا بوں کا بوجھ لا دیا جائے۔

ایک کتاب بیان الفقیر میں مروی ہے: عَنْ عُمَرَ بْنِ كَعْبَةَ عِنْدَ جَارِيتَانِ تَغِيَّيَانِ فَلَمَّا كَانَ وَقْتُ السَّجْدِ قَالَ وَعَيْنِ هَذَا وَقْتُ الْاِسْتِغْفَارِ بے شک عثمان غنی کے پاس دو لونڈیاں تھیں جو گاتی تھیں پس جب سحر کا وقت ہوا تو آپ فرماتے اب گناہا بند کرو یہ استغفار کا وقت ہے۔

شیخ عبدالرحمن اسلمی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ غنا کے متعلق سوال حضرت ابن عمر سے پوچھا کیا تو آپ نے فرمایا شراب کے ساتھ نہ تو کوئی حرج نہیں ہے۔

امام شافعی کی تہذیب میں تحریر ہے۔ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب اپنے گھر اکیلے تھے دو ایک شعر ترم سے پڑھ رہے تھے سیدنا عبدالرحمن بن عوف نے گھر میں داخل ہونے کی اجازت مانگی تب بھی آپ ترم میں تھے تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا آپ نے میری ترم بھری آواز سن لی تھی فرمایا جی ہاں محترم ہم بھی اپنے گھروں میں تھکان و ملال سے آزرہ دل ہو جاتے ہیں تو نہالی میں ایسی آواز مناسب سخن اور شوق ایجنز اشعار سے دل بہلایا کرتے ہیں۔ ائمہ الحدیث احادیث و اقوال سادات سے ثابت ہوا کہ جناب رسول اکرم بنفس نفیس اور آپ کے چاروں خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے باجے کے ساتھ غناسنی آپ کے دیگر صحابہ کرام انصار و ہاجرین نے بھی اسی طرح حضور اور آپ کے خلفاء کی اتباع کی اور غناسنی۔ اس کے بعد جو شخص غنا کو حرام کہے گا وہ اس آیت کا مصداق ہوگا۔ وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ لُولِي مَا تُوْنِي وَلَوْلَا جَهَنَّمُ۔

امام غزالی اہل علم سے العلوم میں فرماتے ہیں: یونس بن عبدالعلی نے امام شافعی سے پوچھا اہل مدینہ سماع کے متعلق کیا فرماتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا۔ حجاز مقدس کے علماء میں سے

کوئی شخص بھی سماع سے کراہت نہیں کرتا۔

علامہ فخر الدین الزراوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "کتاب السماع" سے یہ سب افادات لئے گئے ہیں۔ علماء اہل سنت، جماعت کے نزدیک، شادی نکاح کے اعلان و شہیر کے لئے ڈھول بجانا سنت ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْلِنُوا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوا فِي الْمَسْجِدِ وَأَضْرِبُوا عَلَيْهِمُ بِالْذُّفُوفِ (رواه الترمذی مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۲)

سیدہ عائشہ کی روایت ہے رسول پاک نے فرمایا کہ نکاح کا اعلان کیا کرو اور اسے مسجد میں کیا کرو اور اس پر ڈھول بجایا کرو۔

کتاب خلاصہ میں ہے اور تاج خانہ نے محیط سے اخذ کر کے لکھا ہے کہ شادی نکاح اور ولیمہ میں دف بجانا اور غنا کرنا، مخصوص اوقات میں لہو و لعب کرنا جائز ہے۔ کیونکہ آلہ لہو سے جس کو دف کہا جاتا ہے، اعلان نکاح کیا گیا ہے جیسا کہ شارح علیہ السلام نے حکم دیا ہے۔

أَعْلِنُوا النِّكَاحَ وَكُونُوا بِالذُّفُوفِ - دف بجا کر نکاح کا اعلان کرو۔

ضَوْبُ الْقَضَبِ وَالذُّفُوفُ سُنَّتَانِ لِلْفَرَضِ الشَّوْعِيِّ لِذَلِكَ (کتاب بدائع حنفیہ) بالنسبة

اور دف بجانا ضروریات شرعیہ کے لئے سنت ہے لہو و لعب کیلئے نہیں۔

حاشیہ الزراوی میں لکھا ہے "لا لہو" سے مقید کر کے یہ بتلانا مقصود ہے کہ عام مسلمانوں کے گمانے بجانے اور سرود طنبور بالنسری وغیرہ، شادی، میلہ، عید، جہاد، عیدین وغیرہ اور دیگر ایسی تقریبات پر بجائے جائیں وہ ضروریات شرعیہ میں داخل ہیں اور تفریح مباح کا حکم رکھتے ہیں بشرطیکہ ان میں لہو و لعب نہ ہو، (جیسے آوازرقاصہ کی یا عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف، عورتوں اور مردوں کا اختلاط، مدح، فساق و طیرہ من خرافات الراہیہ، کتاب الکافی کے باب صفة الصلوة میں ہے التخصیص فی الروایات يدل علی نفی ما عداہ ای نفی الحكم فی ما عداہ۔ اور روایات میں تخصیص کا آنا دلالت کرتا ہے کہ حکم مخصوص مخصوص کے علاوہ میں نہیں ہے پس تفسی کی حرمت مقید باللغو ہوگی اور بس۔

جاننا چاہیے کہ غنا کی حرمت، لہو و لعب کی وجہ سے ہے اگر لہو و لعب نہ ہو بلکہ شرعی غرض ہو تو سماع و غنا حرام نہیں ہوگا جیسا کہ شادی و لمیہ جنگ کی تیاری قافلہ کی آمد و رفت، خصوصاً اللہ والوں کی محافل اور سماع و غنا کے مجالس جو مستحسن ہیں یہ سب وہ مقامات ہیں جن میں رقت قلب اور عشق الہی و معرفت باری جیسی صفات حسنہ پیدا ہوتی ہیں۔

تو علماء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک، اہل دل کیلئے جو سماع کلام اللہ تعالیٰ کے حضور ذوق و شوق کا موجب ہو، دلوں میں محویت و رقت پیدا کرے، عذاب الہی سے ڈر پیدا کرے حلال اور جائز ہے پس لامحالہ وہ قربت و عبادت ہے اور اس میں لہو و لعب و مواد و ہوس کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ قال الفقہاء وَهَكَذَا أُجْرَتْهُ بِلَا شَرْطٍ حَلَالٌ (تجدد بصر الحقائق و فتاویٰ ابواللیث) فقہا فرماتے ہیں لہو و لعب کی خاطر نہیں بلکہ شرعی ضرورت کی خاطر بالنسری اور دف بجانا سنت ہے، اس میں فقہاء کا قطعاً اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح اس پر اجرت لینا بھی حلال ہے بشرطیکہ شرط نہ ہو۔

عوارف المعارف میں ہے کہ سماع و غنا، اللہ کریم کی رحمت کو کھینچ لائے۔ بدائع خفیفہ میں ہے کہ سرت و شادمانی کے دنوں میں خوشی کو مزید تقویت دینے کیلئے سماع و غنا مباح ہے جیسا کہ عیدین، نکاح و لمیہ، قدم مسافر، حقیقہ اور تولد طفل غنمہ اور قرآن کا حفظ کر لینا یہ سب سرت و شادمانی کے دن ہیں۔

فقہ شافعی میں ہے کہ غنا گانا اور رقص کرنا یعنی جھومر ڈالنا، بالنسری بجانا، اور ڈھول بجانا، شافعی مذہب میں حلال ہیں۔

اگرچہ پھانج بھی کیوں نہ ہو۔

بدائع میں ہے کہ:

یہ سب جائز ہے کہ رقت پیدا کرے۔

کتاب قواعد میں آئیے کہ امام عین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فی زمانہ مروجہ سماع و غنا کے متعلق فتویٰ طلب کیا گیا تو جواب میں ارشاد فرمایا مباح ہے۔

علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے سماع و غنا کے بارے میں جواب دیا۔ ہمارے ملک میں آثار و سنن سے جاہل لوگ اور غلیظ طبع عامی السان کے سوا باقی سبھی اہل علم سماع و غنا کو مباح قرار دیتے ہیں۔ قطعاً انکار نہیں کرتے۔

تذکرہ حمد و نیر کے مصنف نقل کرتے ہیں، سِئِلَ أَبُو حَنِيفَةَ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ جَمَلًا
اللَّهِ تَعَالَى عَنِ الْغِنَاءِ فَقَالَ لَيْسَ مِنَ الْكَبَائِرِ وَلَا مِنَ الصَّنَاعَاتِ (تذکرہ حمد و نیر ص ۱۵)
امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت سفیان ثوری رحمہما اللہ دونوں نے غنا کے بارے فرمایا نہ وہ
گناہ کبیرہ ہے اور نہ گناہ صغیرہ۔

رہے امام شافعی تو حجتہ الاسلام غزالی فرماتے ہیں: لَيْسَ تَحْرِيمُ الْغِنَاءِ مِنْ مَذْهَبِهِ
بَلْ مَذْهَبُهُ اِبَاحَةُ السَّمَاعِ بِالذَّفِّ وَلَوْ كَانَ فِيهِ جَدَّ جِلُّ يَعْنِي غِنَاءٌ وَسَمَاعٌ مَذْهَبِ
امام شافعی میں حرام نہیں۔ بلکہ اس کے مذہب میں دف بجانا مباح ہے۔ اگرچہ ان
گھنگھروں موجود ہوں۔ (اچھا العلوم الغزالی)

امام احمد بن حنبل سے متعلق لکھتے ہیں: قَالَ أَبُو الْوَفَاءِ بْنِ عَقِيلٍ قَدْ سَمِعَ الْغِنَاءَ
إِمَامَ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ عَنْ ابْنِ الصَّالِحِ (کتاب الفصول ص ۱۷)

[اس کا قصہ یوں ہے کہ ایک دن صالح بن امام احمد بن حنبل مکان کے
اندر دروازہ بند کر کے غنا کر رہے تھے ان کے پاس چند حاضرین جمع تھے
امام صاحب تشریف لائے اور دروازہ بند ہونے کی وجہ سے چھت پر چڑھ
گئے اور ایک درتپچے کے قریب بیٹھ گئے جہاں آواز سنائی دیتی تھی
آپ نے غنا سنا اور وجد و رقص میں آگے جب چھت کی گڑ گڑا ہٹ
محسوس ہوئی تو حاضرین دوڑے دیکھا تو چھت کے اوپر امام صاحب پیش
پڑے ہیں ثابت ہوا کہ امام ابو حنیفہ و امام شافعی کی طرح امام احمد بن حنبل کے نزدیک
بھی غنا جائز ہے۔ (مترجم)]

کتاب شرح کافی میں محدث مدین علی شامی سے منقول ہے کہ سماع وہ مکروہ ہے جو
فاسق یا شہوت لانے والی عورتوں سے سنا جائے جس سے فسق و فجور کی طرف میلان پیدا

ہو اور جو سماع صالحین سنتے ہیں وہ بلا خلاف جائز و حلال ہے۔

حافظ محمد بن علی شامی اپنے نمبر مسکٹ بھائیوں سے اس طرح ذکر فرماتے ہیں۔

کنز الدقائق کی شرح بین الحقائق میں ہے کہ وعظ و حکمت سے لبریز اشعار گانا

باتفاق جائز ہے۔

بدائع صنیفہ میں لکھا ہے کہ بعض لوگ سماع کو مطلق مباح قرار دیتے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ گانے والا جب شہوت پرستی اور فسق و فجور کی نیت سے گلے اور لوگ اس کا گانا بجا مائیں کفر فسق و فجور میں مبتلا ہوتے ہوں تو ایسے شخص کی گواہی مردود ہے اور اگر گانے والا اس نیت سے گلے کہ تھکان و ملال اور دل آزر دگی رفع دفع ہو جائے اور سننے والے نئے شوق و ذوق سے اپنے معاملات میں مصروف ہو جائیں تو ایسے گلے بجانے والے کی گواہی مردود نہیں بلکہ مقبول ہے۔ اور اس نیت سے گلے بجانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

غنا و مزامیر فی نغمہ حرام نہیں بلکہ عوارضات محرمہ یعنی لہو و ہوائے نفسانی کی وجہ سے حرام ہیں اور اس میں تو شک نہیں کہ عمدہ آوازوں کا سننا، اصل میں مباح اور جائز ہے۔ لایعنی اور لہو و لعب نفسانی پر مشتمل گانا گانا اور سننا دونوں حرام ہیں اور ان عوارضات محرمہ سے بری ہونے کی صورت میں باقی اصل اباحت رہ جاتی ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہے۔

اگر عمدہ آواز فی نغمہ حرام ہوتی تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز وغیرہ میں، قرآن کو عمدہ آواز سے پڑھنے کا حکم نہ دیتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا لحن داؤدی شہور ہے جب اچھی آواز سے زبور شریف تلاوت فرماتے تو جن و انس سبھی جمع ہو جاتے کلام مبارک کی شیرینی و حلالت اور لحن داؤدی کا حسین امتزاج جب رنگ لانا تو ہزاروں کی تعداد میں جنازے اٹھ جاتے (کتاب المحیط باب الکرامت والاستحسان فصل اٹھارویں)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ السیر اللبیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے دَخَلَ عَلَيَّ أَحْمَدُ بْنُ بَرَاءٍ مِنْ مَالِكٍ هُوَ كَانَ يَتَغَنَّى. انس بن مالک اپنے بھائی براء بن مالک کے ہاں تشریف فرما ہوئے جبکہ آپ کا بھائی عمدہ آواز میں کچھ گلے جاتا تھا۔ تو آپ نے

اس کا گانا سن کر فرمایا جب سماع سے فرحت و سرور اور دلی مسرت پیدا ہو تو اس میں کوئی خرچ نہیں ہے۔

البتہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شادی بیاہ اور ولیمہ کے موقع پر سماع و غنا میں کوئی خرچ نہیں اگرچہ اس میں لٹو و لعب ہو کیونکہ اس سے مقصد صرف یہ ہے کہ نکاح کا اعلان اور تشہیر ہو جائے جیسا کہ شارح علیہ السلام نے حکم دیا ہے۔

شمس الائمہ نخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تھکان و ملال دفع کرنے کیلئے سماع و غنا کی شرعا اجازت ہے بشرطیکہ لایعنی اور فسق و فجور اور شراب و رباب وغیرہ امور پر مشتمل نہ ہو۔ کنز الاقائق کی شرح بحر الرائق میں "اولیٰ غنی للناس" پر شرح فرماتے ہیں کہ یہ سماع و غنا محض لوگوں کو جمع کرنا مقصود نہیں بلکہ اپنے دل کی آزر دگی دفع کرنے کے لئے ہو تو مباح ہے۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے، عمرس، ولیمہ مسافر کی وطن واپسی، فتنہ، حفظ قرآن اور دلوں میں گداز پیدا کرنے میں، سماع و غنا کو جائز قرار دیا ہے۔

فتاویٰ ابواللیث میں ہے کہ شادی بیاہ کے علاوہ دوسرے مواقع میں سرود سننا ایک متنازعہ مسئلہ ہے بعض علماء کرام مکروہ لکھتے ہیں جبکہ جمہور علماء کرام کا کہنا ہے کہ عرس مسافر کی وطن واپسی اور دیگر ہر قسم کی مسرت و شادمانی کے مواقع پر سماع و غنا اور سرود مباح ہیں اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (تکملہ بحر الرائق اور فتاویٰ ابواللیث)

قوال کا بلا شرط "گانا گلنے اور سننے کی اجرت لینا" حلال اور جائز ہے۔ دھکنا اجرت، بلا شرط حلال (تکملہ بحر الرائق و فتاویٰ ابواللیث) اور فقہ حنفی کی معتبر کتابوں کی شرح میں لکھا ہے۔ اخذ المال من غیر شرط بیاح اکلہ سرود و غنا میں شرط کئے بغیر، مال لینا مباح ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔

فقہ والوں نے ایک اصول بیان کیا کہ جب مفتی ایک وقت کسی مسئلہ کے بارے میں فتوے دیدے تو دوسرے وقت میں بھی اس جیسے مسئلہ میں وہی جواب فتویٰ دیا جاتا ہے چنانچہ کتاب البیان میں آیا ہے کہ ہمارے اصحاب نے گانے بجانے اور گانا سننے میں مرد و عورت میں کوئی امتیاز نہیں کیا اور فرمایا کہ آزاد عورت کی آواز بھی اس کے چہرے کی طرح معتبر ہے۔

ہیں ہئے۔

اب اللہ تعالیٰ کی پوری طرح حجت قائم ہوگئی اور اس کے بعد جو کوئی انکار کرے گا جواز سماع سے تو اس کا قول مردود ہوگا۔ اور احادیث مبارکہ سے ثابت کیلئے کہ جب عورتوں کا غنا جائز ہے تو مردوں کا بطریق اولیٰ جائز ہے نیز جس چیز کا سننا جائز ہے اس کا سنا کرنا کیونکر حرام ہو سکتا ہے۔ منکرین سماع و سرود کی پیش کردہ احادیث مؤول ہیں جنہیں تفصیل سے پیش کیا جا رہا ہے۔

(۱) عَنْ أَبِي أَمَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ رَجُلٍ يَدْفَعُ صَوْتَهُ فِي الْغِنَاءِ إِلَّا بَعَثَ اللَّهُ عَلَيْهِ شَيْطَانَيْنِ أَحَدُهُمَا عَلَى الْمَنْكِبِ وَالْآخَرُ عَلَى هَذَا الْمَنْكِبِ۔

حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ آدمی جو گانا گانے میں اپنی آواز اونچی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دو شیطان مسلط کر دیتا ہے۔ ایک اس کندھے پر اور دوسرا، دوسرے کندھے پر (اگر بیٹھ جاتا ہے)

تاویل یوں کی گئی کہ ”ما مِنْ رَجُلٍ يَدْفَعُ صَوْتَهُ فِي الْغِنَاءِ“ میں گانا گانے والا مرد مراد نہیں بلکہ سامعین میں سے جس بد نیت اور منکر سماع نے بد نظمی پھیلانے کی نیت سے غنا کے دوران اپنی آواز اونچی کر لی تاکہ لوگوں کو غنا گانے اور سننے میں مزاحمت ہو، منع ہے اور ایسے شخص کو دو شیطان دلبرج لیتے ہیں جیسا کہ تلاوت قرآن میں حکم دیا کہ قرآن سنو اور خاموش رہو کیونکہ بوقت تلاوت لوگوں کا کلام کرنا بولنا اونچی آوازیں نکالنا، سننے کو مزاحم ہوتا ہے۔ لہذا ممنوع ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حدیث درج بالا منکرین سماع کے لئے حجت نہیں ہے۔ بلکہ اس حدیث سے سماع کا خوبصورت چہرہ بے نقاب ہو گیا کہ گانا، خاموشی اور سکون کے ساتھ سننا چاہیے۔

(۲) عَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ ابْلِيسَ أَوَّلُ مَنْ نَاحَ وَتَغَنَّى بِرَوَايَةِ جَابِرِ بْنِ يَكْرَةَ فَرَمَايَا، اس میں شک نہیں کہ پیٹنے والوں اور گانا گانے والوں میں سب سے پہلا شخص ”ابلیس“ تھا۔

اس حدیث کی یوں تاویل کی گئی کہ "ناح" کا مصدر نوحہ ہے جس کے معنی ہیں میت پر بن کرنا مردہ پر ماتم کرنا اور تغنی میں غنا سے لھو واستہزا والا گانا مڑا ہے۔ کیونکہ جس طرح ماتم کرنا اور بن کرنا حرام ہے اسی طرح لایعنی امور پر شتمل گانا بجانا بھی حرام ہے البتہ دل میں رقت اور محبت الہی پیدا کرنے والا غنا مباح ہے۔ اسی طرح احادیث کی تاویل کرنے سے متعارض احادیث و اخبار میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔

(۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ الْغِنَاءُ يُدَسُّ التَّفَاقُ فِي قَلْبِ كَمَا يُدَسُّ السَّمَاءُ الْبَقْلَ سَيِّدَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ كَافِرَانِ هِيَ كَغِنَا دِلِّ فِي مَنَافِقَتِ بِدَا كَرْدِي تَلِي جِيَا كَرِيَانِي بِنَزْه كَرِيَانِي ثَابِتٌ هُوَا غِنَا حَرَامٌ هِيَ۔

اس قول کی تاویل یوں ہوتی ہے کہ منافقت کا معنی ہے اچھا کام کرنے میں کام کرنا کی نیت کا خراب ہو جانا (مثلاً نماز پڑھی جائے لیکن دل میں ارادہ و اعتقاد، اللہ کی رضا و خوشنودی کا نہ ہو کوئی اور غلط ارادہ ہو)

پس بُری نیت، اعمال کو فاسد کر دیتی ہے۔ ثابت ہوا کہ غنائی نفع، اچھا کام ہے مگر جب نیت خراب ہو تو منافقت کا باعث ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر میں الغنا سے مراد خاص غنا ہے اور وہ وہی ہے جو مہنیات شرعیہ پر شتمل ہو اور لہو و لعب کے طریق پر کی جائے جو صوت شیطان ہے اور جس کا خلاصہ منافقت و ضلالت ہے ایسے غنا کو ہم بھی ناجائز اور حرام کہتے ہیں پس اس اثر سے مطلق غنا کی حرمت ثابت نہ ہوئی۔

(۴) امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مَا تَغْنَيْتُ وَمَا مَسَسْتُ ذَكَرْتُ نَهْ تَوَيْمِي نَهْ كَبِيْ كَانَا كَا يَا اُورْ نَهْ اِيْنَهْ سَتْرُ كُوْ جِيَا۔ جس کی تشریح و تاویل حسب ذیل ہے کہ جب سے سید ان کائنات محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوا تب سے نہ گانا گایا اور نہ ستر کو ہاتھ لگایا۔ شاہ فخر الدین الزراوی کی تصانیف کا یہی خلاصہ اور یہی مفہوم ہے۔ وَاللَّهُ اعْلَمُ بِالصَّوَابِ إِلَيْهَا الْمَرْجِعُ وَإِلَيْهَا الْمَأْتَابُ۔

آداب المریدین میں خواجہ ممشاد عسلی و نیوری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے انہیں

رسول کریم کی خواب میں زیارت ہوئی سماع میں اجتماع سے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ مجلس سماع قرآن سے شروع اور قرآن پر ختم کرو تاکہ ثواب عظیم پاؤ۔

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ کعب بن زہیر شاعر جاہلیت نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے متعلق ساٹھ اشعار کا ایک ہجو قصیدہ لکھ دیا۔ سکہ فتح ہوا تو آپ نے صحابہ کرام کو حکم دیا جہاں کہیں کعب بن زہیر ملے اسے قتل کر دو خوف و ہراس طاری تھا۔ کعب بن زہیر مدت تک کہیں جا کر چھپ رہے آخر گوشہ تنہائی سے ننگ آکر برقعہ اڑھانہ چھپائے بارگاہ بیکس پناہ رسول مقبول میں حاضر ہو گئے کلثم شہادت پڑھ لیا پوچھنے پر بتلایا اے اللہ کے رسول کعب بن زہیر ہوں اور قتل کے خوف سے زنار لباس اور نقاب پہن کر حاضر ہوا ہوں۔ جواب بلا اچھا کیا ہے عرض کیا میں نے آپ کے خلاف ساٹھ اشعار پر مشتمل ہجو لکھی تھی اب کفارہ کی نیت سے آپ کی منقبت میں ایک سو بیس اشعار کا نعتیہ قصیدہ لکھ لایا ہوں حکم ہو تو پیش کروں۔ اجازت مل گئی۔ کعب بن زہیر نے جان فزا اچھی آواز اور دل ربا خوش الحانی میں اس قصیدہ کو پڑھنا شروع کیا۔ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں۔ درج ذیل شعر پر وجد میں آ گئے۔

نَبِئْتُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ أَوْعَدَنِي
وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ مَا مَوْلَى!

مجھے علم ہوا کہ رسول اللہ نے میرے قتل کا حکم دے دیا ہے جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عفو و درگزر کی امید ہے۔

آپ نے فرمایا مکرر مکرر یعنی اس شعر کو دوبارہ پڑھیے چنانچہ کعب بن زہیر نے دوبارہ پڑھا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی فرحان و شادان تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل دل و قوالوں کو سنت نبوی کے مطابق ”مکرر مکرر“ کہہ کر کلام دوبارہ سنا کر ثمرے ہیں۔

سرکار کے کندھے پر چادر ”منزل“ عالم وجد میں گھر پڑی اٹھا کر آپ نے کعب بن زہیر

کو عنایت کر دی۔ درویشانہ خرقة، قوالوں کی ملکیت ہوتی ہے۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں وہ چادر بعوض چارہ ہزار دینار کعبہ سے خریدنا چاہی مگر کعبہ نے انکار کر دیا کعبہ کے انتقال کے بعد اولاد کے ورثہ میں چادر آئی۔ تب امیر معاویہ نے بعوض بیس ہزار دینار اس چادر کو اولاد کعبہ سے خرید لیا۔

یہی وجہ ہے کہ ارادت مند اور مشائخ کے شیدائی، بھاری قیمت ادا کر کے اپنے اپنے مشائخ کا لباس و خرقة اور جو تا تک خرید لیتے، میں مگر کہتے یوں ہیں:

جساکے چند واوم جساں خسریم

بحمد الشد عجیب ارزاں خسریم

آداب السالکین میں منقول ہے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب کرام میں تشریف فرما تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آیتِ رحمت کے کرازل ہوئے۔ آیتِ رحمت یہ ہے۔ قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَتِي اللَّهُ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔ تم فرما دو اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں بے شک وہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ (پارہ ۲۲ رکوع ۲)

سید دو عالم بہت خوش ہوئے اور اپنے اصحاب سے شعر سنانے کا حکم دیا اصحاب کرام نے خوش آواز اور دل بھانے والے الحان میں شعر سنانا شروع کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وجد میں آگے۔ چادر مبارک کندھے سے گری پڑی مجلس میں موجود سینکڑوں اصحاب نے شعر گوئی فرمائی۔ بالآخر اس چادر کے ایک ٹوکڑے کے گئے اور ایک ایک ٹکڑا کر کے صحابہ کرام میں تقسیم کر دیا گیا صحابہ کرام بطور تبرک وہ چادر مبارک کے ٹوکڑے اپنے اپنے ساتھ لے گئے۔

اس نقل سے ثابت ہوتا ہے سماع کی حالت میں اہل دل کی جو چیز ان کے جسم سے گر جاتے وہ قوالوں کا حق ہوتا ہے۔ اور اسی رمز کی نشان دہی ہے یہ حدیث مبارک کہ مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلْبُهُ، جس نے کسی کو قتل کر دیا تو مقتول کا ساز و سامان اس سے

قابل کا ہے۔

آداب السالکین ہی میں منقول ہے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اپنے دوستوں میں تشریف فرما تھے کہ سیدنا جبرائیل علیہ السلام اللہ پاک سے خوشخبری لائے کہ اے اللہ کے رسول! تیری امت کے فقیر، دوسری امتوں کے دولت مندوں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بشارت سے بہت فرحت و راحت ملی۔ فرمایا سماع کی محفل لگائی جائے ایک بدو نے جانفزا خوش آواز اور لہن داودی میں گانا شروع کیا کہ سیدائے کائنات پر وجد و قص طاری ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سماع اور وجد و قص۔ ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا، آج عید کا دن ہے اس خوشی میں ان دونوں لونڈیوں کو گانے دو۔ ربیع بنت معوذ کے ولیمہ ولے دن گانے والی عورتوں سے فرمانا دی گانا گاؤ جو پہلے گایا جا رہا تھا۔ اور پھر آپ کا سنا اور اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم کا اپنی اپنی لونڈیوں سے گانا بجانا اور دف و سرود سنانا۔ آئمہ کرام جمیع مشائخ عظام تابعین تبع تابعین کے احوال و اقوال، یہ سب کے سب ثابت کرتے ہیں کہ سماع و غنا صرف مباح ہی نہیں بلکہ مستحب و مستحسن ہے۔ اس کے بعد جو انکار کرے گا جو از سماع کا، تو اس کا قول مردود ہو گا یہی اہل سنت و جماعت کا مسلک ہے۔

فائدہ۔ "امر" بہت معنوں میں استعمال ہوتا ہے ان میں "ایک وجوب" ہے۔ بشرطیکہ اس کے خلاف قرآن نہ ہوں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "أَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ نَمَاز قَائِمٌ كَرُوا اور زكَاةٌ دو۔ نماز و زکوٰۃ لازم ہے۔ اور کبھی کبھار امر، مستحب کیلئے ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا (پارہ ۱) (روح) اور کبھی امر، صرف مباح کا معنی دیتا ہے۔ جیسے فرمایا۔ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا (پارہ ۲) (روح) جب احرام سے نکل کر حلال ہو جاؤ تو شکار کرو۔ یہ بیان اباحت ہے یعنی احرام کھولنے کے بعد شکار مباح ہو جاتا ہے۔

پس جاننا چاہیے کہ سماع و غنا میں جو امر واقع ہوا ہے وہ وجوب کا احتمال بھی

رکھتا ہے اس لئے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گانا گانے کا حکم بالمشافہ دیا اور وہ بھی اپنی موجودگی میں۔ تو صحابہ کرام پر آپ کے حکم کی کسی طور خلاف ورزی جائز نہ رہی۔
 سامعین! اصول یہ ہے کہ جب آپ زمتہ اللعالمین کسی کی بات سنتے وقت ان سے کسی کلام کے اعادے کا مطالبہ کر لیں تو سامعین و ناظرین پر تعمیل کرنا واجب ہو جاتی ہے جیسے ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (پارہ ۹ رکوع ۱۳) اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلنے پر حاضر ہو جاؤ۔ جب رسول تمہیں اس چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی۔ الخ

اندریں حالات جس شخص نے جواز غنا و سماع کا انکار کیا اور اسے حرام سمجھا تو گویا کہ اس کا یہ اعتقاد ہی ہو گا کہ رسول اللہ نے نعوذ باللہ حرام چیز کو سنا اور البو بکر جو حرام سماع و غنا سے روک رہے تھے اُسے آپ نے نہ روکے دیا۔ یاد رکھئے ایسا اعتقاد کفر ہے اللہ بنا دے۔

اعتراض ہے۔ اَعْلِنُوا النِّكَاحَ بِاللَّيْلِ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۱) اور اس جیسی دیگر احادیث و روایات سے صرف شادی کے موقع پر سماع و غنا کی اجازت ثابت ہوئی ہے۔ لہذا اس مخصوص رخصت سے باقی کسی محفل و موقع پر سماع و غنا ثابت نہیں ہوتا ہے۔
 جواب ہے۔ بالفاق جمہور علماء کرام، یہ بات مسلم ہے کہ شان نزول اور سبب نزول کے خاص ہونے سے حکم کا عموم برقرار رہتا ہے۔ قرآن مجید میں آیا ہے: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (پارہ اول رکوع ۲) بیشک وہ جن کی قسمت میں کفر ہے، انہیں برابر ہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، وہ ایمان لانے کے نہیں۔

یہ آیت البوجہل، البولہب، عقبہ، شیبہ ابن سلول وغیرہ کے حق میں نازل ہوئی ہے جو علم الہی میں ایمان سے محروم ہیں مگر اس کا حکم تمام کفار کو شامل ہے۔ اسی طرح دوسری آیت کریمہ: اِمَّا يَبُلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا وَاذَلُّوا لَقَدْ لَهُمَا اٰفٌ وَاذَلٌّ تَشْرَهُمَا وَاذَلُّوا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمٰتِ وَقُلْ

رَبِّ اَرْحَمُهُمَا كَمَا رَبَّيْتَنِي صَغِيرًا۔

اگر تیرے سلسلے میں سے ایک یا دو نو بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے "اف" نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا اور ان کے لئے عاجزی کا بازو بچھا کر نرم دلی سے عرض کرنا کہ اے میرے رب! تو ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا۔

یہ آیت نبی پاک سے خطاب ہے مگر اس کا حکم عام ہے اور جمیع افراد امت کو شامل ہے اس مندرجہ اصول کے تحت "یوم العید" اگرچہ شان نزول میں خاص ہے مگر اس کا حکم عام ہے جو ہر اس حالت کو شامل ہے جس میں دل کو فرحت اور روح کو راحت ملتی ہو اس میں سماع و غنا ہو سکتا ہے چاہے وہ عید کا دن ہو۔ نکاح و ولیمہ ہو۔ مسافر کی آمد یا ختم ہو، غرضیکہ ان سبھی مواقع پر گانا، بجا ناقص و سرود نہ صرف مباح ہے بلکہ مستحب اور مستحسن ہے۔ پس معلوم ہوا کہ رقص و سرود اور سماع و غنا کی رحمت کسی خاص موقع و محل کبھی خاص زمانہ و وقت کے ساتھ مخصوص و معین نہیں ہے۔

سند امام احمد میں آیا ہے: اَنَّ الْمَحْبَشَةَ كَانُوا يَدْفُونَ بَيْنَ يَدَيْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُرْقِصُونَ وَيَقُولُونَ رَسُولَ اللَّهِ مُحَمَّدٌ عَبْدٌ صَالِحٌ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَقُولُونَ قَالُوا يَقُولُونَ رَسُولَ اللَّهِ مُحَمَّدٌ عَبْدٌ صَالِحٌ "بیشک حبشی قوم نبی پاک کے روبرو دف بجاتے تھے۔ رقص و وجد کی حالت میں کہتے جاتے" اللہ کے رسول حضرت محمدؐ ہیں جو کہ نیک بندہ ہیں"

یہ حدیث صاف صاف بتلائی ہے کہ رقص و سرود، سماع و غنا جائز ہے جب معترض کہتا ہے کہ رقص و سرود اور غنا و سماع حرام ہیں تو اس کے حکم کا کھلم کھلا نتیجہ یوں سامنے آتا ہے کہ نبی پاک نے نبوذ باللہ حرام محفل میں حاضری دی اور حبشیوں کو جو حرام کام کرتے تھے انہیں نہیں روکا۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي فَذْرٌ إِذَا الصَّرَفْتُ مِنْ غَزْوَتِكَ هَذِهِ سَأَلِمَا فَاثَمًا أَنْ أَضْرِبَ عَلَى رَأْسِكَ بِالْذِّفِّ

فَقَالَ إِنَّ كُنْتِ فَذَرْتِ فَأَوْفِ بِنَذْرِكَ وَالْأَدْلَى. (رواه أبو داؤد)

ایک عورت نے کہا میں نے منت مانی جب آپ اس جنگ سے بخیر و سلامت واپس تشریف لائیں گے تو آپ کے سر پر دف بجاؤں گی۔ آپ نے فرمایا اگر منت تو نے مانی تھی تو اسے پورا کر لے ورنہ نہیں۔ تو اس عورت نے حضور کے سامنے دف بجایا اور گانا گایا۔ اور یہ شعر پڑھا

طلع البدر علينا من ثنيات الوداع
وجب الشكر علينا ما دُعانا الشدايع .

بطور استدلال، حدیث مذکور میں لفظ امرؤۃ آیہ ہے جس کے معنی محاورات عرب میں بالغہ عورت کے ہیں۔ پس بالغہ عورت جو احکام شرعیہ کی مکلف ہے۔ اس کا دف بجانا اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دف سننا ثابت ہوا۔ اگر بالغہ عورت کا دف بجانا ناجائز ہوتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نذر پوری کرنے کا کبھی امر نہ فرماتے۔ لہذا قص و سرود کی محافل میں حاضری کو حرام سمجھنے والے پر لازم آتا ہے کہ نبی پاک حرام فعل کے ترکیب ہوئے نود بالشد جبکہ یہی اعتقاد بالاتفاق کفر ہے۔ اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ منت حرام کام کے لئے منع نہیں ہوتی۔

[اعتراض۔ ایک مرتبہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دعوت ولیمہ پر کوفہ میں بلئے ہوئے تشریف لائے۔ اتفاق سے وہاں سرود یعنی گانا بھی ہو رہا تھا لوگوں نے آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا کہ گانا ناجائز ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا: اُبْتَلِیْتُ بِهَذَا مَرَّةً فَصَبَرْتُ۔ ایک دفعہ میں اس میں مبتلا ہوا اور صبر کیا۔ معلوم ہوا کہ غنا حرام ہے اور ہم ان کو اتباع کرتے ہوئے غنا و سماع کو حرام قرار دیتے ہیں۔]

جواب۔ اگر غنا حرام ہوتا تو امام صاحب جیسے متقی کی شان کو کب لائق کہ وہ حرام کام پر صبر کرتے اور سنتے رہتے۔ اور اس کے جواب میں اول یوں کہا جالتبے کہ امام ابو حنیفہ کا فرمان بسر و چشم واقعی انہوں نے سماع و غنا حرام قرار دیا جو کہ خواہشات نفسانیہ کی طرف میلان پیدا کرے جس میں غیر شرعی امور ملتے جاتے ہیں اور جو سماع و غنا ہو وہاں کی طرف

دعوت دے رہا ہو وہ بے شک حرام ہے۔ لہذا مطلق سماع و ثنا کی حرمت ثابت نہ ہوئی۔ (واللہ اعلم وعلیہ اتم) کیونکہ مطلق غنا کو حرام قرار دینے میں دو باتوں میں سے ایک ہر حال لازم آتی ہے، کفر یا فسق۔ (مترجم) [

اس بات کی وضاحت کچھ اس طرح ہے۔ ہم تک پہنچنے میں حدیث پاک تین قسم ہے اور ہر قسم کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں۔

(۱) وہ حدیث جو اصل اور فرع دونوں اعتبار سے متواتر ہو جیسا کہ نماز و زکوٰۃ کی احادیث مبارکہ۔ اس حدیث کا حکم یہ ہے کہ ان کا منکر کافر ہے۔

(۲) احادیث کی دوسری قسم وہ جو اصل میں خبر واحد ہو اور فرع میں مشہور ہو جائے جیسا کہ بخاری و مسلم اور بعض نقادوں (واقطنی وغیرہ) کی بعض احادیث مقدسہ ہیں۔ ایسی احادیث کا انکاری فاسق کہلاتا ہے۔ البتہ بخاری و مسلم وغیرہ میں سے بعض وہ حدیثیں جن میں بعض جملے متواتر ہیں سے ہیں اور کچھ ایسی حدیثیں جن کی صحت پر یقین ہو چکا ہے تو ان کا انکاری "کافر" ہے۔

(۳) احادیث کی تیسری قسم جو اصل اور فرع دونوں لحاظ سے خبر واحد ہو جیسا کہ امانت اللہ والموہنون متی۔ ایسی احادیث کا منکر نہ کافر ہے نہ فاسق ہے۔

تیسیم احادیث کے بعد جاننا چاہیے کہ سرود و سماع سے تعلق رکھنے والی تمام احادیث مبارکہ، دوسری قسم سے ہیں یعنی اصل میں خبر واحد اور فرع میں مشہور ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسی حدیثوں کا منکر فاسق ہوتا ہے۔ فیصلہ ہوا کہ جواز غنا کا منکر فاسق ٹھہرا۔ بصورت دیگر امام اعظم کے قول پر عمل کر کے (جواز غنا کا انکاری بن کر) یہ ثابت ہوتا ہے کہ قول امام کو نبی پاک کے فعل و قول پر ترجیح دینے کا مرتکب ہوا۔

پس ثابت ہوا کہ مطلق غنا کو حرام قرار دے کر بڑھ ایک نہ ایک فیصلے کا مرتکب ہوتا ہے یعنی حدیث نمبر دوم کا منکر جو فسق ہے یا قول امام کو فعل نبی پر ترجیح دینا جو کہ کفر ہے اللہم اھدنا الصراط المستقیم۔

جواب دوم۔ شیخ کمال علامہ ابو الفضل جعفر بن ثعلب الادفوی، اپنی تصنیف لطیف

”امتناع السماع“ میں فرماتے ہیں۔ تذکرہ صدوقیہ میں ہے اور مدارج النبوت باب التفتی میں آیا ہے۔ ابن قتیبہ سے روایت ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کا ایک ہمسایہ عمر نامی تھا وہ ہر رات کو آلات کے ساتھ غنا کرتا تھا۔

أَضَاعُونِي وَآيَاتِي أَضَاعُوا
 لیوم کر بیہوش و سدا و لغو
 ”لوگوں نے مجھے ضائع کر دیا اور نہ سوجھا کہ جو ان کو ضائع کر دیا؟ جو سختی اور رخنہ ڈالنے والی مصیبت کے روز ان کے کام آتا تھا“

امام صاحب اسے غور سے سنتے ایک رات آپ نے کچھ دیر بعد عمر کی آواز نہ سنی تو دریافت فرمایا معلوم ہوا کہ وہ بسبب قصور کے جیل خانہ میں قید کر دیا گیا ہے۔ امام صاحب اسی وقت اٹھے عامہ شریف سر پر رکھا اور سیدھے جیل خانہ کی طرف چل دیئے۔ امیر عیسیٰ نامی آپ کے معتقدین و محبتین میں سے تھا آپ کو دیکھتے ہی سر و قد آپ کی تعظیم بجالایا اور تشریف آوری کا سبب پوچھا آپ نے وجہ بیان فرمائی۔ امیر نے عمر نام والے تمام قیدیوں کو اسی وقت رہا کر دیا۔ جب وہی شخص جیل خانہ سے نکل کر امام صاحب کے ساتھ جانے لگا تو آپ نے فرمایا کہ اے جوان! کیا تم نے آپ کو ضائع کر دیا؟ اس نے کہا نہیں بلکہ آپ نے حفاظت فرمائی۔ اختتام اس قصہ کالیوں ہے کہ اس شخص عمر نامی نے امام صاحب کا ادب ملحوظ رکھ کر گانا بجانا بند کر دیا مگر آپ نے اس سے فرمایا کہ جاؤ اپنے گانے میں مست رہو اور ہمیں بھی خوش رکھو پس عمر نے گانا بجانا کیا اور امام پاک نے سنا۔

اس روایت سے خوب اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ آپ اس کا گانا بجانا بغور سنتے تھے اور اسے گانے سے نہ روکا بلکہ اسے حکم دیا کہ (جاؤ گاؤ مست رہو اور ہمیں بھی گانا بجانا سنا کر خوش رکھو) سماع و غنا کی اباحت پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ زہد و کمال تقویٰ کے باوجود امام کا روزانہ گانا بجانا سنا، کسی اور امر پر محمول نہیں کیا جاسکتا سوائے اس کے کہ وہ آپ کے نزدیک جائز تھا

ہاں وہ روایت درج بالا جو اس کے خلاف آپ سے مروی ہے، وہ اس گانے پر محمول ہوگی جو لایعنی اور طہود و لعب اور غیر شرعی امور پر مشتمل ہو۔ تاکہ آپ کے فعل و قول میں

مطابقت رہے۔

ہم سمجھی ارادت مندوں کو سماع و غنا کا انکار کرنا اور اسے حرام قرار دینا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا فرض ہے کہ منکرین سماع و غنا کو ایسے طریقہ سے قائل کریں کہ وہ بھی اس کی مخالفت سے باز آجائیں۔

جاننا چاہیے کہ سماع، مقدس ارواح کے لئے لطیف غذا ہے جس میں شتاقانِ بارگاہِ کو حسین چشمنِ نظر آتے اور ذرہ بھر قبح کا شائبہ نہیں پایا جاتا۔ ارواحِ مقدسہ اس سے محظوظ ہوتے ہیں اور دل کی آزر دگی دفع کرتے ہیں۔

حضرت ابوعلی الدقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ سماع اہل معرفت کی لطیف غذا ہے لیکن اس مسئلہ میں مشائخ نے اختلاف کیلئے اور سُننے والوں کی حالت پر سماع کی نسبت و حرمت موقوف ہے۔ اگر صاحب سماع کو حق کی طرف زیادہ میلان ہو تو سماع اس کے حق میں مباح ہے ورنہ مباح نہیں بلکہ حرام ہے۔ فرماتے ہیں کہ سماع کا حال بادِ صبا جیسا ہے۔ جب بادِ صبا باغات سے گزر کر آئے تو دل و داغ پھولوں سے لائی ہوئی خوشبو سے فرحت و سرور پاتے ہیں اور اگر ویرانوں اور گندگی کے گڑھوں پر سے گزر کر بادِ صبا آئے تو بدبو سے انسانی مشام خراب اور پریشان ہو جاتے ہیں۔

الشاہ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمۃ اللہ علیہ عشرہ کاملہ میں فرماتے ہیں۔ کہ جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے رُوح و قلب میں عشق و شوق و دلچست رکھا ہے اور عادتِ خداوندی یوں جاری ہے کہ جب انسان ان دلغریب اور سُرملی آوازوں کو سُنتا ہے جس میں ایک مقناطیسی کشش اور کُہراٹی جذب ہوتا ہے۔ نیز اس میں سُرملی آواز کو شوق و عشق اور رُوح سے ایک خاص طرز کی مناسبت ہوتی ہے تو اس وقت عشق و شوق کو ایک زبردست تحریک ہوتی

ہتے جس کے باعث وہ باطن سے ظاہر میں قدم رکھتے ہیں اور جوش و شدت میں آجاتے ہیں۔ جب یہ بات معلوم ہو چکی تو اب جاننا چاہیے کہ نڈب، اباحت اور حرمت کا دار و مدار اسی عشق و شوق پر ہے یعنی یہ عشق کبھی مباح، کبھی مستحب اور کبھی حرام ہوتا ہے اگر خالق کا ناس کا عشق ہے تو مبارک مستحب اور مستحسن ہے اور اگر کسی ایسی مخلوق کا عشق ہے جس کی طرف شارع علیہ السلام نے شہوت سے دیکھنا حلال فرمایا تو ان سے عشق مباح اور جائز ہے جیسا کہ اپنی منکوہ بیوی یا مملوکہ لونڈی ہو۔ اور اگر ایسی مخلوق کا عشق ہے کہ بشہوت نظر کرنا اس پر حرام کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اجنبی عورت اور غیر مملوکہ اور خوبصورت لڑکا، تو یہ عشق حرام ہے۔ ان دونوں قسموں کے عشق میں سماع حرام ہے بشرطیکہ یہ سماع شہوت برانگیختہ کرے اور سماع کوڑہ زہ کر شہوت پرستی اور شراب نوشی پر ابھارے اور اگلے۔

لیکن جب سُسننے والا شہوت سے امن میں ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اور جو شخص صرف نشاط قلب اور فرحت روح کے لئے راگ سُنتا ہے تو اسے حلال اور مباح ہے۔ اور اگر کسی شخص کا قلب و جگر ان تمام باتوں سے خالی ہو تو اس کے حق میں راگ مکروہ ہے۔ مکروہ تحریمی نہیں بلکہ مکروہ تنزیہی ہے۔ کیونکہ ایسے شخص کے حق میں سماع سُسننا عبت اور بیفائدہ عمل ہے۔ جھانچہ دار دف، طبلہ، شاہین بال سری اور تمام وہ آلات جو مزامیر و اوتار کے علاوہ ہیں سب کا گانا بجانا جائز ہے۔

فائدہ ۱۱۔ جاننا چاہیے کہ ”مزمار“ ایک آلہ موسیقی ہے (مُری بال سری) جس سے سُری آوازیں وجود میں آتی ہیں علماء و مشائخ رضوان اللہ علیہم نے اس کو سُسننے میں اختلاف فرمایا ہے۔

بعض نے کہا کہ مزامیر سُسننا اور مزامیر بجانا دونوں حرام ہیں وجہ یہ بتلائی کہ مزامیر سُسننے بجانے سے شراب نوشی یاد آجاتی ہے۔ (زمانہ جاہلیت میں مزمار اور شراب دونوں لازم ملزوم تھے) ثقہ لوگوں کی روایت ہے کہ جب آیت الخمر نازل ہوئی ارشاد باری تعالیٰ ہوا،
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسُورُ وَالْأَنْصَابُ وَالَّذِلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ
الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ (پارہ ۱۰۰) لے ایمان والو! شراب، جوا

بت اور تیر پلید شیطان عمل میں سے، میں پس ان سے پرہیز کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔
حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب کے ساتھ مزامیر بھی حرام قرار دیئے
کیونکہ شراب نوشی اور دف و سرود آپس میں دونوں لازم و ملزوم تھے اور یہی وجہ ہے کہ سرود
و سماع من کراہیں شراب یاد آیا کرتی اور شراب نوشی کے مرتکب ہو بیٹھتے تھے۔ لہذا احتیاطاً
سرود و سماع اور مزامیر بھی شراب کے ساتھ حرام کر دیئے گئے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ جنگ و جہاد پانچوں وقت برائے نماز اور نکاح برات
ولیمہ کے اعلان و اظہار کیلئے ڈھولک بجانا مباح اور حلال ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا
ہے: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اَعْلِنُوا
النِّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوا عَلَيْهَا بِالذُّفُوفِ (رواه الترمذی، مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۲)
بروایت سیدہ عائشہ، نکاح کا اعلان کرو اور اسے مسجدوں میں منعقد کرو اور
اس پر ڈھولک بجاؤ۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ عید اور مرتبہ و شادمانی کے دنوں میں ڈھول بجے
بجائے جابیں تاکہ خوشی کا اظہار ہو اس لئے کہ ڈھولک کی آواز میں دو صفات پائے جاتے ہیں۔
ایک مڑلی آواز اور دوسری صفت ہے پوری شدت و قوت سے اعلان و اظہار، انہی
دو وصفوں کی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سماع و سرود کو مباح فرمایا ہے۔ (ان
احادیث و روایات سے لھو و لعب کی رخصت اور خوش الحانی کے ساتھ شعر پڑھنے اور
سننے کا جواز روزہ روشن کی طرح ثابت ہے۔

پس جب لھو جائز ہو تو آل لھو کیونکر حرام ہو سکتے ہیں۔ لھو سبب ہے اور آل اس
کا سبب ہے۔ معارف آلات لھو ہیں اور لھو جائز ہو تو مزامیر و معارف کا حرام ہونا کیونکر
مستقور ہو سکتا ہے؟

ہم اپنے بیان میں واضح کر چکے ہیں اور ثابت کر دیتے ہیں کہ مزامیر میں دف شامل ہے
اس لئے کہ وہ بھی ایک آل لھو ہے اور دف کا بجانا جائز لہذا بطور قیاس باقی مزامیر و معارف
مطلقاً حرام نہیں ہوں گے ورنہ دف بھی حرام ہوگا۔ اور یہ باطل ہے۔

اور یہ بات طے ہے کہ سرود و سماع کی حلت و حرمت لھو و لعب پر موقوف ہے
لھو و لعب علت ہوگی تو غنا پر حرمت کا حکم ہوگا۔ علت نہ ہو تو حرمت کیسی؟

حجتہ الاسلام امام الغزالی رحمۃ اللہ علیہ، مزامیر کی آواز کو پرندوں کی آوازوں پر محمول فرماتے
ہیں اور اسے سُننا گانا بجانا مباح قرار دیتے ہیں۔ محمول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مزامیر اور
پرندوں دونوں کی آواز میٹھی اور سُریلی ہی ہے۔ اسی طرح امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بقول
غمزدوں اور دُر دمندوں کو سرود و سماع جائز ہے۔ غلبہ شوق میں بعض مغلوب الحمال لوگوں نے
مزامیر کے ساتھ قوالی سنی ہے۔ اس کی تائید ذوالنون مصری کے فرمان سے ہوتی ہے۔ حضرت
ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اچھی آوازیں، اللہ تعالیٰ کے خطابات و ارشادات ہیں
جن کو ہر مرد و عورت کی پاکیزہ جان میں ودیعت رکھا گیا ہے۔ علت حرمت (فسق و فجور و غفلت
از خداوند لھو و لعب) نہ پائے جانے سے اچھی آوازیں سُننا مباح ہے۔ علیٰ ہذا القیاس،
جنگ میں طبل زنی، نکاح میں ڈھولک بلبجے اور سرت و شادمانی کے دنوں میں سماع و غنا،
مباح ہے۔ علت میں تغیر و تبدل آنے سے حکم میں تبدیلی لازم ہو جاتی ہے۔

جب صاحب ذوق شخص لھو و تغافل لطاعات اللہ سے فارغ ہو اور اس کا دل رُوح کی
صفائی اور پاکیزگی سے متصف ہو۔ عشق الہی و معرفت باری کی صفات حسنہ پائی جائیں اور دیدارِ
خداوندی اور اس کے مشاہدہ ذاتی کا شوق رکھا ہو تو ایسے سعادت مند شخص کو مزامیر کی
آوازیں نہ صرف کدورت سے نکال کر پاکیزگی کی طرف لے آتی ہیں بلکہ پستی سے اٹھا کر
عشق کی بلندیوں تک پہنچا دیتی ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ عالم ملکوت کی سیر کے لئے روحانی
قوت اور باطنی غذا ہی سُریلی آواز ہے۔

شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی قدس سرہ اپنی تصنیف لطیف "عشرۃ کاملہ" میں فرماتے ہیں۔
سماع کے وقت جو سعادت عالم باللہ سے فائز ہوتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔ الوارہ احوال
اور آثار۔ ان تینوں میں سے ہر ایک چیز خداوند تعالیٰ کے تین عالم یعنی عالم ملکوت، عالم جبروت
اور عالم ملک سے پیدا ہوتی ہے اور ان میں ہر ایک کا ان تین مقاموں یعنی ارواح قلب اور
جوارح میں سے کسی ایک کے بالترتیب نزول ہوتا ہے۔ الوارہ عالم ملکوت سے پیدا ہو کر ارواح

پر نزول کرتے ہیں اور احوال، عالم جبروت سے علیحدہ ہو کر دل پر نازل ہوتے ہیں اور آثار عالم ملک سے پیدا ہو کر اعضا پر آتے ہیں۔

چنانچہ عشرۃ کاملہ میں آیات کے سماع و غنا دو قسم ہے ایک ہاجم دوسرا متکلف پہلی قسم کا سماع، قلب میں ایک ایسی غیر معمولی حرکت پیدا کرتے ہیں جو بیان میں نہیں آسکتی۔ اور دوسری قسم سماع متکلف کی شان سے یہ ہے کہ سُننے والا اسے سُننا ہے تو اس کا دل خود بخود ایک بے اختیاری جوش کے ساتھ محبوب کی طرف براہِ گنجینہ ہوتا ہے۔ مُرشد ہادی اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف طبعی میلان رکھتا ہے اور خود حق تعالیٰ و تقدس کی تجلی کی طرف مائل ہوتا ہے۔

اور سماع و غنا کبھی کبھار کشف و مشاہدہ کا باعث و سبب بھی ہوتا ہے کیونکہ اس سے انسانی حالت میں تغیر و تبدل پیدا ہو جاتا ہے۔

فائدہ۔ جاننا چاہیے کہ سماع کے آداب بہت ہیں مگر مشہور تین ہیں۔ زمان۔ مکان اور اخوان۔

(۱) زمان سے مراد یہ ہے کہ سماع کی محفل اس وقت منعقد ہو جب نہ تو نماز کا وقت ہو نہ کھانے پینے کے لئے حاضر ہونے کا وقت ہو۔ دل میں گرفتگی نہ ہو بلکہ دل جمعی کا وقت ہو۔ (۲) مکان سے مراد یہ ہے کہ سماع کی محفل کا مکان، شارع عام نہ ہو اور عام چلتے ہوئے راستے پر نہ ہو۔ نیز ایسی جگہ بھی نہ ہو جس کی ظاہری صورت مکروہ ہو اور ناموزوں ہو بلکہ مجلس خانہ دل کشا اور فرحت بخش جگہ ہو اور اس مکان کی تعمیر کا اینٹ گارا تک زرقِ حلال سے ہو۔

(۳) تیسرے نمبر پر کہ اس محفل سماع میں شامل، سبھی پیر بزرگان ہوں تاکہ کسی شخص کے دل میں انکار و مخالفت پیدا نہ ہونے پائے۔ نیز اس محفل میں کافر نہ ہو، فاسق و فاجر مُسکر، خولِ بصورت لڑکا اور عورت نہ ہو اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس محفل سماع میں کوئی سماع و سرود کا مُسکر، جو بظاہر لباسِ زہد سے ملبوس اور آراستہ ہو اور باطن میں متکبر متکلف، نخوت پسند اور ریاکار ہو، نہ ہو۔

[سماع اے برادرِ بگویم کہ چسیت
 گساز برج معنی بود طیراؤ
 مگر مرد لھو است بازی ولاغ
 قوی تر شود طھوش اندر دماغ
 مگر ستمع را بدانم کہ کیست]

(سعدی رحمۃ اللہ علیہ) مترجم]

الشاہ کلیم اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ درج بالا آداب سماع کے ساتھ ساتھ چند اور بھی ایسے آداب ہیں جن کی رعایت سائل پر لازمی اور ضروری ہے۔

مثلاً جب تک محفل سماع قائم رکھی جائے حاضرین با وضو رہیں۔

محفل سماع جمنے سے بیشتر اور اس کے آخر میں سورۃ فاتحہ شریف ایک دفعہ

اور تین بار سورۃ اخلاص پڑھ کر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود

سلاک پڑھے جائیں۔ اس محفل میں کوئی شخص بالقی مار کر نہ بیٹھے نہ چرت لیٹا

رہے بلکہ حالت تشہد میں بیٹھا جائے۔ قوال لوگ اجرت کے لالچی اور

حریص نہ ہوں بلکہ جو کچھ انہیں دے دیا جائے نقدی وغیرہ اسے عنایت و احسان

سمجھ کر قبول کر لیں۔

دوران سماع ایک دوسرے سے کلام نہ کریں نہ دیدہ دانستہ نہ جاگئے

بلکہ دوران قوالی و سماع صرف گندہ رکھے اور جو کچھ گایا جا رہا ہو بغور اور ہمہ تن توجہ

سنا جائے۔ کھانسنے، کھنکارنے اور جاہیاں لینے سے اجتناب کیا جائے۔

اگر وجد غالب ہو اور بے اختیار تحریک ظاہر ہو تو معذور ہے لیکن اس کے

ساتھ ہی یہ بات ضروری ہے کہ جب ہوش و حواس بحال ہو جائیں تو مستقل طور

پر بیٹھ جائے کوئی حرکت نہ کرے۔

اس مقام کی تفصیل یہ ہے کہ اختیار اور شعور دو متفاثر مفہم ہیں دونوں کو ملا کر چاہئے

پیدا ہو سکتی ہیں۔

ایک دونوں کا عدم۔ دوسرے دونوں کا وجود۔ تیسرے اول کا وجود اور دوسرے کا عدم۔

چوتھے اس کے برعکس یعنی اول کا عدم اور دوم کا وجود۔ لیکن حالت سماع و سرود میں یہی چوتھی

صورت یعنی اختیار کا عدم اور شعور کا وجود، سجد پسندیدہ اور خورسند ہے کیونکہ یہ صورت پہلی صورت سے جسے بعض لوگوں نے جائز قرار دیا ہے، بہر حال اولیٰ اعلیٰ اور بہتر ہے اور باقی دونوں درمیانی صورتیں وجد و رقص کیلئے متروک ہیں۔

جو تھی صورت کے اولیٰ اور بہتر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صاحب وجد کی حالت بالکل ویسی ہی ہوتی ہے جیسے نہایت غضب ناک اور غصیلے شخص کی حالت عین غصہ و غضب میں ہوتی ہے۔ غضب ناک آدمی غصہ کے وقت اپنے افعال کے نتائج کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور ان کا شعور رکھتا ہے۔ دیکھیے جب کسی غصیلے آدمی کے غصہ کی آگ بڑی تیزی کے ساتھ بھڑک اٹھتی ہے تو وہ یا تو اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے یا اس کا منہ پیٹنے لگتا ہے یا لکڑی سے مارنے لگتا ہے۔ یا قتل کر ڈالتا ہے اور اس بات کا بخوبی شعور ہوتا ہے کہ طلاق کی وجہ سے جدائی واقع ہو جائے گی اور منہ پر طمانچے مارنے سے عورت کو تنبیہ ہوگی اور ہاتھ سے مارنا، لکڑی سے زرد کو ب سے کم تر سزا ہے۔ اسی طرح ضرب، قتل کی نسبت کم تر درجہ رکھتی ہے۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن وہ غضب ناک آدمی، ان مراتب و مقامات کے صدور میں کوئی اختیار نہیں رکھتا ہوتا۔ علیٰ ہذا القیاس، صاحب وجد بھی اختیار نہیں رکھتا مگر قوال کا کلام سمجھنے کا شعور رکھتا ہے اور کپڑے اتار کر قوالوں کو دینے کا شعور بھی رکھتا ہے۔ پس جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ سماع کے وقت، اختیار کے ساتھ شعور کا سبب بننا چاہیے تو وہ ٹھیک نہیں کہتے۔

[دیکھیے نشہ بازوں کی مجلس میں اس نشہ باز کو ترجیح دی جاتی ہے جو نشہ پینے کے باوجود بے ہوش نہیں ہوتا ہے، بخلاف ان نشہ بازوں کے جو نشہ پی کر ہوش ہو جاتے ہیں انہیں لوگ کسی شمار میں نہیں لیتے ہیں اور سالک کو اس شرم کے مارے، وجد میں رہنا اور اس پر مداومت کرنا لائق نہیں ہے کہ مبادا لوگ یوں کہنے لگیں اس شخص نے اپنے وجد کو قرب سے منقطع کر لیا ہے اسی طرح خوف سے تکلف وجد کرنا بھی مناسب نہیں کہ اسے قاسی قلب سخت دل اور عظیم الرقت کہا جائے گا۔ بلکہ سالک کو چاہیے کہ جب اپنے

دل میں سماع سے بے رغبتی پلٹے تو فوراً مجلس سے نکل آئے اور پیش قمریت وقت کو برباد نہیں کرے کیونکہ اس حالت کے بعد اسے سماع و غنا سنانا محض حرام اور ناجائز ہے۔ (مترجم)]

آدابِ سماع میں سے یہ بھی ہے جب کسی اہل دل پر وجد غالب ہو اور وہ ایک بے اختیارانہ جوش کے ساتھ کھڑا ہو جائے تو حاضرینِ مجلس کو بھی تعظیم و محترم کے لئے کھڑے ہو جانا چاہیے۔ اور ان میں سے بعض لوگ وجد کرنیوالے کی حفاظت کیلئے چوکنا ہو جائیں تاکہ اسے کوئی ایسا صدمہ نہ پہنچے کہ اس کے اعضاء کٹ جائیں۔ اور جب اسے سکون میسر ہو تو اسے مجلس سے اٹھا کر ایک طرف ڈال دیں اور خیال رکھا جائے کہ کہیں سے اس کا ستر نہ کھل جائے اگر وہ اس حالت میں کسی بیت، مہر ع یا رباعی کی آواز کا تکرار چاہے تو گو ان حاضرینِ مجلس کو پر غیب خاطر نہ ہو لیکن پھر بھی اس کے حکم کو ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے۔ اور قوال پر لازم ہے کہ وہ صاحب وجد کا ہر وقت متبع کرتا رہے۔ اور اس کی فرمائش پوری کرتا رہے۔

ساتواں آداب یہ ہے کہ جب مجلس برخواست ہونی ہو تو سب حاضرین سورۃ فاتحہ پڑھ کر تین بار اِخْلَاصِ پڑھ لیں اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھ لیں اور دو چار آیات قرآنیہ بھی پڑھ کر مجلس برخواست کر دیں۔ آدابِ سماع مختصر بیان ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ اور بھی ہیں جیسا کہ لباس پاک اور نیا رکھے۔ پنکھا سے ہوانہ لئے خوشبو لگائے، مجلس سماع میں نہ کھائے نہ پیئے اگر شدید پیاس ہو تو مجلس سے باہر جا کر پانی پی لے اور پھر باؤب مجلس میں واپس آجائے۔ سماع میں نعرہ نہ لگائے یہ کام ناقص لوگوں کے ہیں۔ بالخصوص دھاڑیں مارنا، فریاد کرنا شیطانِ کام سے رحمانی کام نہیں ہے۔ اور صاحب سماع کے لئے ضروری ہے کہ سونا کی طرح پگھل جائے مگر زبان سے فریاد نہ کرے۔

کتاب تذکرۃ الاقیاء میں منقول ہے حضرت سلطان المشائخ شاہ نظام الدین محبوب الہی سلطان الاولیاء محفل سماع میں رقص فرما رہے تھے۔ یکایک ایک صوفی باہر سے آیا اور محفل سماع میں شریک ہو گیا۔ شوق عشق کی آگ کا غلبہ ہوا آہ نکلی جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا جب محبوب الہی ہوش میں آئے تو راکھ کی ایک ڈھیری لگی دیکھی پوچھنے پر غلاموں نے عرض کیا کہ سماع کی محفل میں ایک صوفی شریک ہوا تھا۔ اتو شوق و محبت کی آگ نے اس پر اس قدر غلبہ کیا کہ وہ جل کر راکھ ہو گیا۔ آپ نے پانی منگوا کر پڑھا دم کیا اور وہ پانی اس راکھ کے ڈھیر پر اڑیل دیا۔ بفضلہ تعالیٰ وہ صوفی زندہ ہو کر اٹھ بیٹھا اور سلطان المشائخ رحمۃ اللہ نے فرمایا جلیے اور کبھی بھول کر بھی ہماری مجلس میں نہ آئیے۔ ابھی تم ناتمام اور خام پیشہ ہو ایک نکلی اور جل کر راکھ ہو گئے۔

صوفیاء کرام رضوان اللہ علیہم کو دیکھئے ان پر تلواریں چل جاتی ہیں نہ آہ نہ فریاد بلکہ ہر دم صابر و شاکر رہتے ہیں اور تمہارا یہ فعل تمہارے ناتمام ہونے کی علامت ہے جس شخص مذکور شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

حضرت جہاں آبادی قدس سرہ فرماتے ہیں جو شخص درج بالا آداب سماع کو ترک کرے اور ان مجلسی حقوق کو نظر انداز کر دیتا ہے تو وہ گویا لھو و لعب کا مرتکب اور بدعتی ہے اور یہ گناہ اس کا اس کے لئے سماع و سرود کے نفع و فائدہ کی نسبت زائد ہے۔

شیخ ابن العربی مفتی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں۔

سماع تین قسم ہے حلال، حرام اور مشتبہ۔ اگر سماع سے شہوت برانگیختہ ہو اور اس سماع میں ہوا و ہوس دخل انداز ہو تو سماع حرام ہے۔ دور جاہلیت کے غنا سے مشابہت رکھتا ہے اور اپنی بیوی اور نوٹھی مملوک سے گمانا بجانا، سننا، مباح اور حلال ہے۔ اگرچہ اس میں ہوا و ہوس کا دخل بھی ہو۔

اور جب سماع کا دل ان تمام امور غیر شرعیہ سے فارغ ہو صرف حق سبحانہ و تعالیٰ کے تقدس اور اللہ پاک کی تعالیٰ کی طرف مائل ہوتے وقت سماع کا انعقاد کیا جائے تو ایسا سماع بالاتفاق حلال ہے۔ اسی طرف اقوال صوفیہ متوجہ ہیں۔

مشائخ کرام کے مختلف ارشادات اور ان کی عبارات ۔

۱۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سماع ایک وارد حق ہے جو دل کو حق کی جانب برانگیختہ کرتا ہے تو جو شخص سماع کی طرف دل کے ساتھ متوجہ اور مائل ہوتا ہے وہ مرتبہ تحقیق کو پہنچ جاتا ہے۔ اور جو نفس کے ساتھ اس کی طرف توجہ کرتا ہے وہ زندیق بد بخت اور بدین بن جالب ہے۔

۲۔ حضرت ابو بکر الشبلی رضی اللہ کا قول ہے کہ سماع کے ظاہر میں فتنہ اور باطن میں عبرت ہے جو شخص اشارے کو پہنچاتا ہے اس کے لئے سماع بطور عبرت حلال اور جائز ہے اور جو شخص اس قدر لیاقت نہیں رکھتا وہ اپنے آپ کو فتنہ میں مبتلا کرتا ہے اور آفت و بلا کا سامنا کرتا ہے۔

۳۔ حضرت ابو علی رودباری رضی اللہ عنہ سے جب کسی نے سماع و غنا کی بابت دریافت کیا تو آپ نے اس کے جواب میں یوں فرمایا۔

”کاش ہم برابر چھوٹ جائیں اور اس کی وجہ سے ہم پر کوئی مواخذہ نہ ہو“

۴۔ حضرت جنید سماع و سرود کے متعلق اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

الْوَجْدُ يُطْرِبُ مَنْ فِي الْوَجْدِ رَاحَةٌ وَالْوَجْدُ عِنْدَ الْوَجْدِ الْحَقُّ مَقْصُودٌ !
قَدْ كَانَ يُطْرِبُ بَنِي وَجْدِي فَأَذْهَلَنِي عَنْ رُؤْيِيَةِ الْوَجْدِ مَا فِي الْوَجْدِ مَقْصُودٌ

یعنی وجد اس شخص کیلئے طرب بخش ہوتا ہے جس کو وجد میں راحت ملتی ہے اور وجود حق کے وقت وجد گم ہو جاتا ہے۔ اکثر و بیشتر میرے وجد نے مجھے خوشی بخش دی لیکن اس کے ساتھ ہی اس چیز کیلئے باز رکھا جو وجد سے مقصود و مطلوب تھی۔

۵۔ حضرت بایزید البسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

شَرِبْنَا وَأَمْرَقْنَا جُرْعَةً بَعْدَ جُرْعَةٍ
فَأَنَّفَ الشَّرَابِ وَمَا رَوَيْتُ !

ہم نے شراب عشق گھونٹ لے لے کر پی اور اپنے ارد گرد بھاڑالی نہ شراب ہی ختم ہوئی نہ ہم اس سے سیر ہوئے۔

۶۔ جنید بغدادی فرماتے ہیں، خدا کی رحمت انسان پر تین مقامات پر نازل ہوتی ہے۔ ایک کھانے کے وقت کیونکہ درویش انسان ضرورت و حاجت کے بغیر اس کی طرف اٹھ نہیں بڑھاگا۔ دوسرے بات کرتے وقت وجہ یہ کہ درویش صرف ضرورت بھری بات کرتا ہے۔ تیسرے سماع و سرود کے وقت، کیونکہ وہ وجد ہی کی ضرورت سے راگ رنگ سُننے کی طرف رغبت ظاہر کرتا ہے۔

۷۔ ہمارے شیخ جہان آبادی قدس سرہ فرماتے ہیں سماع اللہ تعالیٰ کی سگائی بڑی آگ ہے جو دلوں پر چڑھی چلی جاتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ سماع تین آدمیوں سے تعلق رکھتا ہے۔ مستمع، مسموع اور ماسم سے۔ مسموع وہ شخص ہے جو وقت پاس کرنے کی خاطر سماع کرتا ہے، مسموع وہ ہے جو حال کے تابع ہو کر سماع کرتا ہے اور ماسم وہ ہے جو حق کی خاطر سماع کرتا ہے۔ پس مسموع کی صفت تواجد یعنی بہ تکلف وجد کرتا ہے، مسموع کی صفت وجد یعنی بے تکلف کرتا ہے اور ماسم کی شان وجود یعنی حقیقت کو پاتا ہے۔

واضح رہے کہ مشائخ فرماتے ہیں ”تواجد“ کہتے ہیں اندوہ و ملال کو اور ”وجود“ کے معنی ”پانے“ کے ہیں اور یہ دونو ایسی حالتیں ہیں جو کہ سماع سے پیدا ہوتی ہیں بعض لوگوں کو اس سے کرب و اضطراب پیدا ہوتا ہے اور بعض کو خوشی اور مسرت۔ پھر اول یعنی تواجد جس طرح مراد کو کم کرنے اور مقصود کو فوت کرنا ہے۔ اسی طرح دوسرا یعنی وجود مراد و مقصود کو پانے والا ہے اور یہ دونو حالتیں اگرچہ طالب کی صفت میں تبدیل ہوتی ہیں لیکن مقصود و مطلوب میں کبھی تغیر و تبدل نہیں واقع ہوتا۔ پس غایت اس چیز کی جو اول کی نسبت کہا جاتا ہے یہ ہے کہ وجد طالب و مطلوب کے درمیان ایک راز ہے۔ اور غایت اس چیز کی جو دوم کی نسبت کہا جاتا ہے یہ ہے کہ وجود، محبوب کی جانب سے محتب کیلئے فضل و کرم ہے اور بس۔

بعض عارفین رضوان اللہ علیہم کا کہنا ہے کہ دل کو درد اور الم پہنچانے کا نام، وجد ہے جبکہ دل میں درد و الم دو چیزوں سے اٹھتا ہے خوشی و فرحت سے یا رنج و تکلیف سے، پہلی صورت میں تواجد و وجد کو حجاب اٹھ جانے کی وجہ سے عین کشف و مشاہدہ میں سکون

ملتا ہے۔ اور دوسری صورت میں مقصد تک نہ پہنچنے کی وجہ سے اس کے غلبہ شوق میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تو آج کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایسی وزن دار حرکت جو سننے والے سے بلا اختیار صادر ہو جاتی ہے۔ اور بدین معنی تو آجدا مستحب اور مستحسن ہے۔ اس سے دل میں وجد پیدا ہوتا ہے۔ اور وجد ہی محبوب میں وجود لائے۔ اسی مضمون کی تائید کرتی ہے یہ مقدس حدیث کہ جب امیر معاویہ نے تو آجدا کو لہو و لعب کا نام دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جھڑک دیا اور فرمایا :-

”اے معاویہ جو شخص محبوب کا ذکر سن کر وجد میں نہ آئے وہ کفر میں ہے“

جناب جنید رضی اللہ تعالیٰ سے تو آجدا کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا عالم میثاق میں اللہ جل شانہ نے ارواح کو مخاطب کر کے فرمایا تھا اَللّٰهُ بِتَكْوِيْمِكُمْ قَاوَابِلِيْ۔ میں خود اللہ تعالیٰ کا کلام سننے میں پوری پوری توجہ کئے ہوئے تھا۔ اب بھی ارواح سرود و سماع کی آواز سنتے ہیں تو ان میں اللہ تعالیٰ کی یاد موجزن ہوتی ہے اور سرود و سماع ان میں حرکت پیدا کر دیتا ہے۔

اور غنا و سرود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے خلفائے راشدین نے صحابہ کرام نے تابعین ائمہ اربعین اثنا عشر نے چار سو چالیس مشائخ کبار نے دو ہزار اولیاء اللہ نے ایک سو بیس فقہاء نے ایک ہزار علماء کرام نے اور لاکھوں کی تعداد میں عامۃ المؤمنین نے کہا جیسا کہ امام ابن ہمام مکی نے اپنی تصنیف جواز السماع میں نقل کی ہے۔ نیز احادیث صحاح ستہ سے بھی ہم نے سماع کو ثابت کر دیا۔ چاروں اماموں کے مذہب سے قولا و فعلا غنا ثابت ہوئی۔ اب اللہ تعالیٰ کی پوری طرح حجت قائم ہو گئی اور اس کے بعد جو کوئی انکار کرے گا جو از سماع کا تو اس کا قول مردود ہوگا۔

تذکرۃ الاتقیاء میں منقول ہے کہ سلطان الشائخ کو پوربی پروہ (ایک قسم کا گانا) بہت پسند تھا۔ ایک مرتبہ بعض حاضرین نے دریافت کیا کہ حضرت مخدوم پروہ پوربی بہت پسند کرتے ہیں اور یہ آپ کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا جی ہاں صحیح ہے۔ ہم نے ندائے اللہ بریکم“ اسی راگ میں سنی تھی اور آج تک وہی کیف و مستی اور لذت و ذوق میرے دل اور

میرے کانوں میں باقی ہے۔ بہت افسوس! کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں مگر پوربی پردہ بوڑھا نہیں ہوا ہے۔

اللہ والوں کے ہاں ازل سے ابد کا عرصہ صرف ایک ساعت ہے۔

ازل تا ابد، مچناں شاں بگویش

بفریاد قالوا، ملی در خسروش !!

حدیث پاک میں آیا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولائی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک دن فرمایا "أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ" تم مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔ یہ مشرورہ جانفزا سنتے ہی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ وجد میں آگئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ نے حضرت "زید" سے فرمایا "أَنْتَ أَخُوْنَا وَمَوْلَانَا" تم ہمارے بھائی اور مخلص دوست ہو تو حضرت زید وجد میں آگئے تھے۔

ثابت ہوا کہ فرحت و سرور کے وقت "وجد میں آجانا" روح کی ایسی صفت ہے جس سے قلب بھی جاری ہو جاتا ہے جیسا کہ جنید الشیخ البغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پس روح محرک ہے یعنی براگینتہ کر نیوالہ ہے اور دل محرک نہیں اور جب روح پسندیدہ لغز اور سُرلی آواز سن کر جھومنے لگتا ہے اور جسم میں نرمی و گداز پیدا ہو جاتی ہے تو بلا اختیار انسان سے وزن دار حرکات ظاہر ہونے لگتی ہیں جس سے انکار نہیں ہو سکتا اس لئے وجد تو بلا اختیار سے بلا اختیار ظاہر ہوا کرتا ہے۔ بخلاف رقص کے کہ رقص کا لغوی معنی ہے جھومنا، ناچنا اور ارد گرد گھومنے ہاتھ نچانے گردن ہلانے اور اصول نعمات کے مطابق مقاطع پر پاؤں کو گھمانے کا نام ہے جس میں تصنع اور اختیار سے حرکات کو ظاہر کرنا پایا جاتا ہے اور یہ کام بیہودہ لوگوں کا ہے جن پر ہوائے نفس غالب ہو رقص باہین صفت و معنی بالانفاق حرام ہے۔

وجد کر نیوالوں کی حرکات، احوال کے نوع کے اعتبار سے چند قسم ہوتی ہیں پہلی حرکت

یہ ہے۔ ذبح شدہ جانور کی بوقت ذبح حرکات کے مطابق ہو۔

یعنی بوقت ذبح جس طرح ذبح ہونے والا جانور تڑپتا ہے صوفی بھی اسی طرح تڑپے۔
دوم حرکت۔ بوقت طلب پیدا ہوتی ہے جیسا کہ جاری دریا کو دیکھ کر بے آب پھلی میں حرکت
کا ظہور ہوتا ہے۔ یعنی صوفی سماع اور وجد کے دوران ماہی بے آب کی طرح بے قرار ہو جائے
حرکت کی قسم سوم وہ ہے جو خوشی و مسرت میں سرزد ہوتی ہے جیسا کہ روشنی کو دیکھ کر، چیتیاں
حرکت کرنے لگتی ہیں۔

پہلی حرکت نفس کا حصہ ہے دوسری حرکت دل کا اور تیسری حرکت روح کا حصہ
ہے۔ پہلی حرکت نفس کو ہلاک کرتی، دوسری حرکت دل کو منزل مقصود کی طرف پہنچاتی ہے
اور تیسری حرکت روح کو بادشاہ بنا دیتی ہے۔

یہ وجد و ذوق جو مسرت و فرحت کے ساتھ ہو، اللہ والوں کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ
درج ذیل محبت بھرا قصیدہ سن کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جھومنے لگے اور
صحابہ کرام بھی وجد میں آگئے تھے۔

لَقَدْ لَسَعْتُ حَيْثُ الْهُوَى كِبْرِيَا فَلَا طَبِيبَ لَهَا وَلَا رَاقٍ !
إِلَّا الْحَبِيبَ الَّذِي شَفَعْتُ جُنَّةً فَعِنْدَهُ رُقِيَّتِي وَ تَرَيَاقِ

عشق و پیار کے سانپ نے میرے جگر کو ڈس لیا جس کے لئے نہ تو طبیب متیر
ہے اور نہ کوئی دم کر نیوالا۔ سوائے اُس محبوب کے جس کا میں گرویدہ ہو کر رہ گیا ہوں میرا راق
بھی اس کے پاس ہے اور مجھ پر دم کرنا بھی وہی ہے۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسا کیف اور طرب طاری ہوا کہ کندھے پر سے چادر
نیچے آ رہی۔ یہیں سے جان لینا چاہیے کہ جب وجد و کیفیت نبی پاک اور اصحاب کرام کے
معمولات میں سے ہے تو یقیناً محمود ہے اگرچہ ظاہر میں اسے ٹھوولعب کہہ رہا ہو جیسا
کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: مَا أَحْسَنَ لَعْنَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَمَنْعَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَهْ يَا مُعَاوِيَةُ لَيْسَ بِكَرِيمٍ مَنْ لَسَمَ يَجِدُّ عِنْدَ سَمَاعِ ذِكْرِ الْحَبِيبِ
یعنی جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر کہا کہ یا رسول اللہ آپ کتنا اچھا لعب فرما
لیتے ہیں تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے روکا اور فرمایا اے معاویہ خاموش رہو۔

”محبوب کا ذکر سن کر وجد میں نہ آئیوالا کریم نہیں ہوتا۔“

اعتراض سے ۔ اگر کوئی شخص کہے کہ دورِ اول میں اگرچہ سُروء و سماعِ مباح تھا مگر چونکہ دور میں کسی کو ذکر و فکر کی رغبت نہیں رہی اور نہ ہی اللہ رسول کے دین کی خواہش ہے چونکہ سُروء و سماع کے جواز کے شرائط موجود نہیں بلکہ بیکسر مفقود ہو چکے ہیں لہذا بالاتفاق سُروء و سماع حرام قرار دیا جائے۔ جب شرط نہ ہو تو مشروط نہ رہے۔

جواب سے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کی اباحت و حرمت کا دار و مدار وحیِ خداوندی پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وحی کا آئینہ بند ہو گیا۔ لہذا منکرینِ سماع کی یہ بات کیسے صحیح ہوگی کہ سلفِ صالحین میں سماعِ مباح تھا اور اب اس دور میں حرام ہو گیا ہے۔ بتلا سکو گے کہ کس وحی کے حکم کے تحت حرام ہوا؟

جب کہ ہمارے اس دور میں وحی کا آئینہ بند ہے۔ الغیب سے یہ حکم گانا بھی کہ اب ذکر و فکر اور راہِ مولیٰ کی طلب اور دین کی خواہش و تلاش نہیں رہی۔ صحیح نہیں کیونکہ بھی مسلمان پر بدگمانی ناپسندیدہ ہے۔ جیسا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ظَنُّوا الْمُؤْمِنِينَ خَيْرًا تَمَّ اِيْمَانُ وَالْوَلِيُّں پَرِگَمَانِ اِجْحَارُ كَهَا كَرُو۔

ہر ہمیشہ گماں مبر کہ خالی است

شاید کہ پلنگِ خفتہ باشد

ہر جنگل جھاڑی کو خالی نہ سمجھا جائے ممکن ہے کہیں چیتیا چھپ کر سویا ہو۔

خالسارانِ جہان را بھقارت منگر

شاید کہ درین گرد سوارے باشد

اس دنیا میں خالسا لوگوں کو نظرِ بھقارت سے نہ دیکھا جائے ہو سکتا ہے کہ

گرد و غبار میں کوئی شاہ سوار چلا آتا ہو۔

پس سماع و سُروء کو مطلق حرام قرار دے دینا سراسر غلط ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم مشائخِ عظام بجزرتِ علماءِ ائمہ فقہما اور عام مومنین نے سُنلہ ہے اور سماع و سُروء

سُننے کا حکم دیا ہے اس کے باوجود سماع و سُروء میں اختلاف پایا جاتا ہے جس کا

تفصیل وار ذکر ہوا ہے۔ جو لوگ حقیقت پر محمول کرتے ہیں۔ ان کے لئے سُرو و سماع مستحبِ
 مستحسن ہے اور جب شریعت میں جائز ذرائع سے سماع و سُرو کا انعقاد ہو جیسا کہ بیوی
 اور اپنی نوٹدی کا گانا سنا جائے تو سماع مباح ہوتا ہے۔ اور اگر ناجائز ذرائع سے ہو جیسا
 کہ غیر محرم عورتوں کا گانا بجانا تو بالاتفاق حرام ہے۔

جاننا چاہیے کہ جس طرح لوگوں کے امور و انجام کا انتظام، حکام مجازی کے بغیر ناممکن
 ہے بالکل اسی طرح دین و دنیا کا نظام بھی حکام حقیقی کے بغیر محال اور مشکل ہے لہذا
 ہر وقت اور ہر آن، ہر بستی بستی نگر نگر شہر ریاست و مملکت کا نظام جس طرح حکام
 مجازی کے سپرد کیا جاتا ہے۔ جس میں کسی کو چیئر مین، تحصیلدار اور کوئی ڈپٹی کمشنر، گورنر
 اور صدر کے القابات دیئے جلتے ہیں۔ اسی طرح حقیقی ملک میں حکام باطنی کے مناصب و
 مدارج ہیں۔ جو دنیا و دین میں تصرف فرماتے ہیں اور انہیں خطابات دیئے جلتے ہیں۔
 اوتاد ابدال اولیا غوث، قطب بدار وغیرہ یعنی کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ اسی طرح ہے جو کہ
 تاقیامت جاری و ساری رہے گی۔ تفصیل وار ذکر کہیں مناسب مقام پر ہوگا۔



تفصیل وار ذکر ہوا ہے۔ جو لوگ حقیقت پر محمول کرتے ہیں۔ ان کے لئے سُرود و سماع مستحب و مستحسن ہے اور جب شریعت میں جائز ذرائع سے سماع و سُرود کا انعقاد ہو جیسا کہ بیوی اور اپنی لونڈی کا گانا سنا جائے تو سماع مباح ہوتا ہے۔ اور اگر ناجائز ذرائع سے ہو جیسا کہ غیر محرم عورتوں کا گانا بجانا تو بالاتفاق حرام ہے۔

جاننا چاہیے کہ جس طرح لوگوں کے امور و انجام کا انتظام، حکام مجازی کے بغیر ناممکن ہے بالکل اسی طرح دین و دنیا کا نظام بھی حکام حقیقی کے بغیر محال اور مشکل ہے لہذا ہر وقت اور ہر آن، ہر بستی بستی نگر نگر شہر ریاست و مملکت کا نظام جس طرح حکام مجازی کے سپرد کیا جاتا ہے جس میں کسی کو چیئر مین، تحصیلدار اور کوئی ڈپٹی کمشنر، گورنر اور صدر کے القابات دیئے جلتے ہیں۔ اسی طرح حقیقی ملک میں حکام باطنی کے مناصب و مدارج ہیں۔ جو دنیا و دین میں تصرف فرماتے ہیں اور انہیں خطابات دیئے جلتے ہیں۔ اوتاد ابدال اولیاء غوث، قطب مدار وغیرہ یعنی کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ اسی طرح ہے جو کہ تاقیامت جاری و ساری رہے گی۔ تفصیل وار ذکر کہیں مناسب مقام پر ہوگا۔



مکتوب ۱۸

جناب عالی مدظلہ المتعالیٰ ما دام الایام واللیالیٰ
 بندہ عاجز خاکسار عرض پرداز ہے کہ کچھ طلبہ جو کہ صوفیہ صافیہ سے عناد رکھتے ہیں چونکہ
 ان کے دلوں میں فساد ہے اس لئے کہتے ہیں کہ ہمارے اس دور کے ریاکار لٹھو و ہوا
 میں مستغرق صوفیا کا عجیب حال ہے۔ عجیب و غریب معانی و مواظپہ پر مشتمل آیات اللہیہ
 سننے پر انہیں کبھی زبردست رقص آئے، سبحان اللہ العظیم حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
 لَوَ اَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مَتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ
 الْاَمْثَالُ نَضُوبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (پارہ ۲۸، رکوع ۶) اگر تم یہ قرآن بھی
 پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اس سے دیکھتا۔ جھکا ہوا پاش پاش ہوتا ہوا اللہ کے خوف سے۔
 اور یہ مثالیں لوگوں کیلئے ہم بیان کرتے ہیں کہ وہ سوچیں۔

اور اس کے برعکس وہی مکار صوفیہ لوگ، غزلیات متفرق اشعار ہندی رباعیوں،
 اور دہڑہ جات ملہیئے سن کر فریفتہ ہوتے ہیں، ناپہننے میں جھومتے ہیں جن میں زلف دوتا
 خدو خال، قیامت کی چال ڈھال مجازی محبوبوں کی ماہ جبینی اور کرشمہ سازی کا ذکر سولہ سے
 اور یہ بات طے ہے کہ شاعروں کا کلام لٹھو و لعب اور شہوت و ہوس کا پلندہ ہوتا ہے اور
 ان کی اتباع بھی ان جیسے شہوت ریز کرتے ہیں: الشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ،
 (پارہ ۲۸، رکوع ۶) لازم ہے کہ ایسے اشعار شہوت انگیز اور لٹھو و لعب آمیز ہوں تو
 یقیناً ان کا سننا گانا ممنوع قرار پاتا ہے۔ چہ جائیکہ اس کو سن کر وجد و رقص کیا جائے۔
 مُرشد غریب نواز! جس طرح راہِ صواب ہو حسبُ الإرشاد عمل کیا جائے گا اور آپ کا
 ارشاد ہمارے لئے راہِ ہدایت ہے۔ خدا کرے آپ کا آفتاب ہدایت ہم غلاموں کے
 سروں پر، رہتی دنیا تک تا بان و درخشاں رہے آمین ثم آمین۔

جواب :- (۱۸)

برخوردار بعد از سلام واضح ہو کہ "شعر" کے لغوی معنی ہیں جاننا اور دریافت کرنا اور اصطلاحی معنی ہیں وزن دار کلام جو معنی بھی رکھے اور اس میں قافیہ بھی ہو مستزاد یہ کہ اس کلام میں وزن اور قافیہ کے لانے کا قصد کیا گیا ہو۔

تعریفات :- ناموزوں بے معنی بات اور ایسا کلام جس میں قافیہ نہ ہو اور ایسا کلام بھی جو بلا ارادہ موزوں و مقفی ہو گیا ہو، تعریف شعر میں داخل نہیں ہئے جیسا کہ قرآن مجید میں بہت جگہ آیات موزوں واقع ہیں مگر انہیں شعر نہیں کہا جاتا۔ مثلاً اَقْرَبْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُونَ کیا تم نے اقرار کیا اور تم ہی گواہ ہو۔ قُتِمَ اَنْتُمْ هَوْلًا وَّلَقْتُمْ اَنْتُمْ مِمْسًا قَتْلًا مِمَّا كَرِهْتُمْ لَنْ تَسْأَلُوا الدَّيْحَتِي تَنْفِقُوا نَيْسِكِي بِرُكْحٍ حَاصِلٍ نَبِيْنِ جَبِّ مَكِّ بِسَبِيْنِ مَالٍ خَرِيْحٍ زَكَوْءٍ يَدِيْدَانٍ يُخْرِجُكُمْ مِنْ اَرْضِكُمْ لِيَسْحَرَكُمْ وَهٗ جَاهِلْتُمْ تَهْمِيْنَ اَيْنِ جَادٍ كِ ذَرِيْعَةٍ تَهْمَارِيْ زَيْنٍ سِيْ نَكَالٍ دِيْ۔

احادیث بھی موزوں واقع ہوئی ہیں مگر ان کو شعر نہیں کہا جاتا۔ مثلاً

كَرِيْمٌ اَبْنُ اَلْكَرِيْمِ اَبْنِ اَلْكَرِيْمِ !
وہ کریم جس کا باپ دادا کریم ہئے

پس امر واقع یہ ہئے کہ درج بالا آیات و احادیث مقدسہ کو شعر کہنا جائز نہیں اس لئے کہ ان میں وزن بلا قصد آئی ہئے۔

صوفیہ صافیہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں ایسا وزن دار کلام جس میں دقیق معانی و مطالب پائے جائیں، صرف ان لوگوں سے صادر ہوتا ہئے جو طبع لطیف رکھتے ہیں اشعار خواہ عربی ہوں یا فارسی یا ہندی اور ان کا موضوع ہو، موعظت و نصیحت، صفات خداوندی کی وضاحت، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت، بلکہ اشعار، خود آیات و احادیث کا ترجمہ ہوں اور ایسے اشعار کو سن کر، سننے والا خواہ مخواہ صانع حقیقی کی طرف مائل ہونے لگتا ہئے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہئے:

اِنَّ مِنْ اَشْعَرِيْ كُتُبٍ ۙ
بے شک بعض شعر حکمت ہیں

یعنی بعض مُعیند باتیں جو وزن دار ہونے کے ناطے دل میں کبھی جا رہی ہوں وہ کامل مکمل دانائی کی باتیں ہیں جو دلوں اور طبیعتوں پر اثر کئے بغیر رہ نہیں سکتیں۔ اور بیشک وہ وزن دار فائدہ مند حکمت کی باتیں، اللہ رب العالمین کی موبہت ہے وہ جسے چاہے دیدے اور اس میں کسی انسان کا زور، جبر اور دخل نہیں۔

جب لطیف طبیعت اور اس کا موزوں کلام، خداوندی عطیہ ہے اور اسے سُرمی آواز کا شرف حاصل ہو جو کہ مخصوص انسانوں کا حصہ ہے تو دقیق معانی و مطالب والے کلام و اشعار جبکہ وہ بھی قرآن و حدیث کا ترجمہ ہوں اور انہیں سن کر اولیاء کرام و صوفیہ و صافیہ عظام کو وجد و فوق آجلے تو اسمیں کیا قباحت ہو سکتی ہے؟ جیسا کہ آیات و احادیث میں خشوع و خضوع کا اثر پایا جا کہے بعینہ اسی طرح وہ اشعار بھی خاشع و متصدق واقع ہوتے ہیں جو آیات و احادیث کی تفسیر و تشریح ہیں۔

روایت میں آیا ہے کہ آیت رحمت نازل ہوئی (لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَتِ اللّٰهِ) تو حضرت حسان بن ثابت کو حکم دیا کہ اشعار پڑھے جائیں، جان افزا آواز اور دلربا تان کے ساتھ جب حسان نے اشعار پڑھے کہ محفل جہاں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و جد میں آگے فرمایا: قُلْ يَا حَسَّانُ وَرُوحُ الْقُدُسِ مَعَكَ۔ اے حسان کہتے جاؤ اور رُوح القدس آپ کے ساتھ ساتھ ہیں۔ اپنی کتاب میں صحیح سند کے ساتھ علامہ قشیری یہ روایت لائے ہیں۔

درج بالا تقریر سے ثابت ہوا کہ ایسے اشعار جن میں امر شرعی کے مطابق، معانی و مطالب پلٹ جاتے ہیں) وحی خفی کی ایک قسم ہیں تو اسے سُننے سے انکار کرنا قطعاً صحیح نہیں ہے اور اب اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرنے والے بے شمار نشانات میں سے صرف ایک حدیث مبارک کو بطور نمونہ پیش کیا جا کہے۔

اِنَّ لِلّٰهِ كُنُوزًا تَحْتِ الْعَرْشِ مَغَانِيْمًا لِّسِنْتِ الشُّعْرَاءِ

اس میں شک نہیں کہ عرش کے نیچے اللہ تعالیٰ کا ایک خزانہ ہے جس کی چابیاں شاعروں کی زبانیں ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ نبی پاک نے شعر کو بھی شریعت کی طرح حکمت کا نام دیا ہے کیونکہ شعر کا نزول بھی عالم قلوب سے ہوتا ہے تو اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ شعر میں حسنِ باطنی پایا جاتا ہے۔

البتہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ دلشان کہ "وَلشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ" خالصتاً ان شعر کی نشان دہی کرتا ہے جو جھوٹے کافر و فاسق و فاجر اور دشمنِ خدا و رسول ہوں اور ان جھوٹے شاعروں کی شاعری جس قسم کے مضامین سے لبریز تھی وہ یا تو شہوانیت و عشقِ بازی کے مضامین تھے یا شراب نوشی کے، یا قبائلی منافرت اور جنگ و جدل کے یا نسلی فخر و غرور کے، پھر جھوٹ مبالغہ بہتان، جھوٹے جاتعریف، طعن پھبتیاں اور شرکازہ خرافات تھیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا "وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ" تاہم پسندیدہ شاعر جن کی نجی زندگی بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے خالی نہ رہی ہو اور یادِ خدا میں معمور زندگی میں شاعرانہ قابلیت بھی اس راہ میں وقف رہی ہو جو یادِ خدا سے غافل لوگوں کی نہیں بلکہ خدا شناس خدا پرست اور خدا پرست لوگوں کی راہ سے تو ان کے تعلق فرمانِ رسالت آ رہے: الشُّعْرَاءُ قَلْدَمِيذُ الرَّحْمٰنِ شَعْرًا رَحِمَ فَرَمَانِ وَاللَّيْ

الذِّكْرِ كَرِيمِ كَيْ شَاكِرٍ مِّنْ شَعْرَاءِ اِسْلَامٍ مِّنْ سَعْدِ صَحَابَةِ كَرَامِ رِضْوَانِ اللّٰهِ عَلَيْهِمُ يَأْتِيهِمْ مِّنْ جَنِّ كَيْ شَاعِرٍ وَّادِيْنِ كَيْ قَابِلٍ مِّنْ جَنِّ كَرِيْمِ اللّٰهِ وَجِهَةِ كَيْ شَاعِرٍ مَّلَاحِظِ هَوْلِ

اَقَارِبُ كَالْعَقَابِ فِيْ اَوَاخِرِهَا
وَكَمْ عَمَّ يَخُوْنُ الْغَمِّ مِثْلُ
فَلَا تَفْرَحْ بِعَمٍّ وَلَا بِخَالٍ!
وَكَمْ خَالَ مِنْ الْخَيْرَاتِ خَالَ

رشتہ دار پھوہیں اور ایذا دیا کرتے ہیں چچا ماموں فرحت و خوشی نہیں دیا کرتے بہت سے ایسے چچا ہیں جن سے سوائے غم کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور بہت سی ماموں ہیں جو بھلائی سے خالی نظر آتے ہیں:

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شعر منقول ہے۔
وَلَوْلَا الشُّعْرُ لِلْعُلَمَاءِ لَيَضُرُّوْا
لَكُنْتُ الْيَوْمَ اَشْعَرُ مِّنْ اَبِيْدِ
شاعری علماء کے لئے بُری نہ ہوتی تو آج میں بسید سے بڑا شاعر ہوتا۔

سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرثیہ بقول زہرہ کی تصنیف مشہور ہے۔

صَبَّتْ عَلَى مَصَائِبِ تَوَاتَعَهَا صَبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صُرْنِ لِيَالِيَا
مَاذَا عَلَى مَنْ شَتَمَ تَرْبَتَهُ أَحْمَدًا أَنْ لَا يَشْتَمَ مَدَى الزَّمَانِ عَوَالِيَا

سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال سے جو مصیبتیں مجھ پر آن پڑی ہیں۔ اگر انہیں دنوں پر ڈال دیا جاتا تو وہ کالی راہیں بن جاتیں جس شخص کو حضرت احمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت مبارک کی خوشبو سونگھنا نصیب ہوئی ہے وہ تاقیامت، مشک وغیرہ کو سونگھنا پسند نہیں کرے گا۔

اندریں حالات اشعار کو بڑا کہنے والے اور شاعر و سماع کو بد بولنے والے در حقیقت خود بُرے ہیں۔ عقل سلیم رکھنے والوں کو ایسے بد گو لوگوں سے اجتناب برتنا چاہیے۔

بعض صوفیا صافیہ کرام اس درج بالا اعتراض کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ دل میں انجنت اور روح میں وجد، دو طرح پیدا ہوتے ہیں۔ ایک اچھی آواز سننے سے دوسرا ذکر عشق و پیار سے، اگر قرآن مجید پڑھنے والا خوش الحان ہو مخارج کی ادائیگی اور خشوع و خضوع سے قرأت کر رہا ہو تو، ذوق وجد میں آجانا بتواتر دیکھا گیا ہے۔ اور مزید یہ کہ اذان کی آواز پر، ذکر جہری میں، کلمہ شہد سنتے ہوئے، وعظ و نصیحت میں ذوق وجد پیدا ہو جاتا ہے۔ سورۃ یوسف کا مطلب و معنی سمجھنے والوں کو وہ راحت و سکون بہتر آتا ہے جو باقی کلام مجید سے (جو کہ وعظ و قصص سے بھر پور کلام ہے) لطف و ذوق میسر نہیں آتا۔

اور اس کے برعکس اشعار عربی ہوں یا فارسی ہندی، شوق و ذوق کا موجب ہیں اور جلدی ہی کچھ ہی آجاتے ہیں وجد و ذوق لاتے ہیں (کیونکہ ان میں عشق و محبت کا ذکر ہوتا ہے) اصحاب التواریخ سے منقول ہے کہ مہرب سے اول شعر کہنے والے سیدنا آدم کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کی زبان سریانی تھی یا لوگوں نے اسے عربی زبان میں ترجمہ کر دیا ہے اور وہ اشعار قابیل و ہابیل کا واقعہ پیش کرتے ہیں اور وہ اشعار ترجمہ با عربی درج

ہیں۔

تَغَيَّرَتِ الْبِلَادُ مِنْ عَلَيْهَا
تَغَيَّرَ كُلُّ ذِي طَعْمٍ وَكُونٍ!
فَوَاسَفَا عَلَى بَابِئِلِ ابْنِي
فَوَجِبَهُ الْأَرْضِ مُغْبِرًا قَبِيحًا!
وَكُلُّ لَبَّاسَاتٍ أَوْجَرِ الْبَصِيحِ
قَتِيلٍ قَدْ تَطَمَّأَ النَّصْرِيحُ

ممالک اور اس میں بسنے والوں میں تبدیلی آئی اور روٹے زمین غبار آلود اور خراب ہو گئی پر ذائقہ دار اور رنگ کارنگ چیزیں بدل گئیں حسین و جمیل چہرے بھی بدل گئے لمبے افسوس میرا بیٹا! بیل قتل ہو گیا جسے زمین میں دفن کر دیا گیا۔

پیشوائے اہل تاریخ امام قاسم بن سلام بغدادی فرماتے ہیں کہ عربی شعرب سے اول یعرب بن قحطان نے کہے جو کہ نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور فارسی شعر بہرام گور نے سب سے اول کہنے کا شرف لیا ہے۔

منم آل پیل ومان منم آل شیر تکر! نام من بہرام گور کنیت من بوجبد
میں مسست ہاتھی ہوں اور جنگل کا شیر ہوں میرا نام بہرام گور ہے اور کنیت ہے بوجبد
اور بہت لوگ، اس کے علاوہ بھی کہ گئے ہیں:
والث اعلم بالصواب والیہ المرجع والیہ المآب

مکتوب ۱۹

جناب عالی مدظلہ! گزارش بحضور متعالی ہے سلسلہ عالیہ کے متوسلین طلبہ میں آجکل بحث ہو رہی ہے کہ قوالی میں جب صوفی پر وجد طاری ہوتا ہے تو وہ اپنے اختیار اور شعور میں نہیں رہتا اور جب وہ حالت سکر (یعنی وجد اور ذوق) سے حالت صحو کی طرف واپس آتا ہے تب ہوشیار ہوتا ہے۔ اندر میں حالت، اگر نماز کا وقت ہو جائے تو کیا اس پر دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے یا اسی پہلے وضو سے نماز ادا کرے؟ جو راہ صواب ہوا شاید فرمائیے تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔ زیادہ حد آداب

جواب ۱۹

برخوردار بعد از سلام مسنون درج بالا سوال کا جواب، رشحات شریف سے من و عن نقل کئے دیتا ہوں۔ پوچھنے والوں کے علمائے راہنہ میں سے کسی ایک فاضل شخص نے شیخ مودود چشتی قدس سرہ کے ایک دورت جو کہ شیخ وقت تھے کی خدمت میں حاضری دی اور عرض کیا: یا حضرت! سماع و غنا میں یار لوگوں کی دو حالتیں ہوتی ہیں انہیں حالت وجد و رقص میں شعور ہوتا ہے یا شعور و اختیار نہیں ہوتا۔ بصورت اول ان کا وجد و رقص، ریا کاری ہے جو کہ بڑی بات ہے اور بصورت ثانی جب شعور و اختیار نہیں ہوتا تو شعور واپس آتے ہی اسی وضو سے نماز روزہ کر لیتے ہیں نیا وضو نہیں کرتے جو کہ اور زیادہ برا ہے۔ بینوا تو جو اول شیخ وقت نے ارشاد فرمایا وضو ٹوٹنے کے اسباب بہت ہیں ان میں ایک یہ ہے عقل سلب ہو جائے جیسا کہ دیوانگی میں عقل سلب ہو جاتی ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ عقل پر پردہ پڑ جائے جیسا کہ یہوشی میں عقل مستور ہو جاتی ہے۔ (ان دونوں حالتوں میں وضو ٹوٹ جاتا ہے) رقص و وجد کی حالت میں عقل نہ تو سلب ہوتی ہے نہ مستور بلکہ بے خودی اور بے شعوری (بجالت رقص و وجد) کی وجہ یہ ہے کہ عقل کلی عالم الوہیت سے آکر عقل جزئی پر فائز ہوتی ہے اور وجود ساک کی مملکت میں غلبہ اور حکومت حاصل کر لیتا ہے اس عقل کلی کا نظام قوت و قدرت انہ صرف بدن میں ضبط و تدبیر کرتا ہے بلکہ سارے عالم کی تدبیر اور نظم و ضبط کے امور سرانجام دیتا ہے، جب (عقل کلی کے زیر سایہ) بدن اور عقل جزئی دونوں کی حفظ اور نگہداشت ہوتی رہتی ہے پس نواقص وضو کا اس حالت میں کیا دخل؟ بلکہ طالب صادق اس حالت میں احکام طبعی اور لوازمات بشری سے بیکرا آلود ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے نیا وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ افسی کلاماً

منقول ہے شیخ کامل حضرت مجید بغدادی قدس سرہ نے خواب میں ابلیس کو دیکھا اور پوچھا کہ تم بخت تجھے صوفیہ صافیہ پر قدرت حاصل ہے؟ جواب دیا جی ہاں لیکن ان پر حاوی ہونے کے لئے مشکل ضرور پیش آتی ہے اور کہا صورت حال یوں ہے۔

دنیا میں ان کی گرفت کرتا ہوں تو صوفیہ صافیہ آخرت کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور اگر آخرت میں گرفت کرتا ہوں تو اللہ کریم کے حضور چلے جاتے ہیں جہاں میری مجال نہیں البتہ سماع و سرود کے وقت اور غیر محرم پر نگاہ ڈالتے وقت، مجھے ان پر پوری قوت و قدرت ہوتی ہے شیخ موصوف نے یہ خواب اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ سری سقطی قدس سرہ کی خدمت عرض کیا۔ آپ نے فرمایا اگر مجھے خواب میں شیطان لعین مل جاتا تو میں کہہ دیتا احمق! سماع و وجد کے دوران، صوفیہ صافیہ محققین صدیقین اللہ تعالیٰ کی یاد و حضوری میں اس قدر محو و مستغرق ہوتے ہیں کہ انہیں دنیا و آخرت کا پتہ تک نہیں ہوتا۔ پھر تجھے ان پر قدرت پانے کی مجال کہاں سے آتی ہے۔

”ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم“

مکتوب ۲۰

جناب عالی دام اقبالہ گذارش بحضور المتعالیٰ اینکہ علم کے تشنگان میں بخت و مباشرت ہو رہے ایمان کیا چیز ہے؟ بعض لوگوں نے کہا ایمان صرف دل سے تصدیق کرنا ہے اور بخت میں حدیث رسول سے آتے ہیں: مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَكَ اللَّهُ الْإِلَهَ الَّذِي دَخَلَ الْجَنَّةَ رَوَاهُ۔۔۔۔۔ جو شخص مرتے وقت جانتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ جنت میں جائے گا۔

اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایمان سے مراد ہر زبان سے اقرار، دل سے تصدیق کرنا اور دلیل لانے ہیں حدیث معتمدہ نَحْنُ نَحْكُمُ بِالْظَوَاهِرِ بِمِ ظَاهِرِ رِيْفِصَدِ دِيْتِ هِيْ اُوْر كُچھ لوگوں کے نزدیک کامل ایمان یہ ہے کہ آدمی زبان سے اقرار، دل سے تصدیق اور اعضا سے عمل کرے۔ غرضیکہ ہر کہ آمد عمارت نو ساخت والا معاملہ ہے۔ غریب نواز! بس طرح راہِ ثواب جو زیب تحریر فرمائیے عمل کیا جائے گا۔

جواب ۲۰

بروز دار بعد از سلام سنتہ الاسلام واضح راے باو کہ ارشاد باری ہے: اُوَيْثِكَ
كَلِمَاتٍ كَلِمَاتٍ لِّلَّهِ فِي قُلُوبِهِمْ اَلِیْمَانِ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے
دیلے۔

لغت میں ایمان کے معنی ہیں امن میں رکھنا۔ یقین کرنا۔ تابع دار ہونا۔ یعنی دل کے مطلق
تصدیق اور یقین کرنے کو ایمان کہا جاتا ہے۔

شیخ ابوالحسن الأشعری رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ دل سے
تصدیق کی جلتے کہ اللہ تعالیٰ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ مفصل یا مجمل لے
کر مبعوث ہوئے ہیں وہ سب برحق ہے۔ البتہ دنیا میں شرعی احکام جاری کرنے کیلئے
زبان سے اقرار کرنا لازمی شرط ہے۔ اکثر ائمہ کرام خصوصاً حجتہ الاسلام ابو منصور ماتریدی اور
ہمارے ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہی مسلک ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کو دل سے پہچاننا اور
زبان سے (بلا وجہ) اقرار نہ کرنا، دنیا میں مفید نہیں مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا شخص مومن
ہے۔

تصدیق کردار و بدل اقرار نارد بزبان ؛

مومن بود نزدیک حق کافر بہ نزدیک بشر

بیشک ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان دار ہے دل سے تصدیق کرتا
ہے جیسا حدیث نبوی میں آیا ہے ”جو شخص مرتے دم جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا
عبادت کا مستحق کوئی نہیں تو وہ جنت جلتے گا“ اور زبان سے اقرار نہ کرنے والا شخص
لوگوں کے نزدیک یعنی اس دنیا میں اسے کافر سمجھا جلتے گا۔ بمطابق فرمانِ رسول کر
ہم ظاہر پر فیصلہ دیتے ہیں: ہمارے امام ابو حنیفہ کا مذہب یہی ہے۔

البتہ متکلمین، جملہ محدثین اور بعض سلف صالحین کے نزدیک ایمان یہ ہے کہ آدمی دل سے اقرار، دل سے تصدیق اور اعضا سے عمل کرے۔

بعض لوگوں کا ایمان ہے۔ اَلدِّیْمَانُ هِيَ الْمَعْرِفَةُ بِاللّٰهِ الشُّكُوْبِحْبَانِ جَانِے کا نام "ایمان" ہے۔ اور اس خیال میں دو فریق شریک ہیں:

فریق اول :- صرف دل سے پہچان جانا ایمان ہے اور یہ عقیدہ معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں جن کا سربراہ جہم بن صفوان ہے۔

فریق ثانی :- اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کی لائی ہوئی شریعت کو دل سے پہچانا ایمان ہے یہ عقیدہ بعض فقہائے کرام سے منسوب ہے۔

ایمان میں جس تصدیق کا اعتبار کیا گیا ہے، اس سے مراد، وہ تصدیق ہے جو تصور کے بالمقابل ہو جیسا کہ "بدیع المیزان" میں کہا گیا ہے اَلْعِلْمُ اِمَّا تَصَوُّرًا وَ اِمَّا تَصَدِّيقًا عِلْمٌ دُوْنِ تَصَوُّرٍ اور تصدیق اور تصدیق "گر وہ یہ ہونا" کے معنی میں آتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ تصدیق اور علم و معرفت آپس میں متغایر نہیں وجہ یہ ہے کہ کافرین کو اللہ تعالیٰ کا علم اور معرفت تو حاصل لیکن عناد اور غرور کی وجہ کر کے اس کی تصدیق نہ کرتے تھے جبکہ ایمان میں وہ تصدیق معتبر ہے جو جنم و یقین اور تابعداری گرویدگی کے درجہ تک پہنچ جائے۔ نہ کہ ایسی تصدیق جو غالب گمان کی بنیاد پر عوام کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء کرام "علم" کے معنی "پختہ اعتقاد" بتلاتے ہیں اور یہی معنی یقین کے بھی ہیں۔
فیائدہ :- کہتے ہیں کہ ایمان اور توحید ایک ہی چیز ہے اور وہ تین قسم ہے۔
توحید عام۔ توحید خاص اور توحید خاص الخاص :-

۱۔ توحید عام :- زبان سے اقرار، دل سے اعتقاد پختہ اور تصدیق کہ حقیقتاً ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں نہ اسمائے مبارکہ میں اور تمام کمالات اسکی تخلیق ہے۔ یہ عالم پہلے نہ تھا بلکہ اپنی قدرت اور اپنے اختیار اور ارادے سے سب عالم کو پیدا کیا ہے۔ مخلوقات میں سے کوئی چیز اس کی ذات کیلئے ضروری نہیں، اس کی نعمتیں سب عالم میں جاری ہیں جن کا شمار ممکن نہیں ہے۔ نیز زبان سے اقرار اور دل

تصدیق ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ مالک الملک کے مقرب بندہ اور محترم رسول
 ہیں۔ آپ کے قول و فعل سب برحق ہیں۔ فرائض و واجبات ادا کرنے والے ہیں اور
 منوع و حرام چیزیں ترک کر دینی ہیں۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو کسی کو دکھاتے
 ہیں نہ بدعا۔ اگر کوئی آپ کو ایذا دیتا ہے تو شریعت کے مطابق آپ بدلہ بھی لے لیتے ہیں
 ۲۔ توحید خاص۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تمام معاملات اور اس میں تصرفات صرف
 اللہ تعالیٰ کو حاصل ہیں کوئی شخص اس میں شریک نہیں فاعل حقیقی۔ حق تعالیٰ ہے اور اس کے سوا،
 کوئی متصرف بالاستقلال نہیں ہے۔ اس گروہ کے اعمال پہلے گروہ یعنی توحید عام جیسے ہیں البتہ
 یہ لوگ نوافل کثرت سے ادا کرتے ہیں نوافل میں سب سے افضل، کلمہ توحید کا ذکر ہے اور
 اولیٰ نقل یہ ہے کہ راد سے ایذا دینے والی چیز مٹا دی جائے مزید براں لوگوں کی ایذا کو برداشت
 کیا جائے اور خود اپنے لئے ان سے بدلہ و انتقام نہ لیا جائے۔

۳۔ توحید خاص الخاص۔ دل میں یہ تصدیق کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں یہ سب موجودات
 وجود حق کے نکل ہیں اور حق تعالیٰ وجود مطلق ہے اور وہ کسی چیز سے فائدہ نہیں چاہتا۔ کیونکہ تمام
 عالم اصل میں معدوم ہے اور ذات حق کے ساتھ قائم ہے اور حقیقت میں حق کے سوا سارے
 عالم کی حقیقت کچھ نہیں جیسا کہ جناب اور دریا۔ بھرنے کا عکس اور مختلف آئینے۔
 اندر حالت ایمان رکھا جائے کہ برہنہ ذرہ میں اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کا نور احاطہ کئے
 ہوئے اور ذات حق اسکو محیط ہے، اور اس تک، عقل و فکر فہم و وہم کی رسائی کہاں؟ کوئی چیز
 اس ذات محیط سے مشابہت نہیں رکھتی ذات و صفات میں، نہ اسماء میں، عقل و فہم صرف
 وجود مطلق کو ثابت کر سکتا ہے اور بس۔

اور اس بات پر بھی ایمان لایا جائے کہ حق تعالیٰ بذاتہ قائم ہے اور وہ خود ہی تمام چیزوں
 کو قائم کرنے والی ہے بغیر اس کے کہ، اتصال ہو یا انفصال، مقارنت و مساعت ہو یا حلول
 اتحاد۔ اور ایمان لایا جائے اس بات پر کہ رسولوں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا، حق ہے۔ عبادت
 ضائع نہیں۔ دوبارہ زندہ کرنا موت دینا، حشر و نشر حق ہے اور یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہیں۔
 اس نظریہ کے تعلقداروں کے اعمال دو طرح کے ہیں ایک فرائض و نوافل کی پابندی

دوسرے استقامت یعنی ثابت قدم رہنا اور یہی دوسرا عمل، استقامت، کرامت پر بدرجہا فوقیت رکھتا ہے۔ مزید یہ کہ ایذا دینے والوں کو دعا دیتے ہیں اور ان پر احسان بھی کرتے ہیں۔ پس حضرت انساں پر لازم ہے کہ توحید عام سے ترقی کر کے توحید خاص میں داخل ہو جائے اور توحید خاص الخاص کی طلب کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نُنزِلُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلْنَا مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا سُورَةُ نَسَاءِ دَلُوع ۱۶ پارہ

اے ایمان والو! ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری گئی اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری گئی اور جس نے اللہ اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور یوم آخرت کے ساتھ کفر کیا وہ دور کی گمراہی میں پڑا۔

تفسیر روح البیان میں ہے۔ ای آمَنُوا بِالْغَيْبِ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ۔ ترجمہ ایمان بالغیب والو! ایمان مشاہدہ والے آؤ۔ ایمان بالمشہود سے مراد یوں ہے جیسا کہ اللہ رب العالمین فرماتے ہیں، فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً لِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (سجده سورہ ۱۳ پارہ) وَجْهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاطِرٌ۔ اس دن کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔ کبھی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لئے چھپا رکھی ہے صلہ ان کے کاموں کا ہے۔

اسی طرح فقہ اور کلام کی کتابوں میں ہے اور یہ مجبور محققین کا منہ ہے۔

مکتوب ۲۱

جناب عالی مدظلہ: کلمہ طیب "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ" ایمان و عرفان کی اصل اور بہشت کے دروازوں کی چابی ہے۔ لوگ اس کلمہ طیب کے معنی میں خلل اندازہ ہو رہے ہیں۔ اور بندہ بوجہ کم علمی، مہر سکوت بلب، فکر و حیرانگی میں ان کے سوال و جواب سُننا رہتا ہے جبکہ انوالہ شان کے سوا دوسرا کوئی ہمارا ماویٰ و ملجای نہیں ہے۔ براہِ نوازش کلمہ شریف کا ترجمہ اور تشریح و تفسیر زیب سطر فرمائیے تاکہ ہم غلامِ سیدام اس کے مطالعہ سے بہرہ گیر اور فیض پذیر ہو سکیں اور بس۔



جواب ۲۱

برخوردار بعد از سلام آنکہ جمیع علوم عقلی و نقلی اور دین اسلام کے اصول و فروع کی اندرونی باتوں کو من کل الوجوه معلوم کرنا اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک کہ کلمہ طیبہ کے معانی ذہن نشین نہ ہوں اور ان معانی کے فہم و ادراک کی رہبری میسر نہ ہو یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین، محققین علماء عظام و فضلاء کرام نے کلمہ طیبہ کے متعلق کوئی دقیقہ تک فرو گذاشت نہیں فرمایا اگرچہ پوری بسط و کشادہ سے انہیں تحریر میں لانا ایسر تکلیف ہے مگر حسب طلب اور بمقتضی آیت کریمہ **أَمَّا السَّائِلُ فَلَا تَنْهَوْنَهُمْ** شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں بصورت سوال و جواب کلمہ طیبہ کی تشریح و توضیح حاضر ہے۔

یعنی شریعت کو سبھی چیزوں پر اولیت دینی چاہئے طریقت بھی شریعت سے باہر نہیں ہے۔ اور جب تم شریعت پر ثابت قدم رہے تو خود بخود تجھے طریقت و حقیقت کے جلوے نظر آتے جائیں گے۔

فائدہ: کلمہ طیبہ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کے معنی ہیں اللہ کے سوا پرستش و عبادت کے لائق کوئی نہیں تھا۔ نہ ہے اور نہ ہوگا۔ اور سید الصفا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کی طرف اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں عقیدہ قطبیہ اور کتب کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب مبارک یوں بیان ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم

بن عبد مناف

اور لکھا ہے کہ

جس شخص کو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسب پاک کی پہلی چار پشتوں کے بابرکت نام یاد نہ ہوں وہ کامل ایمان نہیں ضروری ہے کہ ہر مسلمان آنحضرت کے نسب میں

بن چار اسماء مبارک یاد رکھتا ہوتا کہ باتفاق اقوال علمائے شریعت اس کا ایمان درست

سوال۔ اس کلمہ کا نام "طیب" کیوں رکھا گیا ہے۔

جواب۔ طیب یعنی پاکیزہ چونکہ مبارک کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی پاکی کا ذکر ہے پڑھنے کے کفر و شرک جیسی نجاست سے پاکیزگی حاصل کر لیتے ہیں۔ لہذا یہ کلمہ مبارک طیب کہلاتا ہے جبکہ مشرک پلید ہیں "انما المشركون نجس"

فیذ۔ اللہ تعالیٰ کی یگانگت اور وحدانیت کا ذکر کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کلمہ کا دوسرا نام کلمہ توحید ہے۔ توحید کے معنی ہیں ایک جاننا ایک کہنا اور ایک اعتقاد و توحید جیسا کہ "فقرات" میں آئے۔

نشانی دادہ اند خوش از خرابات

کہ التوحید اضمحاط الاضافات؛

مکتب عشق میں سے کیا ہی ایک اچھی نشانی ملی ہے کہ اضافت جمع موجودات کو معدوم کلمہ ہی توحید ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مقولہ یعسوب الموحدين علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ لہ ہے جب اضافت جمع موجودات کو معدوم سمجھ لیا جائے تو وحدہ لا شریک تک پورستگی ہو جائے گی۔

سوال۔ کلمہ "لا" دو معنی رکھتا ہے نفی جنس جیسا کہ لا رجل فی الدار، لام پرزبہ پڑھی ہے معنی ہوگا "گھر میں کوئی مرد نہیں" دوسرے معنی میں لا مشبہ بلیس ہے جیسا کہ لا رجل فی الدار لام پر پیش ہو تو معنی ہوئے "گھر میں ایک مرد نہیں" بتلایئے کہ کلمہ طیب میں "لا" ہی معنی میں استعمال ہے۔

جواب۔ کلمہ طیب میں لانی جنس ہے لہذا لا پرزبہ پڑھی جاتی ہے۔ اگر لا مشبہ بلیس ہوتا تو لا پر پیش پڑھا جاتا جیسا کہ لا رجل فی الدار لام مرفوع پڑھا جاتا ہے۔

سوال۔ کیا وجہ ہے کہ کلمہ طیب میں لانی جنس ہے اس لئے لا الہ الا اللہ میں الہ مرفوع پڑھا جاتا ہے اور لا مشبہ بلیس نہیں اگر ہوتا تو پیش بھی پڑھا جاتا جیسا کہ

لارجل فی الدار میں زیر اور پیش دونوں روا ہیں۔

جواب :- کلمہ طیبہ میں لامشہدہ بلیس نہیں بن سکتا بلکہ لائفی جنس ہے اور
معنی میں فرق واضح پایا جاتا ہے تشریح یہ ہے کہ لارجل فی الدار لام پر زیر لائفی جنس کے
دیتا ہے یعنی گھر میں جنس مرد موجود نہیں ہے۔ جو کہ اصل میں یہ معنی دیتا ہے کہ ما من رجل
فی الدار کہ گھر میں کوئی مرد نہیں ہے اگر گھر میں ایک مرد سے زائد یعنی دو مرد یا دو سے
زیادہ مرد موجود ہوں تو بھی لارجل فی الدار کہنے والا جھوٹا سمجھا جاتا ہے جس طرح کہ ایک مرد
سراٹے میں موجود ہو تو قابل جھوٹا ہوتا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ نکرہ جب حرف نفی کے پیچھے آئے تو استفراق کا معنی دیا کرتا ہے۔ لہذا
حرف نفی کے پیچھے نکرہ لے آکر ہر طرح سے نفی کر دی گئی ہے کہ سراٹے میں کوئی مرد موجود
نہیں۔ اندر میں صورت استدراک اور اضراب قطعاً غلط اور ناجائز ہے۔ مثلاً لارجل فی الدار
بل فیہا رجلان اور جال "سراٹے میں مرد موجود نہیں ہے بلکہ اس میں دو مرد ہیں یا زیادہ مرد ہیں
اور اس کے برعکس جب لامبمعنی لیس استعمال ہو اور کہا جائے لارجل فی الدار تو معنی
یوں ہوتے ہیں کہ سراٹے میں ایک مرد نہیں یعنی نفی بصفہ واحد ہوگی اور اگر سراٹے میں
دو مرد یا زیادہ مرد موجود ہوں تو قابل جھوٹا نہیں ہو سکتا وجہ یہ ہے کہ لارجل فی الدار میں صرف
ایک مرد موجود نہ ہونے کی بات تھی اور اس صورت میں استدراک اور اضراب جائز ہے جیسا
کہ کہا جاتا ہے لارجل فی الدار بل فیہا رجلان سراٹے میں ایک مرد نہیں بلکہ اس میں دو مرد
موجود ہیں۔

چونکہ کلمہ توجید میں نفی بر سبیل استفراق مطلوب ہے تاکہ معنی دراصل یوں ہو سکیں
کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ہے جبکہ یہی معنی مطلوب، لیس میں نہیں پائے جاتے
اسی لئے لامبمعنی لیس نہیں ہو سکتا اور اللہ پر رافع بھی نہیں آسکتا جس طرح لارجل فی الدار،
(بفتح اللام) میں لائفی جنس کے لئے ہے تو یہاں رُجُل پر رافع پڑھنا ناجائز ہے۔

سوال :- استفراق کے لئے عموم افراد لازم ہے۔ کلمہ طیبہ میں اللہ نکرہ ہے جو کہ ایک
فرد غیر معین کیلئے وضع کیا گیا ہے پس لفظ اللہ میں عموم افراد نہیں پایا جاتا۔ اندر میں حالت

ایک فرد کی نفی کرنے سے استغراق کیسے ثابت ہوتا ہے؟

جواب۔ منکرہ پر جب نفی کا حرف آئے تو عرف میں عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ استغراق جس کے لئے عموم افراد شرط ہے۔ اسی طرح ثابت ہوتا ہے۔ اور لانی جنس بن جانے پر الا اعم ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور کلمہ طیبہ کی مکمل عبارت میں اختلاف ہے۔

۱۔ کچھ لوگ للخلق محذوف قرار دیتے ہیں جو کہ لانی جنس کی خبر ہے یعنی مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور عبارت ہوئی لا اله الا اللہ للخلق الا اللہ للخلق "جار مجرور مرفوع محلاً خبر لہ ہے۔ یہ قول بہت زیادہ قابل تسلیم ہے اور تکلف و تکلیف سے دور ہے۔

۲۔ بعض لوگوں کے نزدیک "لنا" محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے: لا اله الا لنا، الا اللہ ہمارا معبود اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ لنا جار مجرور مرفوع محلاً خبر ہے۔ اس توضیح پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ کلمہ طیبہ سے مقصود یہ ہے کہ توحید جمیع مخلوقات کے لئے ثابت ہو اور خبر محذوف "لنا" قرار دینے میں مقصود مذکور و مطلوب حاصل نہیں ہوتا بلکہ صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں۔ یہ لازم نہیں آتا کہ باقی مخلوقات کے لئے کوئی دوسرا معبود نہ ہو یا ہو۔ جواب دیا جاتا ہے کہ "لنا" میں ضمیر جمع متکلم مع الغیر ہے جو کہ جمیع مخلوقات کو شامل ہے جیسا کہ اللہکم اللہم واحداً ای اللہ جمیع المخلوقات اللہ واحداً

سوال۔ لنا میں ضمیر جمع متکلم صرف عقل والوں کے لئے مخصوص ہے اور غیر عاقل مخلوق کو کس طرح شامل کیا جائے گا۔

جواب۔ ضمیر جمع متکلم میں عقلاً کو غیر عقلاً پر غلبہ دیتے ہوئے دونوں کو شامل کیا جاتا ہے جیسا کہ آیت اللہم اللہ واحداً میں مذکور کے ساتھ غیر مذکور بھی ملا دیتے گئے ہیں۔ مثلاً چاند اور سورج کو بطور تغلیب قرین اور ابو بکر و عمر کو قرین کہا جاتا ہے۔

۳۔ اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ کلمہ طیب لا اله الا اللہ میں لانی جنس کے لئے "فی الوجود" خبر محذوف ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے لا اله الا اللہ فی الوجود الا اللہ اللہ تعالیٰ

کے سوا کوئی موجود نہیں۔ فی الوجود جار مجرور مرفوع محلاً خبر لانی جنس ہے۔

شبیہ ہوتا ہے کہ فی الوجود خبر قرار دینے میں ذات باری تعالیٰ کے لئے ظرفیت لازم آتی ہے۔ (فی حرف ظرفیت کا معنی دیتا ہے) جو کہ مراد غلط ہے۔ جواب میں اس وہم کا ازالہ کیا جا سکتا ہے کہ فی الوجود معنی موجود ہے۔ مثلاً زید فی الوجود یعنی زید موجود اس صورت حال میں لآلہ فی الوجود الا اللہ کا معنی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں۔

سوال۔ کلمہ طیب میں "فی الوجود" خبر محذوف قرار دینے میں صرف وجود کی نفی ہوتی ہے، امکان کی نفی نہیں ہوتی۔ جبکہ کلمہ طیب میں دونو (وجود اور امکان) کی نفی مطلوب ہے۔
جواب۔ کلمہ طیبہ کی مراد یہ ہے کہ وجود باری تعالیٰ کے لئے اثبات ہو اور وجود غیر اللہ کی نفی ہو اور بس۔ امکان اور عدم امکان کا بیان مطلوب نہیں ہے دراصل کلمہ طیبہ میں مشرکین کے اس غلط اعتقاد کو زد کیا گیا ہے کہ وجود میں تعدد الہہ پایا جاتا ہے امکان میں نہیں کیونکہ امکان تو عدم کے حکم میں ہے۔ تو کہا گیا لآلہ فی الوجود الا اللہ۔
سوال۔ الہ بمعنی مالوہ یعنی معبود ہے پس لآلہ الا اللہ میں کس معبود کی نفی کی گئی ہے۔ معبود مطلق کی یا صرف معبود برحق کی۔

جواب۔ دونو معنی مراد ہیں علی اختلاف القولین ایک یہ کہ معبود مطلق کی نفی کی گئی ہے خواہ معبود برحق ہو یا معبود باطل۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صرف معبود برحق کی نفی کی گئی ہے۔ وجہ اختلاف یہ ہے کہ لفظ الہ کا اصل معنی معبود ہے خواہ برحق ہو یا باطل۔ بعد ہی لفظ الہ غلبہ کے طور پر صرف معبود برحق کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا ہے۔ جیسا کہ "بیت" ہر قسم کے گھر کے لئے وضع ہوا ہے بعد تفسیراً صرف خانہ کعبہ کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا اور اسے لفظ نجم ہر ستارہ کو کہا جاتا ہے شریا ہو یا غیر شریا مگر جب بطور غلبہ صرف شریا کے معنی میں استعمال ہونے لگا تو صرف شریا کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا۔
اندریں صورت لفظ الہ کے معنی میں دو حالات پائے جاتے ہیں۔ غلبہ سے پہلے کا معنی اور غلبہ کے بعد کا معنی۔ چنانچہ فریق اول نے غلبہ سے پہلے والا معنی "مطلق معبود"

معتبر قرار دیا ہے کیونکہ وہی معنی اصل ہے۔ اس لئے "الہ" سے مراد مطلق معبود ہے۔
خواہ برحق ہو یا باطل۔

اور فریق ثانی، غلبہ کے بعد والا معنی کا اعتبار کرتے ہیں چنانچہ اعلام عالیہ میں غلبہ
کے بعد والا معنی کا اعتبار کیا جاتا ہے اور غلبہ کے بعد والا معنی "الہ" کیلئے ہے۔ معبود
برحق اور کلمہ طیب میں جس معبود کی نفی کی گئی ہے وہ معبود برحق ہے نہ کہ معبود باطل مطلق
اگر استثناء کی حقیقت کو سامنے رکھا جائے تو یہی معنی (بعد از غلبہ والے یعنی معبود
برحق) سب سے زیادہ صحیح اور درست معلوم ہوتے ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

سوال: "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" میں استثناء متصل قرار پایا ہے جس میں برحق ثانی
استثناء الشی عن نَفْسِہِ لازم آتا ہے مستثنیٰ منہ الہ یعنی معبود برحق ہے اور شئی الش
ہے جو کہ معبود برحق ہے۔ بس اصل عبارت ہوئی لَٰكُم مَّعْبُودٌ بِالْحَقِّ إِلَّا الْمَعْبُودُ بِالْحَقِّ،
چونکہ استثناء عن نفسہ باطل ہے جیسا کہ ماجامنی زید الا زید ہذا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ باطل ہوگا
جواب: کتاب تفسیر الاحکام مصنف: شہاب الدین میں ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
میں نفی ان معبودوں کی ہوئی ہے جو تصور تصور ہوتے ہیں اور الہ اللہ میں اس واجب الوجود
معبود کا اثبات ہوا ہے جو کہ فی الحقیقت خارج میں موجود ہے۔ مثال دے کر واضح کیا جاتا
ہے کہ "لاشمس الاضدہ" اس سورج کے سوا اور کوئی سورج نہیں۔ ذہن میں تصور کئے
ہوئے مختلف سورجوں کی نفی ہے اور صرف اس سورج کا اثبات ہے جو حقیقت میں
ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے (اور یہ بات طے ہے کہ محال کا تصور کفر نہیں
پس اس طرح استثناء الشی عن نَفْسِہِ لازم نہیں آتا کیونکہ ذہن میں تصور کردہ معبود اور
اور حقیقتہً خارج میں موجود معبود اور ہے۔

"عقیدہ قطبیہ" میں درج بالا سوال کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ مستثنیٰ منہ الہ
ہے اور وہ کلی ہے اور شئی "اللہ" ہے جو جزئی ہے جو کہ ذات باری تعالیٰ کا مختص
نام ہے کلی و جزئی آپس میں متغایر ہیں لہذا استثناء الشی عن نَفْسِہِ لازم نہیں آتا

البتہ اس جواب میں منطقیوں کے قواعد و ضوابط کے مطابق دو طرح کی بحث کی جاسکتی ہے جو کہ نحو اور منطق کی کتابوں میں موجود ہے۔

سوال :- چونکہ لفظ "الہ" اعلام غالبہ میں سے ہے لہذا وہ اسم علم ہے اور اسم علم معرفہ ہوتا ہے نکرہ نہیں ہوتا۔ جب نکرہ نہ ہو تو حرف نفی کے نیچے اگر عموم و استغراق اس میں کس طرح ثابت ہوتا ہے۔

جواب :- علم نحو میں ایک قاعدہ ہے کہ جب "علم" کسی صفت میں مشہور و معروف ہو تو ازراہ تاویل اسم علم بول کر صفت والا معنی مراد لیا جاتا ہے۔ مثلاً رَبِّ حَاقِمٍ میں حَاقِمٍ بوجہ سخی ہونے کے "خود" "جواد" سخی کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ بعینہ اسی طرح الاصفت معبود میں مشہور و معروف ہونے کے "خود معبود" کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اندر میں حالت، ایسا اسم علم نکرہ ہوتا ہے اور یہی جواب باصواب کافی ہے اس شبہ کے لئے جو وارد ہوتا ہے۔ آیتِ کرمیہ میں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهُ فِي الْأَرْضِ إِلَهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ (پارہ ۱۰۷)

سوال :- سب سے زیادہ صحیح قول کے مطابق "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" میں منفی معبود معبود

بالحق ہے نہ کہ معبود مطلق۔ اس قول کے تحت، کلمہ پاک میں معبود باطل کی نفی نہیں ہوتی جب کہ کلمہ پاک میں مقصود معبود ان باطلہ کی نفی ہے کہ مشرکین کے عقیدہ میں ان کی پرستش پائی جاتی ہے جس کی نفی کی جانی ضروری ہے تو وہ کیسے ہوگی۔

جواب :- معبود ان باطلہ، اللہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے کیونکہ وہ حاجت مند ہیں اور جو خود محتاج ہو وہ حقیقت میں درجہ الوہیت سے خارج ہو جاتا ہے۔ اندر میں صورت جو خود بخود منفی ہو چکا ہو۔ اس کی صراحتہ نفی کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

سوال :- الأحرف استثناء ہے جو کہ دو قسم ہے متصل اور منقطع کلمہ طیبہ میں کونسی قسم ہے۔

جواب :- کلمہ طیبہ میں استثناء متصل ہے کیونکہ اگر استثناء منقطع ہوتا تو مستثنیٰ میں زبر نصب آتی جب کہ کلمہ طیبہ میں بالاتفاق من الجھور مستثنیٰ پر پیش پڑ جاتا ہے

کہ لا الہ سے محلاً بدل بن کر استعمال ہوا ہے۔

سوال۔ جب لا الہ الا اللہ میں لفظ اللہ مستثنیٰ متصل ہے تو زبر و نصب یوں نہیں آتی؟

جواب ہے۔ اگرچہ قانون کا تقاضا یہی ہے کہ نصب بر بنائے استثناء اور رفع بر بنائے بدل دونوں (زبر اور پیش) صحیح ہیں لیکن ایک مخصوص وجہ میں یہاں بر بنائے بدل رفع پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ وہ مخصوص وجہ یہ ہے کہ کلمہ طیب میں مقصود اصلی اور مطلوب کلی لا الہ ہے جس سے واحدانیت کا اثبات ہوتا ہے اگر بدل قرار دینے میں بھی مقصود اصلی اللہ ہی بنتا ہے تو رفع کے علاوہ نصب پڑھنا بر بنائے استثناء جائز ہے مگر وہ چونکہ فضلہ ہے اس سے اجتناب برتا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں لکے بعد ہر جگہ پیش پڑھا گیا ہے جیسا کہ لا الہ الا ہو، لا الہ الا انت میں زبر نہیں رکھی گئی ہے۔

نیز! علماء کرام فرماتے ہیں کہ کلمہ طیب میں جز کا محذوف ہونا واجب ہے تاکہ فی کے بعد مقصود اصلی اور مطلوب کلی کے اثبات میں تاخیر نہ ہونے پائے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علمائے کرام کے نزدیک "لا" پر "مد" پڑھنے کو ترک کر دینا مناسب ہے تاکہ مقصود کا اثبات جلدی سے کیا جاسکے کیونکہ چراغ سحری کا کیا بھروسہ؟ صرف "لا" پڑھنے کے بعد "لا الہ الا اللہ" پڑھنے سے پہلے موت آجانے کی صورت میں مقصود اصلی فوت ہو جانے کا خوف باقی ہے۔

اور بعض لوگوں کے نزدیک کچھ تفصیل ہے۔ کافر، کفر سے توبہ کرتے وقت کلمہ طیب پڑھ کر مسلمان ہو رہا ہو اسے "مد" کا ترک کر دینا افضل ہے تاکہ حصول مقصود میں تاخیر نہ ہونے پائے۔ اور اگر مسلمان کلمہ طیب کا ذکر کر رہا ہو تو مد سے پڑھے تاکہ حروف و حرکات کی زیادتی سے ثواب میں فراوان حصیب ہو۔ اور یہ قول مستحسن ہے۔

سوال :- کلمہ طیبہ میں حرف لاکہ مد کے مقدار بتائیے؟

جواب :- اس میں تین قول ہیں۔ ایک یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کی مد کی مقدار دو الف کے برابر ہے۔

دوم :- تین الف کی مقدار۔ سوم :- بعض کے نزدیک مد، چہار الف کی مقدار برابر ہے اور یہی قول قابل ترجیح ہے۔

روایت یہ ہے کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلمہ طیبہ میں حرف "لا" کو چار الف کے برابر مد دیجئے تو نائے اعمال میں سے چار ہزار گناہ کبیرہ محو کر دیئے جاتے ہیں۔

سوال :- اگر کوئی پوچھے کہ الف کے مد کی مقدار کیسے معلوم کی جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تجوید و قرأت کی کتابوں میں، ایک الف کی مدت قرأت، انگلی کے عقود سے ایک عقد کے برابر ہے۔ کتب سلف میں اسی طرح ہے۔ اگر ضروری سمجھیں تو اس کی طرف رجوع کریں۔

سوال :- کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ میں محمد مبتدا اور رسول اللہ خبر ہے یا کلمہ طیبہ میں مبتدا و خبر یعنی محمد اسب یوں واقع ہوا ہے؟

جواب :- محمد رسول اللہ جہد متانفہ ہے جو کہ سوال مقدر کا جواب واقع ہوا ہے جب کہنے والے نے لا الہ الا اللہ کہا تو سائل نے سوال کیا کہ تم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کیا کہتے ہو تو جواب دینے والے نے کہا "محمد رسول اللہ" اس طرح لا الہ الا اللہ حقیقت کا بیان ہوا اور محمد رسول اللہ شریعت کا بیان قرار پایا۔

تاریخ کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت طلوع صبح صادق کے بعد آفتاب طلوع ہونے سے پہلے، بروز سوموار مکہ معظمہ میں ہوا۔ اس مبارک سراسے میں ہوئی جو آجکل حجاج بن یوسف ثقفی کے بھائی محمد بن یوسف کے سراسے کہلاتی ہے۔ لیکن مؤرخین کے ہاں ماہ و سال اور تاریخ کے تعین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اکثر مؤرخین کہتے ہیں کہ واقعہ فیل کے چالیس یا پچاس دن بعد، آپ پیدا ہوئے
 دوسرا گروہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت واقعہ فیل
 کے تیس سال بعد ہوئی۔ بعض کے نزدیک چالیس سال بعد از واقعہ فیل کا ذکر بھی ملتا
 ہے۔ قول اول صحیح ہے۔ اکثر علماء کرام اور فضلاء عظام کا عقیدہ یہ ہے کہ بارہ ربیع الاول
 یوم ولادت ہے۔ دہم ہشتم ربیع الاول کا ذکر بھی آیا ہے۔ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ
 کا فرمان ہے کہ ولادت مبارکہ کی تاریخ دہم ربیع الاول قرار پائی ہے اور کچھ لوگوں نے
 یہ بھی کہا کہ ولادت مبارکہ رمضان المبارک میں واقع ہوئی ہے۔

جامع الاصول میں منقول ہے کہ سلطان سکندر الرومی سے آٹھ سو بہتر سال بعد آپ
 تولد ہوئے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ بعثت عیسیٰ علیہ السلام
 سے ولادت نبوی تک کا درمیانی وقت چھ سو سال کا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام
 سے ایک ہزار چھ سو سال بعد، سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے دو ہزار چھ سو سال بعد
 سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تین ہزار ستر سال بعد، اور حضرت نوح علیہ السلام سے
 چار ہزار چار سو نوے سال بعد سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چھ ہزار سات سو پچاس سال
 بعد مطلع صمدیت سے آفتاب جہان تاب، منور و تاباں طلوع ہوا تو
 اشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھی دریا و صحرا،
 کوہ و دہن میں اُجالا ہو گیا۔

سوال۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مبارک نام "محمد" سے کیوں موسوم ہوئے؟
 جواب۔ تشریح الشرح میں لکھا ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے
 قبل ولید قادر لم یزل کی حمد و ثناء میں مشغول رہتا کرتے تھے۔ لہذا اس نام سے موسوم
 ہوئے۔

سوال۔ آپ کے اسماء گرامی میں نام "محمد" کی وجہ خصوصیت کلمہ طیبہ میں
 کیوں ہے؟

جواب ہے۔ کشف الاسرار میں فرماتے ہیں کہ علامہ نیشاپوری نے لکھا کہ سید دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کو چار حروف (میم و حا و میم و وال) والا نام دینے میں "اللہ" کے نام کے حروف میں تعداد سے مطابقت مقصود تھی ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ محمد، اللہ سے ایسے ہم قرین ہو چکے ہیں کہ ہر وقت اذان و اقامت، تشہد و خطبہ جمعہ میں، اللہ کے نام کے ساتھ نبی پاک کا نام محمد ساتھ ساتھ ہرے وَرَفَعْنَا كُفْرًا كُفْرًا هَمْنًا نے آپ کا ذکر بلند کر دیا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ آیت قرآنیہ میں رفعت ذکر سے اشارہ ملتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی پرواز عرش الہی سے نیچے نیچے تک رہی مگر سید الانبیاء علیہم السلام کے ہاتھ ہمت کی پرواز عرش و کرسی سے آگے بلکہ کہیں اور آگے چلی گئی۔

سیرت فہم کس از انبیاء ز رفت
آنجا کہ تو ببال کرامت پریدہ
ہر یک بقدر خویش بجا رسیدہ اند
آنجا کہ جلے نیست تو آنجا رسیدہ

انبیاء کرام میں سے کسی نبی پاک کا شاہین عقل، اس مقام تک رسائی حاصل نہ کر سکا۔ جہاں تاجدار نبوت کی پرواز کرامت ساز جا پہنچی ہر ہر نبی نے ایک متعین مکان تک عروج فرمایا مگر آپ تو لامکان کی سرحدیں بھی پار کر گئے۔

فائدہ ہے۔ آپ کے نام نامی "محمد" کے موجودہ چار حروف میں ترتیب سے بہت کچھ اسرار و رموز ملتے ہیں مثلاً۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو "محمد" کی صورت میں پیدا فرمایا (اور اس صورت کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب انسان کروٹ میں سر اور رخسار کے نیچے ہاتھ رکھ لیتا ہے اس کی میت کذائی سے لفظ "محمد" عیان ہوتا ہے) چنانچہ میم سر کی صورت، حا دونوں ہاتھ پیٹ و پشت، دوسری میم دونوں رانوں کے جمع ہونے کی جگہ اور وال بمنزلہ دونوں پاؤں کے ہے۔

سنیذہ میم سے مراد اسلام قبول کرنے کے بعد محو کفر اور بعض کے نزدیک

محسبات ہئے اس شخص کے لئے جو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع ہو۔
بعض لوگوں کے نزدیک میم سے مراد، منذر اور مبشر سے ملکہ اُمت تمام
محمود بھی میم سے مراد لیا جاتا ہے۔

ح کے معنی ہیں حاکم یعنی اللہ تعالیٰ کے اذن اور عطا کردہ اختیار سے، خلقت
میں حکومت کرنیوالا، آپ کے وسیلہ و واسطہ کے صدقے، حیات اُمت بھی مراد ہو
سکتی ہے۔

دوسری میم سے اشارہ ملتا ہے اس مغفرت کی طرف جو کہ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک
کی اُمت کو عطا فرمائی ہے۔

وَال سے مراد ہئے دَاعِيَا إِلَى اللَّهِ بِآذِنِهِ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيَا إِلَى اللَّهِ بِآذِنِهِ وَسِرًا
مَنْبِيًّا (پارہ ۲۲، رکوع ۳) اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے بھیجا
تہیں حاضر ناظر، جو خوشخبری دیتا اور سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلا ہے
اور چمکا دینے والا آفتاب ہے۔

اور بعض لوگوں نے وَال سے دلیل کا معنی مراد لیا ہے۔ بہشت جانے کے لئے
اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لئے، دُنیا و آخرت میں مومنوں کے لئے آپ ہی دلیل ہیں۔
فیروزہ اس مبارک نام کے خصائص میں سے ہے کہ جب عرش تخلیق ہوا تو
مضطرب رہنے لگا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس پر اپنے محبوب کریم کا نام "محمد" لکھ دیا
تو عرش میں سکون و قرار آ گیا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

اگر نام محمد رانیاوردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجاتنا

فائدہ۔ رسول بروزن فعول، مُرْسَل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی دست و
اور صاحب رسالت اور شریعت میں ہے۔ الرَّسُولُ هُوَ السَّافُّ بَعَثَهُ اللَّهُ تَعَالَى
لِتَبْلِيغِ الْأَحْكَامِ مَعَهُ كِتَابٌ جَدِيدٌ وَشَرِيحٌ جَدِيدٌ رَسُولٌ أَيْ بَرَكزِيهِ السَّانِ بِه

جسے اللہ تعالیٰ نے خلق کی طرف اپنا پیغام و احکام پہنچانے کے لئے مامور فرمایا ہو اور اس کے پاس نبی کی کتاب اور نبی شریعت ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ** (پارہ ۶، آیت ۱۳)

اے رسول پہنچا دو جو کچھ اترا تمہارے پاس، تمہارے رب کی طرف سے اور ایسا نہ ہوا تو تم نے اس کا کوئی پیام نہ پہنچایا اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو راہ نہیں دیتا۔

نبی کے معنی میں اہل سنت کے درمیان اختلاف ہے بعض اس کو لفظ نبی سے مشتق قرار دیتے ہیں جس کے معنی خبر کے ہیں اور اس اصل کے لحاظ سے نبی کے معنی "خبر دینے والا" بعض کے نزدیک اس کا مادہ نبو ہے یعنی رفعت و بلندی اور اس معنی کے لحاظ سے نبی کا مطلب ہے "بلند مرتبہ اور عالی مقام" اترہری نے کسائل سے ایک تیسرا قول بھی نقل کیا ہے اور وہ ہے کہ یہ لفظ دراصل نبی سے ہے جس کے معنی طریق اور راستے کے ہیں اس معنی کے لحاظ سے نبی کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا راستہ۔

اصطلاحی معنی ہے **النَّبِيُّ مَنْ أُوْحِيَ إِلَيْهِ سَوَاءٌ أُنزِلَ عَلَيْهِ الْكِتَابُ أَمْ لَا** اور نبی، وہ برگزیدہ انسان ہوتا ہے جس کی طرف وحی آئے خواہ اس پر کتاب آری ہو یا نہیں۔ بعض لوگ نبی اور رسول کو بالعموم ہم معنی قرار دیتے ہیں جیسا کہ امام زاہدی نے اپنی تفسیر میں بھی کچھ صراحت سے فرمایا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ قول اول مشہور اور زیادہ صحیح ہے۔ یعنی رسول صاحب وحی اور صاحب معجزہ ہوتا ہے اور اس پر کتاب و شریعت نازل ہوتی ہوتی ہے مگر نبی کے پاس کتاب نہیں ہوتی وہ سابقہ شریعت پر عمل کرنے کا پابند ہوتا ہے۔

سوال: سیدنا داؤد علیہ السلام باتفاق نبی ہیں رسول نہیں مگر ان پر اللہ کی

طرف سے کتاب زبور نازل ہوئی ہے۔ بدین معنی رسول کہلائے نہ نبی وجہ بتلائے؟
جواب سے یہ عقیدہ قطعیہ میں مرقوم ہے کہ کتاب سے مراد، وہ کتاب ہے جس میں
شریعت مقدسہ کے احکامات بیان کئے گئے ہوں اور وہ شریعت سابقہ شراعیہ کے
لئے ناسخ ہو۔ جیسا کہ امام انبیاء کی کتاب و شریعت ناسخ ہے۔ بخلاف کتاب زبور
کے کہ اس میں صرف قصص اور امثال پائے جاتے ہیں۔ احکام شریعت کا کہیں ذکر
نہیں ہے ہی وجہ ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام، سیدنا موسیٰ کلیم کی شریعت
پر عمل فرماتے، بدین وجہ داؤد علیہ السلام نبی ہیں رسول نہیں۔

سوال :- جملہ پیغمبروں پر ایمان لانا فرض ہے اول پیغمبر آدم اور آخر پیغمبر محمد صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم ہیں جبکہ کلمہ طیب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا باقی کسی کا
ذکر نہیں حالانکہ کہا جاتا ہے اَمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلَاٰئِكَتِہٖا وَکُتُبِہٖا وَرُسُلِہٖا وَالنَّوْمِ الْاٰخِرِ
وَالْقَدْرِ خَيْرٍ وَشَیْءٍ..... جس میں رسل بصیغہ جمع استعمال ہوا ہے اس کے برعکس
کلمہ طیب میں لفظ "رسول" مفرد استعمال ہوا ہے۔ کیوں؟

جواب :- جملہ پیغمبروں کی نبوت کا دار و مدار ہمارے نبی پاک کی خبر پر ہے جب
ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے تو گویا از آدم تا اینم سب نبیوں
رسولوں پر ایمان لے آنا ثابت ہو گیا۔

فائدہ :- امام احمد نے حضرت ابو امامہ سے اور حاکم نے حضرت ابو ذر سے
نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رسولوں کی تعداد پوچھی گئی تو آپ نے ۲۱۳ یا
۳۱۵ بتائی اور انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی۔ اولوالعزم رسول چھ ہیں آدم
نوح ابراہیم موسیٰ عیسیٰ اور سیدنا محمد ان سب میں افضل ہمارے پاک پیغمبر ہیں
جس کی فضیلت میں دلائل و براہین بکثرت موجود ہیں آپ کے بعد ابوالبشر سجد ملائکہ
سیدنا آدم کو فضیلت حاصل ہے پھر نوح کا عالی مقام ہے اور طوفان کے بعد
"ابوالانسان" حضرت نوح کا نام آئے۔ بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو فضیلت
حاصل ہے وہی آئے بغیر محض عقل سلیم سے اللہ تعالیٰ کی پہچان آپ نے فرمائی

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ سیدنا موسیٰ کلیم خدا سے ہم کلام ہو کر فضیلت پا گئے اور بعض لوگ بے پردہ پیدا ہونے کی صورت میں سیدنا عیسیٰ روح اللہ کو فضیلت دیتے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

فیروزہ لَا تُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْ رُسُلِنَا۔ ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے۔ یہ مومنین کی حکایت بیان ہو رہی ہے کہ ہم ان پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے جیسا کہ یہود نصاریٰ نے کیا کہ بعض پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کر دیا۔ ہم سب کو برحق نبی و رسول جان کر سب پر ایمان لاتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں رسولوں میں سے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہ کرنے کا ثبوت ہلکے سے مگر مرتب منزلت میں انہیں ایک دوسرے پر فضیلت دینے کی ممانعت نہیں ہے خود قرآن کہتا ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِّنْهُمْ مِّنْ كَلِمَ اللّٰهِ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَّاٰتَيْنَا عِيسٰى بِنُورٍ مِّنْ رَّبِّهِ وَاٰتَيْنَاهُم مِّنْ رَّبِّهِم مَّا يَشَاءُوْنَ۔

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ ان میں کسی نے اللہ سے کلام کیا اور کوئی دوسرے جسے سب پر درجوں میں بلند کیا اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلی نشانیاں دیں اور پاکیزہ روح سے اس کی مدد کی۔
تفایر کتب حدیث اور کتب فقہ میں اس موضوع پر تفصیل وار گفتگو موجود ہے۔

فائدہ :- امام نووی تحریر فرماتے ہیں کہ سلام کے بغیر صلوٰۃ مکروہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس صلوٰۃ کے بغیر سلام بھی مکروہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ وَاٰیٰہِا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِمْ وَسَلِّمُوْا وَسَلِّمًا
(پارہ ۲۲ رکوع ۴) بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں پیغمبر پر
صلی اللہ علیہ وسلم، اے ایمان والو! تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

اس آیت پاک میں صلوٰۃ و سلام دونوں کا حکم آیا ہے۔ کچھ متاخرین نے کہا کہ

صلوٰۃ سلام کے بغیر اور اس کے برعکس یعنی سلام، صلوٰۃ کے بغیر، بلا کرامت جائز نہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ صلوٰۃ و سلام میں واو عاطفہ مطلق جمع کیلئے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کبھی صلوٰۃ اور کبھی سلام پڑھ لیا جائے بیک وقت دونوں کا جمع کرنا ضروری نہیں ہے۔

البتہ مجبور کا مذہب ہے کہ صلوٰۃ و سلام کا حکم واجب کا معنی دیکھنے ضروری ہے کہ درود و سلام دونوں پڑھے جائیں۔

مقدار میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ متفقہ قول یہ ہے کہ ہر مسلمان پر عمر بھر میں کم سے کم ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا فرض ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں صریح حکم ہے: صَلُّوا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیْمًا۔ اور امر بالفعل تکرار نہیں چاہتا صرف ایک بار عمر میں واجب ہے جیسا کہ حج بیت اللہ عمر میں ایک دفعہ فرض ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے کہ ہر بار ذکر کرنے والے اور سننے والے پر درود و سلام پڑھنا فرض ہے اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کی تعظیم ہے جیسا کہ صوم و صلوٰۃ کا حکم بصیغہ امر، تکرار چاہتا ہے۔

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ایک ہی محفل میں ایک دفعہ درود شریف پڑھنا واجب ہے خواہ ذکر الرسول بجزرت پڑھایا نہ جائے جیسا کہ سجدہ تلاوت کا ایک ہی محفل میں حکم ہے۔

واجب آمد چونکہ آید نام او !!

شرح کردن رمزے از العام او

پہلا قول زیادہ موافق ہے دوسرا قول بر بنائے احتیاط ہے اور تیسرا قول بہت آسان ہے۔ بعض کے نزدیک جب آنحضرت کا اسم گرامی کہا یا سنا جائے درود واجب ہے اور ترک کرنے پر وعید عذاب ہے بعض علماء حنفیہ کے نزدیک یہی قول افضل ہے اور مجمع علماء حنفیہ اس پر متفق ہیں کہ ایک مجلس میں ایک بار درود واجب ہے اور باقی مستحب اور اسی پر فتویٰ ہے کتب کلام مزرع الحسنات میں اس طرح

درج ہے۔

[حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح بخاری میں درود شریف کے

متعلق تقریباً اسی مذہب نقل کئے ہیں۔ کتب کلام میں بھی یہ بحث موجود ہے۔ مزار

الحسنات میں درود شریف کی بحث تفصیل وار موجود ہے۔ (ترجم)]

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِمَا دَبَّارِكُ وَسَلَّمَ

سوال :- درج بالا تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ درود شریف علی اختلاف القولین

فرض ہے یا واجب تو پھر کلمہ طیب "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ" میں نام محمد

سُن کر اور پڑھ کر درود و سلام کیوں نہیں پڑھا جاتا یا لکھا جاتا۔

جواب اول :- نام نامی اسم گرامی نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کی

خاطر درود و سلام پڑھنا واجب ہے۔ رکن نہیں۔ رکن وہ ہوتا ہے جس پر ایمان کا

مدار و مناط ہو۔ چونکہ کلمہ طیب میں ایمان کے محل ارکان کا ذکر کیا گیا ہے نہ کہ واجبات

ایمان کا لہذا درود و سلام نہیں پڑھا لکھا جاتا۔ جب درود و سلام واجبات سے

ہے تو کلمہ طیب میں اس کا پڑھنا لکھنا چہ معنی دارو ؟

اور جن لوگوں کو اصرار ہے کہ درود و سلام رکن ہے وہ سچی پر نہیں۔

جواب دوم :- آگے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام آپ کے

اسم گرامی "مُحَمَّدٌ" کی تعظیم و تکریم ہے جو کہ مقصود ایمان ہے اور یہ تعظیم و تکریم "رَسُولُ اللَّهِ"

کہنے سے حاصل ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رسول کی اخصافت ہونے سے رسول کو

عظمت ملتی ہے جیسا کہ ناقۃ اللہ و بیت اللہ۔ اندر میں صورت کلمہ شریف میں مزید درود

و سلام پڑھنا چنداں ضروری نہیں رہتا۔

سوال :- انبیائے سابقین پر صلوات اللہ علیہ پڑھا لکھا جاتا ہے اور سید الانبیاء

پر صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرق واضح کیجئے۔

جواب :- آیت کریمہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِمْ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا میں درود

و سلام مامور ہے اور مامور بہ عبادت کا درجہ رکھتا ہے اور یہ بھی طہر ہے

کہ عبادت میں خلوص ہو۔ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ دِينَهُمْ (اور انہیں حکم دیا گیا ہے کہ عبادت خداوندی خلوص سے ادا کریں۔ اور خلوص کے لئے ارادہ اور قصد ضروری ہے یہی وہ شرط ہے جس نے عبادت اور عادت کے درمیان امتیاز پیدا کر دیا یعنی عبادت میں قصد اور ارادہ لازمی ہے اور عادت میں ارادہ کو دخل ہی نہیں آیت کریمہ میں "صَلُّوا عَلَيْنَا وَسَلِّمُوا" کے الفاظ قصد و ارادہ چاہتے ہیں اس لئے کہ صَلُّوا باب تفعیل کہے جس میں مبالغہ کا معنی پایا جاتا ہے اور مبالغہ، قصد اور ارادہ کا دوسرا نام ہے۔ مثال دے کر سمجھایا جاتا ہے۔ جَالِعٌ فِي الْمَقْمَضَةِ وَالِاسْتِنشَاقِ مِنْهُ أَوْ نَاكٍ فِي يَدَيْهِ دِيْتَهُ وَقَدْ مَبَالِغُهُ كَرُوْا - یعنی مضمضہ میں حلق تک اور استنشاق میں نتھنوں تک پانی پہنچانے کا قصد و ارادہ کرو۔ صَلَّوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهَا جَمَلَةٌ خَيْرٌ يَّهْتَمُّ أَوْ خَيْرٌ فِي قَصْدٍ وَارَادَةٍ بِرَدَّالَتٍ نَهِيں ہو سکتی کیونکہ مخبر کی خبر، قصد و ارادہ سے ہو یا نہ ہو، دونوں حالتوں میں اسے خبر کہا جاتا ہے۔ سَيِّدُ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَادُرُودٌ وَسَلَامٌ مَامُورٌ بِهِ هُوْنَةُ كِي وَجْهٌ سَعْدًا أَدَاكَ نَاضِرٌ يَّهْتَمُّ يَّهْتَمُّ وَجْهٌ كَقَصْدٍ وَارَادَةٍ كَامَعْنَى دِيْنَةٍ وَالْأَلْفِظُ "صَلِّ وَسَلِّمْ" خَاتَمُ الْبَنِيْتِيْنِ كَسَاخِةٍ مَخْصُوصٌ كِيَا كِيَا هُوْنَةُ - انبياء سابقين پر درود و سلام پڑھنے کا بالقصد حکم وارد نہیں ہوا ہے۔ لَهَذَا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُوسَى وَاللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى عِيسَى نَهِيں کہا جاتا بلکہ سَيِّدُ مُوسَى صَلَّوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ أَوْ سَيِّدُ إِبْرَاهِيمَ صَلَّوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ کہا جاتا ہے۔

سوال :- ہمارے پیغمبر خاتم النبیین افضل الانبياء ہیں درج بالا تفصیل سے لازم آتا ہے کہ انبیاء سابقین (مفضل علیہم) کو افضل قرار دیا جائے کیونکہ ان پر صلوات اللہ علیہ پڑھا لکھا جاتا ہے جو کہ جمع ہے اور نبی پاک پر صل و سلم جو کہ مفرد ہے جبکہ اس میں شک نہیں کہ جمع، مفرد سے زائد چیز ہے۔

جواب :- صل و سلم دونوں فعل امر ہیں اور ہر فعل اپنے مصدر پر دلالت کرتا ہے

چونکہ مصدر اسم جنس ہوتا ہے اور جنس میں عموم پایا جاتا ہے۔ لہذا صلوات اللہ علیہ کو صل و سلم پر غلبہ نہیں ہو سکتا بلکہ صل و سلم ہی غالب رہے گا صورت یہ ہے

کہ صل و سلم بوجہ فعل ہونے کے۔ جمع و عموم کا معنی دیتے ہیں
 مزید برآں اس میں باب تفعیل نے قصد و ارادہ کا معنی بھی بڑھا دیا ہے جبکہ یہ دونوں صفتا
 (جمع عموم اور قصد و ارادہ) صلوات اللہ علیہ میں نہیں پائے جاتے۔ مشائخ کی کتب
 اور کتب کلام کا استفادہ اسی طرح ہتے جو لکھ کر پیش کر دیا۔
 اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ



ہمکتوب ۲۲

خائبِ عالی مظلّمُ العالی !

عوام و خواص میں عموماً اور مختلف لوگوں میں بھی عموماً بحث و تمحیص جاری رہا

کرتی رہے۔ (موضوع سُخن ہوتلہئے ولایت اور درویشی)

بعض لوگ کہتے ہیں اللہ والے لوگ پہلے زمانہ میں نہ کہ صرف ہمارے ملک

میں بلکہ اطراف عالم میں اور ہفت اقالیم میں ہر وقت ہر جگہ موجود تھے جن کی دُعاؤں

میں اثر ہوا کرتا تھا اور وہ بھی لوگ شربتِ فنا، نوشِ جان کر کے دارِ فانی سے دارِ باقی

کو سدھار گئے اندریں وقت اُن جیسا مقدس نام و نشان کہیں بھی نظر نہیں آتا۔

عوام و خواص اپنے گمان و خیال میں، جنہیں درویشی ولی غوث و قطب سمجھتے

ہیں، سراسر فسق و فجور میں مبتلا ہیں لوگوں کو اپنی نفسانی غرض اور دُنیاوی طمع کی خاطر اپنے

دامِ فریب میں پھنسا دیتے ہیں خود گمراہ ہیں اور لوگوں کو مزید گمراہ کر رہے ہیں خفتہ رانختہ

کے کند بیدار

جبکہ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ اللہ جو چاہتا ہے

کر لیتا ہے تو اللہ والوں کو اختیارات کہاں؟ اور ان سے مدد مانگنا بے سود ہے۔

ایک جماعت اپنے اس اعتقاد پر ڈٹی ہوئی ہے کہ ہر زمانے میں حقیقی حکومت

اللہ والوں کو حاصل ہے مگر ہم ان کے احوال باکمال سے بے خبر ہیں۔

میرے مرشدِ غریب نواز! ہمیں بتلایا جائے کہ قطب کسے کہتے ہیں اور غوث

کون ہوتلہئے، ولی کی کیا تعریف ہے ابدال اوتا دیکھا کچھ ہوتے ہیں۔ نیز قطب میں

کس قدر قوت و اختیار ہوتلہئے اور ولی کی طاقت کس قدر دتی ہے اور یہ لوگ

بارگاہِ باری تعالیٰ سے کس قدر امور کے لئے مامور و ماذون ہوتے ہیں اور کس قسم

کے کام سرانجام دے سکتے ہیں اور وہ کون سے معاملات ہیں جن سے ان کو واسطہ
ہمک نہیں ہوتا؟

ان پر اگندہ خیالات کو سُن کر نہ صرف کم ترین کا دلِ عجز، منزل، مقررہ ہئے بلکہ
تمام غلام، میدام، آلوالاشان کا کلام فیض انجام کے سُنانے کا اشتیاق رکھتے ہیں۔
براہِ عنایت بے غایت، صاحبانِ والا مرتبت کی قدر و منزلت نوکِ قلم میں
منسک کر کے ہمیں ترسیل و تبلیغ فرمادیتے تھے تاکہ ہم بھی غلام اس عقیدہ سعیدہ پر مضبوط
اور محکم ہیں۔



جواب ۲۲

برخوردار بعد از سلام واضح باو اس قسم کے اکثر سوالات، مسک باطلہ کی طرف سے وارد شدہ آپ لکھ کر مجھے بھیجتے رہے اور ہم بھی قرآن و سنت کے مطابق اور مشائخ عظام کی تعلیمات کے موافق ان کے جوابات تمہیں لکھ دیا کرتے رہے۔
 فیروز! بارہا منع کیا ہے کہ بڑی صحبت اور بد مذہب کی ہم نشینی سے اجتناب کیا جائے اور یہ بھی بارہا کہا جا رہا ہے کہ قرآن و حدیث کے منکر کے ساتھ بحث و تمحیص کے بجائے سکوت اختیار کر لیا جائے۔

انکس کہ بقران و خبر زو نہ رہی

آلت جو ابشس کہ جو ابشس نہ ہی

پھر بھی حسب مدعا اور فائدہ عام ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے چند سنات مشائخ تحریر ہیں۔ ہوشس کے کانوں سے سنیں اور ان پر کار بند رہ کر اللہ والوں کے منکرین کی صحبت سے باز آجائیں۔

صحبت صالح ترا صالح کند

صحبت طالح ترا طالح کند

جاننا چاہیے کہ سید محمد بن جعفر مکی حسینی، خلیفہ خاص حضرت شیخ المشائخ نصیر الدین چراغ دہلوی قدم سترہ اپنی کتاب "بحر المعالی" میں فرماتے ہیں۔
 قطب عالم زمانے میں ایک ہوتا ہے اس کے وجود مسعود کے طفیل ساری مخلوق دنیاوی اور اخروی کا وجود قائم دائم رہتا ہے۔

[قطب لغت میں چکی کی کیل کو کہتے ہیں جس پر تمام چکی کا

مدار ہے۔ (مترجم)]

ایسے ہی اگر قطب دُنیا میں نہ ہوں تو انتظامِ عالم تباہ و برباد ہو جائے۔ قطب خود حق تعالیٰ سے فیض حاصل کرتا ہے ایسے قطبِ عالم کو قطبِ مدار اور قطبِ ارشاد کہتے ہیں۔ ارشاد کے معنی راہ دکھلانا اور مدار کے معنی ہیں جگہ گروش یعنی قطبِ ارشاد سے اللہ کی مخلوق کو ہر طرح کا نفع بظاہر و باطن، بے حساب ملتا ہے اور قطبِ مدار بدین معنی کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے اور بذاتِ خود کامل و اکمل ہو یعنی ساری مخلوقات اس کی گرویدہ ہو اور اپنے کاموں میں اس سے مدد چاہے یہ سب مجازی نام ہیں مگر دراصل زمین و آسماں میں اس کا نام "عبد اللہ" ہوتا ہے۔ اور اس کے دو وزیر ہوتے ہیں ایک وزیرِ دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف۔ وزیرِ یمن جس کا نام عبد الملائک ہوتا ہے قطبِ مدار سے فیض پا کر عالم بالا والوں کو فیضان فرماتا ہے اور وزیرِ لیسا جس کا نام عبد الرب ہوتا ہے عالمِ پست والوں کو فیضان فرماتا ہے۔

جب قطبِ مدار دُنیا سے عالمِ آخرت کو رحلت کر جاتا ہے تو وزیرِ یمن عبد الملائک اس کی جگہ لے لیتا ہے اور وزیرِ لیسا عبد الرب، وزیرِ یمن کے مقام تک ترقی کر لیتا ہے اور ابدالوں میں سے ایک ابدال جو کہ ستینا امرافیل علیہ السلام جیسا دل رکھتا ہے، عبد الرب کی جگہ نامزد کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

فائدہ:- تمام قطب جو بیک وقت دُنیا میں موجود ہوتے ہیں تعداد میں بارہ ہیں سات قطب سات اقلیم میں جنہیں قطبِ اقلیم کہا جاتا ہے اور پانچ قطب پانچ ولایت میں قیام پذیر ہیں جنہیں قطبِ ولایت کہا جاتا ہے۔

قطبِ مدار کا فیضان قطبِ اقلیم پر اور اقطابِ اقلیم کی نوازشیں اقطابِ ولایت پر اقطابِ ولایت کی توجہ، اولیاء کرام پر صادر و نازل ہوتی ہیں یہ سلسلہ تا قیام قیامت قائم رہے گا۔ ولی اللہ ترقی کر کے قطبِ ولایت، قطبِ ولایت سے قطبِ اقلیم اور قطبِ اقلیم سے ابدال جو کہ ستینا امرافیل علیہ السلام کا سا دل رکھتا ہے، اور ابدال تینوں درجات طے کر کے قطبِ مدار کے مقام تک پہنچتا ہے اور قطبِ مدار و

ارشاد، ترقی یاب ہونے پر مقام فردانیت پر فیض یاب ہونے اور وہ سیدنا علی المرتضیٰ جیسا دل رکھتا ہے اور حضرت علی المرتضیٰ، سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منظر اتم ہیں۔ البتہ مقام تفرید پر فیض یاب شخصیتوں کی تعداد متعین نہیں کم و بیش ہوتے رہتے ہیں لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ انہیں صرف قطب مدار یاد دہرا اقطاب پہچانتے ہیں ترقی فرما کر قطب حقیقی اور قطب حقیقی سے مقام مجبوی میں فنا نزل کر ہوتے ہیں مگر مقام مجبوی تک بہت تھوڑے لوگوں کو رسائی نصیب ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جمع اولیاء اللہ سے صرف دو شخص مقام مجبوی تک رسائی حاصل کر گئے ایک شیخ المسلمین محی الدین عبد القادر جیلانی محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے شیخ المشائخ نظام الدین بدایونی محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ۔

سید محمد بن جعفر مکی حسینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ایک دن دریائے نیل میں حضرت خضر علیہ السلام میرے ساتھ کشتی میں سوار تھے باتیں چل نکلیں تو انہوں نے فرمایا شیخ المسلمین شیخ محی الدین عبد القادر محبوب سبحانی اور شیخ المشائخ نظام الدین بدایونی محبوب الہی دونوں مقام مجبوی و معشوقی میں ہیں اور فرمایا قسم بخدا نیلے گنبد والے آسمان کے نیچے ان دونوں جیسا اور کوئی شخص نہیں پیدا ہو سکا۔ ممکن ہے کوئی آجلے مگر امید نہیں کیونکہ مقام مجبویت "غیرت" کا مقام ہے۔ انتہی کلام

یہاں اس مکتوب میں مقام مجبویت کی تفصیل ممکن نہیں اس لئے اس مقام پر گفتگو کو ختم کئے دیتا ہوں فہم من فہم سمجھا جس نے سمجھ لیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اسمائے دوازده اقطاب۔

بارہ اقطاب کے نام نامی اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

قطب اول۔ سیدنا نوح علیہ السلام جیسا دل رکھتا ہے۔ اور اس کا در و سورۃ السین ہوتا ہے۔ (یعنی اس کا دل حضرت نوح علیہ السلام کے دل کی کیفیات سے متصف ہوتا ہے۔)

قطب دوم :- سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا سا جوہر رکھتا ہے اور اس کا وظیفہ سورۃ اخلاص ہے۔
 قطب سوم :- سیدنا موسیٰ علیہ السلام جیسا اور وظیفہ سورۃ النصر ہے۔
 قطب چہارم :- سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا عکس اور اس کا ورد سورۃ فتح ہے۔
 قطب پنجم :- داؤد علیہ السلام جیسا دل رکھتا ہے اور وہ سورۃ زلزال۔
 قطب ششم :- سیدنا سلیمان علیہ السلام کا مظہر ہو گیا ہے اور ان کا وظیفہ سورۃ واقع ہے۔
 قطب ہفتم :- سیدنا یوسف علیہ السلام کا بہترین نمونہ اور ان کا وظیفہ سورۃ بقرہ ہے۔
 قطب ہشتم :- سیدنا الیاس علیہ السلام کا سا جوہر رکھتا ہے اور وظیفہ سورۃ کہف ہے۔
 قطب نہم :- سیدنا لوط علیہ السلام کا مظہر اور وظیفہ ہے اس کا سورۃ نحل ہے۔
 قطب دہم :- وہی تصرفات و اختیارات رکھتا ہے جو ہود علیہ السلام کو عطا ہوئے اور
 وظیفہ سورۃ العام ہے۔

قطب یازدہم :- سیدنا صالح علیہ السلام جیسا ہو گیا ہے اور وظیفہ ان کا سورۃ طہ ہے۔
 قطب دوازدہم :- سیدنا شیبث علیہ السلام جیسا دل ہو گیا ہے اور ورد سورۃ ملک ہے۔

قطب اقلیم کے اختیارات :-

قطب وہ ہے جو اگر فلی کا ولایت سے تبادلہ کرے تو کر سکتا ہے اور قطب مدار
 وہ ہے جو خود قطب کو مقام قطبیت سے تغیر دے سکتا ہے اور لوح محفوظ کے احکام
 و ارکان اور اس میں تغیر و تبدل اس کے اختیارات میں داخل ہیں۔ ترقی کر کے
 قطب مدار سے مقام فروانیت تک عروج کر جاتا ہے جو کہ انبساط و تسلیم کا مقام ہے
 اور اس مقام پر پہنچ کر اس ترقی یافتہ قطب مدار کو اب کوئی مُراد و خواہش باقی نہیں
 رہ جاتی۔ اب اس کی مراد رب العزت کی مُراد ہوتی ہے یہاں تک کہ ”قطب مدار“
 بعض اولیاء کرام کو اہل سمجھتے ہوئے مقام فروانیت تک پہنچا دیتا ہے قطبیت کے
 مقامات و مدارج طے کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ مگر یہ عنایت کسی نصیب والے کو
 نصیب ہوتی ہے ورنہ ولایت و درویشی کے آئین و روش کے مطابق پہلے قطب

ولایت بعد قطب فرازیت تک عروج ہوا اور کہتے جیسا کہ سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **بُدَلَاةً أُمَّتِي سَبْعَةً**۔ [اور ابن عساکر نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مرفوعاً روایت بیان کی **وَلَهَا سَبْعَةٌ قُلُوبُهُمْ عَلَى قَلْبِ إِبْرَاهِيمَ** (حاشیہ علی الشکوۃ)۔ (مترجم)] یہ سات ابدال سات ولایتوں میں سکونت رکھتے ہیں۔ ایک ولایت میں ایک ابدال ہوتا ہے۔ اور اپنے اپنے ملک میں مخلوق کی مدد اور ان کی حفاظت و نگہبانی اس ابدال کی ذمہ داری ہے اور جب ان میں سے کوئی ایک کم ہو جائے تو اوتاد میں سے اس کا بدل مقرر ہوتا ہے۔ یہ سات ابدال، سات مختلف انبیاء علیہم السلام کے دل کی طرح ہوتے ہیں اور ایک معین نام سے موسوم ہوتے ہیں بہر حال ان کی برکات و فیوض تمام عالم میں محیط و منتشر رہتی ہیں۔ سات ابدال اور ان کا تفصیل وار ذکر خیر :-

جاننا چاہیے کہ ربع مکون کو ہفت اقلیم میں تقسیم کیا جاتا ہے لہذا اقلیم سے مراد سے ربع مکون کا ساتواں حصہ یعنی ایک بہت بڑا قطعہ زمین یا براعظم ہے۔ ابدال اول :- اقلیم اول میں سکونت اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام جیسا مزاج و طبیعت رکھتا ہے۔ نام مبارک، عالم باطن میں عبدالحی ہوتا ہے۔ جبکہ دنیا میں اس کا کوئی دوسرا نام ہوتا ہے۔

ابدال دوم :- دوسری اقلیم کا حاکم باطنی جو کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام جیسا دل رکھتا ہے نام مبارک ہوتا ہے "عبدالعلیم"
ابدال سوم :- تیسرے براعظم کا محافظ و معاون سیدنا ہارون علیہ السلام کا ہم مشرب اور نام عبد المجید ہے۔

ابدال چہارم :- چوتھی اقلیم کا مالک سیدنا ادریس علیہ السلام کا منظر ہوتا ہے اور آپ کا نام عالم باطن میں عبد القادر ہوتا ہے
ابدال پنجم :- پانچویں اقلیم میں رہتا ہے حضرت یوسف علیہ السلام کا منظر ہوتا ہے اور نام ہے عبد القاہر۔

ابدال ششم :- سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا سا دل رکھتا ہے اور نام عبد السمیع ہے۔

ابدال ہفتم بہ ساتویں اقلیم میں ساکن اور آدم علیہ السلام کا منقہر ہے۔ نام ہے عبد البصیر مشہور و معروف میں جسے حضرت علیہ السلام کہا جاتا ہے۔

یہ سب ابدال عارف کامل ہوتے ہیں اور ایک ہی لمحہ میں ساری کائنات کی سیر و سیاحت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو اسرار و رموز از قسم سعد و نحس، سات ستاروں میں ودیعت رکھے ہیں وہ سب ان سات ابدالوں میں موجود ہوتے ہیں۔ انتظام عالم میں آبادی اور بربادی ان کے وجود مبارک پر موقوف ہے۔ مثلاً اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو کہ کسی ملک صوبہ ضلع یا موضع میں تباہی لائی جائے تو ان ابدالوں میں سے دو ابدال سیدنا عبدالقادر اور سیدنا عبد القاہر جو کہ زحل و مریخ ستارے جیسی تاثیر رکھتے ہیں، ان پر حملہ آور ہوتے ہیں اور وہ ملک و صوبہ ان کے واسطہ وسیلہ سے تباہی پذیر ہو جاتا ہے اور باقی پانچ ابدال پر عالم دنیا و آخرت کی آبادی کا مدار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ :- مذکورہ سات ابدال کے علاوہ تین سو ستاون دوسرے ابدال ہیں جو پہاڑوں میں رہتے ہیں۔ بیابانی سکڑی اور درختوں کے پتے، ان کی غذا ہے اور معرفت میں باکمال ہیں ان کا کہیں آنا جانا نہیں ہے تین سو ابدال سیدنا آدم علیہ السلام جیسا مزاج اور ان جیسا دل رکھتے ہیں ابدالوں میں ان کا نام صغفی ہے چالیس ابدال سیدنا موسیٰ کلیم جیسا دل رکھتے ہیں ان کا نام موسیٰ ہے۔ سات ابدال سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مزاج رکھتے ہیں اور ان کا نام بھی ابراہیم ہے۔ پانچ ابدال سیدنا جبرائیل علیہ السلام کا سا دل رکھتے ہیں۔ جمال الدین نام ہے اور چار ابدال سیدنا میکائیل علیہ السلام کی صورت و سیرت اور نام ہے "محمد" صرف ایک ابدال حضرت اسرافیل علیہ السلام جیسا دل و دماغ رکھتا ہے اور ابدالوں میں اس کا نام ہے "احمد" جب یہ ایک ابدال قطب مدار کا وزیر بن جاتا ہے تو اس کا نام "عبدالرب" رکھ دیا جاتا ہے۔ درج بالا مذکورہ ابدالوں کے علاوہ بھی چالیس ابدال ہیں۔ ان میں سے بارہ ابدال ملک شام میں اور اٹھائیس ابدال ملک عراق میں رہتے ہیں اور ہر ایک کا نام احمد ہے۔

کشف المحجوب اور بعض دوسرے مشائخ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ ان چالیس ابدال کو

”ابرار“ کا نام دیتے ہیں جو کہ عارف کامل ہیں۔

[تائید میں دو احادیث مبارکہ ذکر کی جاتی ہیں ۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْإِبْدَالُ
يَكُونُونَ بِالشَّامِ وَهُمْ أَرْبَعُونَ رَجُلًا كُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ أَبْدَلَ اللَّهُ مَكَانَهُ رَجُلًا
لَيْسَ بِهَمَّ الْغَيْثُ يُنْتَكِرُ بِهِمْ عَلَى الْأَعْدَاءِ وَيُصْرَفُ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ بِهِمُ الْعَذَابُ

(مشکوٰۃ زواہ ص)

يعسوب الموحدين حضرت علی المرتضیٰ فرماتے ہیں میں نے حضور اکرم سے سنا کہ آپ
نے فرمایا شام میں ابدال ہوتے ہیں جن کی تعداد چالیس ہے جب ان میں سے ایک فوت
ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا مرد مقرر فرما دیتا ہے۔ ان کے توسل اور برکت
سے بارش ہوتی اور ان کی برکت سے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے اور انہی کے طفیل اہل شام
سے عذاب دفع ہوتا ہے۔

أَخْرَجَ ابْنُ عَسَاكِرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ مَوْفُوعًا أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ ثَلَاثًا مِائَةً
نَفْسٍ قُلُوبُهُمْ عَلَى قَلْبِ آدَمَ وَلَهُ أَرْبَعُونَ قُلُوبًا بِهِمْ عَلَى قَلْبِ مُوسَى وَلَهُ سَبْعُونَ قُلُوبًا
عَلَى قَلْبِ إِبْرَاهِيمَ وَلَهُ خَمْسُونَ قُلُوبًا بِهِمْ عَلَى قَلْبِ جِبْرَائِيلَ وَلَهُ ثَلَاثُونَ قُلُوبًا
عَلَى قَلْبِ مِيكَائِيلَ وَلَهُ وَاحِدٌ قَلْبُهُ عَلَى قَلْبِ إِسْرَافِيلَ - وَكُلَّمَا مَاتَ وَاحِدٌ مِنْ
الثَّلَاثَةِ أَبْدَلَ اللَّهُ مَكَانَهُ مِنَ الْخَمْسَةِ وَكُلَّمَا مَاتَ مِنَ السَّبْعَةِ أَبْدَلَ
اللَّهُ مَكَانَهُ مِنَ الثَّلَاثِ مِائَةٍ وَكُلَّمَا مَاتَ وَاحِدٌ مِنَ الثَّلَاثِ مِائَةِ أَبْدَلَ
اللَّهُ مَكَانَهُ مِنَ الْعَامَّةِ - بِهِمْ يَدْفَعُ الْبَلَاءَ عَنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ

(مشکوٰۃ شریف ص)

ابن عساکر نے ابن مسعود سے مرفوعاً روایت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین سو نفوس
پیدا فرمائے جن کے دل آدم کے دل جیسے ہیں اور چالیس جن کے دل موسیٰ کے دل کی طرح
اور سات جن کے دل ابراہیم کے دل کی طرح اور پانچ جن کے دل جبرائیل کے دل کی طرح
اور تین جن کے دل میکائیل کے دل کی طرح اور ایک جس کا دل اسرافیل کے دل کی طرح

جب ان میں سے ایک مرجا تا ہے تو اللہ تعالیٰ تین میں سے ایک کو اس کی جگہ لائے جب تین میں سے ایک مرجا تا ہے تو اللہ تعالیٰ پانچ میں سے ایک کو اس کی جگہ مقرر کر دیتا ہے اور جب پانچ میں سے ایک مرجا تا ہے تو اللہ تعالیٰ سات میں سے ایک کو اس کی جگہ پر لائے۔ اور جب سات میں سے ایک مرجا ئے تو چالیس میں سے ایک کو لائے اور جب چالیس میں سے ایک مرجا ئے تو تین سو میں سے اور جب تین سو میں سے ایک مرجا ئے تو اس کی جگہ عام آدمیوں میں سے ایک کو لائے۔ ان کی برکات سے اس امت کی مصیبتیں دفع کی جاتی ہیں۔ (مترجم) [

فائدہ ۱۔ جاننا چاہیے کہ اوتاد چار ہیں اور چار دانگ عالم میں مثل میخ آہن اپنے اپنے مقام پر جمے ہوئے ہیں ایک مغرب میں ایک مشرق میں پہلے کا نام عبدالودود اور دوسرے کا نام ہے عبدالرحمن اور تیسرا جنوب میں ہے نام عبدالرحیم ہے اور چوتھا شمال میں مقیم رہتا ہے جس کا نام عبدالقدوس ہے۔ ان چاروں میں سے کسی ایک کا وصال ہو جائے تو اب الوقت صوفیاء میں سے کسی ایک کو ان کے قائم مقام بنا دیا جاتا ہے علاوہ ازیں تین سو نقباء شتر نجباء سات اخیار اور چار عمدا عالم ارض میں کام کر رہے ہیں اس کی تفصیل اس مختصر مکتوب میں ممکن نہیں ہے۔

ان سب میں ایک ممت ازہ مستی غوث ہوتا ہے۔

[غوث فریاد رس کو کہتے ہیں یعنی جو بندگان خدا کے معاملات

میں ظاہر اور باطن میں عدل و انصاف فرماتے ہیں اور ان کی شناخت بہرور

ہے کہ جب چاہیں اپنے اعضا جدا کر لیتے ہیں۔ (مترجم) [

باطنی دنیا میں غوث کا نام عبداللہ ہوتا ہے اور ان کی جلئے سکونت مکہ معظمہ قرار

پائی ہے تمام عالم کا حال اس پر مثل آئینہ واضح ہوتا ہے۔ ایک ہی لمحہ لحظہ میں تمام عالم

ارض و سما کی میرو پرواز کر لیتا ہے اور ہر جگہ موجود اور حاضر بھی رہتا ہے۔

جب غوث کا وصال ہو جاتا ہے تو عمدا میں سے کسی ایک کو مقرر کر لیتے ہیں جسے

انذاقیاس اختیار ترقی کر کے عمدا اور نجباء بجلئے اخیار نقباء سے نجباء اور

صالحین میں سے کسی صلح انسان کو نقیب بنایا جاتا ہے۔

مقامات و مساکن :-

نقیب مغرب میں اور نجیب مصر میں رہتے ہیں اخیار، ہر دم سیر و پرواز میں رہنا کرتے ہیں ان کے لئے جہان سکونت کہیں متعین نہیں البتہ عمداً زمین کے گوشہ گوشہ میں موجود ہیں۔ مذکورہ بارہ قطب اکثر و بیشتر قریب و بستی میں سکونت رکھتے ہیں۔ صرف قطب مدار بہت بڑے شہر میں رہا کرتا ہے۔ اور تمام اقالیم میں اور بھی اقطاب پر طاقت و تصرف رکھتا ہے۔ قطب مدار ترقی کر کے مقام فردانیت تک عروج کر جاتا ہے پھر اس کے لئے سکونت کی قید ساقط ہو جاتی ہے اب وہ جہان چاہے جب چاہے باذن اللہ آمد و رفت رکھتا ہے بستی ہو یا شہر قطب حقیقی یعنی مقام مجوبیت پر فائض شخصیت کے لئے بھی قید سکونت ساقط ہو جاتی ہے۔

کشف المحجوب میں داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علاوہ ازیں، چار مبارک وجود اور بھی ہیں جو کسی کو نظر نہیں آتے اور ان کے احوال بالکمال سے کوئی مطلع نہیں یہاں تک وہ ایک دوسرے کو بھی نہیں پہچانتے ہمیشہ چھپے چھپائے رہتے ہیں۔

ہکذانی کتب الشارح و بجر المعانی و کشف المحجوب

پس جانا چاہیے کہ جس طرح اس دنیا اور دنیا میں رہنے والوں کا امن و آمان سے رہن سہن مجازی حکام کے انتظام پر موقوف ہے۔ ہر ہر اقلیم ہر ہر شہر بستی بستی قریب قریب نگر نگر اور موضع موضع میں مجازی حاکم آئین کے تحت بکار سرکار مصروف ہوتے ہیں اس دنیا کا اور دنیا میں رہنے والوں کا بندوبست اور انتظام فرمایا کرتا ہے۔ بعینہ اس طرح ہر ہر اقلیم و دیار جزائر و شہر اور قریب و موضع میں بھی سرکار حقیقی سے باطنی حکام کا تعین ہوا کرتا ہے تمام چار دانگ عالم ان حکام حقیقی کے زیر تسلط کام کر رہے ہیں۔

اندریں حالات اولیاء کرام کے منکرین محض غلطی پر ہیں اور ان کا انکار کر کے

اپنی دنیا و عاقبت کو خراب کر رہے ہیں۔ جبکہ سینکڑوں نہیں ہزاروں اور لاکھوں دفعہ لوگوں کو تجربہ حاصل ہے کہ حاکم مجازی کسی مقدمہ میں تساہل و غفلت سے کام لیتے ہیں تو حاکم حقیقی سے فریاد کرنے والے سے سختی و مصیبت ٹل جایا کرتی ہے ان کے حضور عرضداشت قبول ہوتے ہی تھوڑی سی توجہ دلانے سے مجازی حکام، فریاد رس کا مطلب حسبِ مدعا قبول کر لیتے ہیں۔

خاکبائے درویشانِ غفر اللہ



مکتوب ۲۳

جناب عالی مدظلہ المتعالی !

گہنگار عاجز احقر العباد گزارش کرتے کہ چند ایسے طلبہ جنہیں دینی علوم سے کما حقہ بہرہ و حصہ نشانی و کافی میسر تو نہیں ہو سکا مگر احادیث نبویہ اور اقوال مجتہدین بطور سند پیش کر کے جاہل لوگوں کو گمراہ دل بنا رہے ہیں کہ رسول عالی مقام صلی اللہ علیہ وآلہ کے والدین طیبین نعوذ باللہ کفر پر فورت ہوئے جہنم کی آگ سے ان کی نجات نہیں ہو سکتی ان کی پیش کردہ آیات و احادیث درج ہیں۔

حدیث اولی۔ ایک دن آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا کاش مجھے اپنے والدین کے متعلق معلوم ہوتا..... الخ تو آیت کریمہ نازل ہوئی وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ اور تم سے دوزخ والوں کا سوال نہ کیا جائے گا (سورۃ البقرہ رکوع ۱۱۲) الحجیم دوزخ کا ایک درجہ ہے جو کہ ابو جہل کی قیام گاہ ہے۔ نتیجہ خود نکال لیجیے حدیث دوم۔ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّلَائِلِ مِنْ طَرِيقِ الْيُوبِ بْنِ هَاشِمِ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا إِلَى الْقَابِرِ وَخَرَجْنَا مَعَهُ فَأَمْرًا فَجَلَسْنَا ثُمَّ تَخَطَّى لِلْقُبُورِ حَتَّى انْتَهَى إِلَى قَبْرِ مَنَاهَا فَنَاجَاهُ طَوِيلًا ثُمَّ ارْتَفَعَ بِأَيْتَابِكُنَا لِبُكَائِنَا ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَمَلَأَنَا عَمُوقًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الَّذِي أَبْكَأَكَ فَقَدْ أَبْكَأَنَا هَا وَأَفْزَعَنَا فَجَاءَ فَجَلَسَ إِلَيْنَا فَقَالَ أَفْزَعَكُمْ بُكَائِي قُلْنَا نَعَمْ فَقَالَ إِنَّ الْقَبْرَ الَّذِي رَأَيْتُمُونِي أَنَا بِي فِيهِ قَبْرُ أَبِي آمِنَةَ بِنْتِ وَهْبٍ وَإِنِّي اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي زِيَارَتِهَا فَأَذِنَ لِي فَأَسْتَأْذَنْتُهَا فِي الْإِسْتِغْفَارِ لَهَا فَأَمَّ يَأْذُنِي لِي وَنَزَلَ عَلَيَّ۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ

وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ

الْجَحِيمِ (پارہ)

فَاخَذَنِي مَا يَأْخُذُ الْوَالِدَ لِلْوَالِدَةِ مِنَ الرِّقَّةِ فَذَلِكَ الَّذِي أَبْكَانِي
قَالَ الْحَاكِمُ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَتَعَقَّبَهُ الزَّهَبِيُّ فِي شَوْحِ الْمُسْتَدْرَكِ وَقَالَ الْيُوبُ
بْنِ هَابِي ضَعْفًا ابْنُ مَعِينٍ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ محترمہ کے لئے دعائے مغفرت
کی درخواست رب الالباب کے حضور پیش کی مگر اجازت نہ مل سکی اور دو آیات
مذکورہ نازل ہو گئیں۔

حَدِيثُ سَوْمٍ، فِي صَحِيحِ الْمُسْلِمِ عَنْ طَرِيقِ حَمَادِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنِ النَّسِ بْنِ مَالِكٍ
أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَبِي قَالَ فِي النَّارِ فَلَمَّا قَفَاهُ دَعَاهُ وَقَالَ إِنَّ أَبِي
وَأَبَاكَ فِي النَّارِ صَحِيحٌ مُسْلِمٌ وَمَوَاهِبُ لِدُنْيَاهِ

حماد بن مسلم کے ذریعے حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک مرد نے
سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میرا باپ کہاں ہے؟ فرمایا وہ دوزخ میں
ہے جب وہ چلا گیا آپ نے اُسے واپس بلوایا اور فرمایا میرا باپ اور تیرا باپ (دونوں)
آگ میں ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے بمطابق حدیث اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو یمن
کو اصحاب الجحیم کہا اور مشرکین کے بارے میں طلب مغفرت سے روک دیا آپ کی والدہ
ماجدہ کو بھی مشرکین میں شمار کر دیا گیا۔

مزید برآں خود آپ نے اپنے باپ کو دوزخی قرار دیا تو کافرین و مشرکین کی طرح
دوزخ کے عذاب سے آپ کے والدین نجات نہ پاسکے۔ نعوذ باللہ من هذه
المخزافات۔ (نقل کفر نباشد)

فقہ اکبر امام اعظمؒ میں صراحت ہے الفاظ ملتے ہیں "إِنَّ الْبُؤَىٰ رَسُولِ اللَّهِ
مَا تَأْتِي عَلَى الْكُفْرِ" "اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ کے والدین کفر پر مَرے"

میرے مُرشدِ ہادی! بے علم غافل لوگ دَرَجِ بِالَا سُنَدَاتِ پَر اِعْتِمَادِ کَمَرِ کَے
خَوَارِجِ وُشْمَانِ رَسُوْلِ کِی پِیْرُوِی مِیں گَمْرَہ ہوتے جَبَّارِہ مے ہِیں رَہِ حَقِّ و تَوَابِ بِالتَّحْقِیْقِ تَحْرِیْرِ
فَرَاہِیْٹے اُور ہِمِیں بَجْوَادِ سَبْٹے تَاکَرِ اَنْحَضُوْرِ کَے بیدام غلام اِس عَقِیْدَہِ حَسَنہِ پَرِ مَحْکَمِ و سَتْحَمِ ہُو جَائِیں
اُور دُعا کرتے ہِیں کَہ آپ کا سَایہ تَپا پَایہ ہَم سَب غلاموں کَے سَروں پَر تا اَبَدِ قَائِمِ و اَمْرِ رِہے۔

آمین بالصَادِ وَالنَّوْنِ



جواب ۶

بَرُخُورٍ دَارٍ بَعْدَ اَزْ سَلَامٍ سُنَّتِ خَيْرِ الْاَنَامِ وَاصْخِرْ بَادِ

کرایے مسائل میں بحث و مباحثہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک قطعاً نامناسب ہے اس لئے کہ یہ گفتگو اور مذاکرہ و مباحثہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے، ایذا ہے۔ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ایذا دینا ہے اور اللہ کے رسول کو ایذا دینے کی سزا جہنم ہے۔ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ارشاد باری تعالیٰ سن لیجئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُوْدُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
وَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا (پارہ ۲۲ - رکوع ۳)

بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ دنیا اور آخرت میں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لَا تُؤَدُّوْا الْاَحْيَاءَ بِسَبَبِ الْاَمْوَاتِ رَوَا، عَلِيُّ بْنُ اِبِي طَالِبٍ مَشْكُوٰةٌ شَوْلِفِ

مَرْنِي وَالْوَلِيَّاتِ وَجِهَةً مِّنْ زِيَادَةِ لُغُوْنِ كُوْنِ اِيْزَادُوْ

حالا کہ ثقہ علماء کرام اور معتقد و مقبر فضلاء حضرات کا پختہ عقیدہ ہے کہ والدین کریمین آتش جہنم سے نجات یافتہ ہیں اور یہ بات دلائل سے ثابت ہو چکی ہے۔

اہل اسلام اندا بائے نبی

والد میثس ہر دو بر دین خلیل

حافظ سیوطی آل شاہ دین

شش رسالہ کرد وراثت این

(ایمان کامل مصنفہ مولانا عبید العزیز پراروی)

توجہ سے۔

نبی پاک کے والدین کریمین مومن و موحد ہیں جبکہ منکرین اس بات پر مصر ہیں کہ
..... آپ کے والدین ماجدین و نوسیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے پیروکار
تھے۔ انہیں دوبارہ زندہ کر کے دوبارہ کلمہ شریف پڑھانے کی روایت ہمارے نزدیک کمزور
ہے قابل عمل نہیں ہے۔ سیدنا سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سئلہ پورے بسط و کشاد
سے لکھ دیا ہے اور اس بارہ میں ان کے تصنیف شدہ رسالہ مشہور و معروف ہیں۔
مخدوم محمد ہاشم صاحب ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف منیف "فتح القوی باصلا ب النبی"
میں والدین کریمین کا آتش دوزخ سے نجات یافتہ ہونا، قوی دلائل از قسم آیات قرآنیہ
احادیث نبویہ اور ثقہ اقوال سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام کے والدین ماجدین
تا آدم و حوا علیہم السلام کل آباء و امہات مومن و موحد ہیں اور کسی میں کفر و شرک نہیں ہے۔
مخدوم موصوف رضی اللہ عنہ نے اپنی مبارک تصنیف میں بہت سے باطل سوال اور
ان کے شافی وافی جوابات پوری وضاحت سے دوزخ کر دیئے ہیں اور ہم ان میں سے نمونہ
مشت خروار حسب استدعا اس مکتوب میں نقل کر رہے ہیں۔ آپ سبھی لوگ اس کا بغور مطالعہ
فرمائیں اور اس محبوب و مبارک مضمون و موضوع کو دل کی گہرائیوں میں جگہ دین اس عقیدہ
صحیح پر مضبوطی سے قائم و دائم رہیں اور منکرین کی لالیغنی باتوں پر کان نہ دھرا کریں بلکہ ان
سے اجتناب کیا کریں۔

فائدہ: دوزخ از مسئلہ میں دو بحث ہیں۔

بحث اول: ابوین شریفین کا مومن و موحد ہونا اور آتش دوزخ سے نجات اور
سوال و جوابات۔

بحث دوم: ثابت کیا جائے گا کہ والدین کریمین تا آدم و حوا کل امہات و آباء مومن و
موحد ہیں اور ان میں سے کسی ایک کا بھی کفر و شرک ثابت نہیں ہے۔

بحث اول:

حدیث اول: من کبرن ایک حدیث کی سند لاتے ہیں کاوش میں اپنے ابوین کا

انجام جانتا ہوتا ہے قرآن نازل ہوا لَاتَسْلُ عَنْ اصْحَابِ الْمَجِیْمِ ۔

اس حدیث کے جوابات ۔

جواب اول ۔ علامہ شامی اپنی سیرت میں فرماتے ہیں اس حدیث کی سند ضعیف ہے حجت میں لسنے کے قابل نہیں ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں درج حدیث کا معتبر حدیث کی کتابوں میں کہیں بھی ذکر نہیں ملتا۔ البتہ بعض تفاسیر میں منقطع سند کے ساتھ یہ حدیث مذکور ہے جو کہ قابل حجت نہیں ہے۔

مزید برآں حدیث مذکور کا مفہوم، دوسرے وجوہات کے پیش نظر بھی مردود اور غیر مقبول ہے۔ اور وجوہات درج ذیل ہیں غور ہونا چاہیے۔

۱۔ عبد بن حمید، ابن ابی حاتم ابن جریر اور ابن منذر وغیرہم اپنی اپنی تفاسیر میں صحیح سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ سورہ بقرہ کی پہلی چار آیات میں مومنین کے انعامات کا ذکر ہے۔ دو آیات میں کافرن کی مذمت کی گئی ہے پھر تیرہ آیات منافقین کے حق میں نازل ہوئی ہیں اور جالیسویں آیت سے لے کر آٹھ سو رت تک ایک سو بیس آیات، بنی اسرائیل کے بارے میں مخصوص ہیں (اندریں صورت) از آیت یا بنی اسرائیل اذکرو نعمتی التي انعمت علیکم و اوفوا بعهدي اوف بعهديکم۔ تا قوله تعالیٰ و اذارتبلی ابراہیم ربہ۔ الخ

بنی اسرائیل کے حق میں نازل شدہ آیات، ہیں اور آیت متنازعہ فیہ "واتسل عن اصحاب الجیم" ۱۱۹ نمبر پر ہے جو کہ بنی اسرائیل کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

۲۔ جیم، عظیم الدرج دوزخ ہے، ابن ابی حاتم، ابی مالک سے روایت کرتے ہیں الجیم ما اعظم من النار "جیم کتنی بڑی آگ ہے" نیز ابن ابی حاتم، ابی مالک، ابن جریر طبری اور ابن منذر سے روایت بسند صحیح لاتے ہیں لھا سبعة ابواب جیم کے سات دروازے ہیں اور جیم البہل اور اس جیسے دوسرے ان لوگوں کی قیام گاہ ہے جو کفر و عناد میں شدید تھے اور اس کے برعکس، صحیح حدیث میں آیا ہے۔

اِنَّ اَهْلَ النَّارِ عَذَابًا اَلْوَطَالِیْبِ وَاِنَّ مَا فِیْ ضَمْحٰلِیْحٍ مِّنَ النَّارِ

یَبْلُغُ کَعَبِیْدِ یَغْلِبُ مِنْهَا دِقَاعُهَا رواہ البخاری عن ابی سعید الخدری

بے شک دوزخ والوں میں سب سے زیادہ تخفیف اور ہلکا عذاب والا ابو طالب ہے
وہ دوزخ کے ایک گڑھے میں بے دوزخ کی آگ صرف اس کے ٹخنوں تک پہنچ پاتی ہے
اور بس مگر اس سے اس کا دماغ اہل رملہ سے بخاری میں ابو سعید الخدری کی روایت
سے یہ حدیث دستگیر ہے۔

حدیث مذکور ولالت کرتی ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کو یہیں
جہنم میں نہیں ہو سکتے بالفرض اگر وہ دوزخ میں ہوتے تو ابو طالب کی نسبت انہیں مزید بھی ہلکا
عذاب ہوتا کیونکہ نبی پاک کا تعلق نسبی حسبی اور قلبی روحانی اپنے والدین سے بہت زیادہ ہے۔
انہوں نے نبی پاک کا عہد رسالت پایا ان پر اسلام و ایمان پیش کیا گیا جس سے انہوں نے
انکار کیا ہوتا۔ جبکہ ابو طالب نے وقت بعثت پایا اسلام اور کلمہ شہد
پڑھنے سے انکار کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ اور جب ابو طالب کو درج بالا کوتاہیوں کے باوجود سید
دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل عذاب میں تخفیف کی گئی ہے تو کس جرم کے ناطے ابون
شریفین جیم عظیم الدرک دوزخ میں بھیجے جاتے جو کہ بہت بھاری مجرموں کی قیام گاہ ہے۔
نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذَا الْبُھْتَانِ الْعَظِیْمِ وَلَا یَقُوْلُ بِہَا مَنْ لَّمَّا وَفَّیْ ذُوْقِ سَلِیْمٍ

حدیث دوم اور اس پر بحث :-

المختصر آگے دو عالم فخر دو آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کے لئے استغفار
کرایا ہے مگر غفور رحیم رب العالمین نے اجازت نہ دی آیت نازل ہو گئی۔ وَمَا كَانَ لِلنَّبِیِّ
وَالَّذِیْنَ آمَنُوا۔ الخ

اس حدیث کو ابن جریر نے عطیہ اوفی کے ذریعہ، سیدنا عبداللہ بن عباس سے
روایت کیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ :- علامہ شامی نے اپنی سیرت میں زور دیکر فرمایا ہے کہ اس حدیث
کی سند بھی ضعیف ہے اور قابل قبول نہیں حجت بنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اس کی
سند میں ایک شخص ایوب بن ہانی پایا جاتے ہے جسے بقول ذہبی فی المستدرک علامہ بحی بن عمیر
نے ضعیف قرار دیا ہے اور حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ درج حدیث کو ضعیف قرار دیتے

ہیں حجت میں لسنے کے قابل نہیں قرار دیتے اور فرماتے ہیں یہ حدیث باوجود ضعیف ہونے کے صحیح حدیثوں کے بھی مخالف واقع ہوئی ہے کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں آیا ہے کہ آیت پاک کا شان نزول ابو طالب ہیں چنانچہ سید الغافرین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ابو طالب کے لئے استغفار کرتا جاؤں گا یہاں تک کہ طلب مغفرت سے روک دیا جاؤں۔ اندر میں حالت یہ حدیث دو طرح سے معلول ہے ایک سند میں ضعف پایا جاتا ہے اور دوسرے احادیث صحیحہ کے مخالف واقع ہوتی ہے۔ اور یہ طے ہے کہ حدیث معلول قابل حجت نہیں ہوتی۔

سوال :- یہ بھی ممکن ہے کہ آیت درج بالا ”مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا - الخ“ دو دفعہ نازل ہوئی ہو ایک دفعہ آپ کے والد ماجد کے حق میں اور دوسری دفعہ ابو طالب کے حق میں۔

جواب :- علامہ چلیپی اپنی سیرت چلیپی میں ارشاد فرماتے ہیں یہ ناممکن ہے بلکہ محال اور باطل ہے کہ ایک دفعہ آپ کو کافروں کے لئے استغفار سے روک لیا جائے اور دوسری دفعہ آپ دوبارہ کسی دوسرے کافر کے لئے استغفار کریں اور پھر روک دیا جائے۔ احادیث صحاح ستہ میں سے ایک حدیث جو صحیح مسلم اور صحیح ابن حبان میں روایت ہے کہ آپ نے اپنی والد ماجد کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست کی مگر اجازت نہ ملی۔ تو اس کے جواب میں حافظ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں استغفار کا اذن نہ ملنا، معاذ اللہ ان کے کفر کی دلیل نہیں بلکہ گناہوں سے پاک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

بارہ اوائل اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مقروض کے لئے دعائے استغفار اور نماز جنازہ پڑھانے سے روک دیا گیا جبکہ مقروض مسلمان ہوا تھا بلکہ طلب مغفرت سے روک دینے کی حکمت کچھ یوں بھی ہو سکتی ہے کہ آقائے نامدار مستجاب الدعوات میں جب سرکار آپ استغفار فرماتے تو مدعو شخص فوراً جنت اعلیٰ میں اپنے عطا شدہ مقام مقررہ تک پہنچ پاتا جبکہ مقروض اپنے مقام مقررہ کی طرف جانے سے اس وقت تک روکا جاتا رہتا

جب تک اس کا قرض چکانہ دیا جاتا ہے، افسوس المدیون متعلقہ قرض دار مسلمان کا جی اپنے قرض کے باعث مقام مقررہ تک پہنچ پانے سے روک دیا جاتا ہے جب تک کہ قرض کی ادائیگی نہ ہو جائے۔

ممکن ہے کہ والد و جہان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ دین و ایمان کے باوجود کسی دوسرے وجوہات کے زیر اثر برزخ میں رہ رہی ہوں اور انہیں جنت تک کی رسائی سے روک رکھنا مقصود ہو جن کا خالص تقاضا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اس وقت دعائے مغفرت سے روک دیا گیا ہو اور کسی دوسرے وقت آپ نے استغفار فرمائی ہو۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا دوبارہ زندہ ہونا اور آنحضرت پر ایمان لانے کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طلب مغفرت سے روک دیا گیا ہو۔ صاف ظاہر ہے کہ آخر عمر یعنی حجۃ الوداع کے موقع پر تیدان کائنات علیہ الصلوٰۃ نے اپنے والدین کیلئے دوبارہ دعا کی اور آپ کے والدین نے زندہ ہو کر کلمہ شہد پڑھ لیا اور ایمان حاصل کیا۔

والحمد للہ علی ذلک

حدیث سوم اور اس پر بحث :-

حامد بن سلمہ کے ذریعہ ثابت ہے اور پھر انس بن مالک سے روایت ہے کہ کسی شخص نے پوچھا میرا باپ کہاں ہے آپ نے فرمایا وہ دوزخ میں ہے جب وہ چلا گیا تو آپ نے واپس بلوایا اور فرمایا میرا باپ اور تیرا باپ دونوں دوزخ میں ہیں مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ (صحیح مسلم شریف)

اس حدیث کے جواب میں سیدنا امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے متعدد جوابات دیئے ہیں مگر صرف ایک جواب پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں کہ یہ حدیث بجز آیت قرآنیہ احادیث صحیحہ، آثار و اقوال قویہ سے تعارض رکھتی ہے جن کا ذکر بحث ثانی میں ہو گا اور یہ طے ہے کہ جب حدیث صحیحہ آپ سے زیادہ وزن دار و دلائل سے ٹکر کھائے تو اس حدیث صحیحہ میں تاویل کی جاتی ہے بشرطیکہ ممکن ہو تاکہ دونوں میں اجتماع ہو سکے (ورنہ چھوڑ دی جاتی ہے) زیر بحث حدیث "اِنَّ اَبِيَّ وَاَبَاكَ فِي النَّارِ" کے لفظ "اب" سے مراد عم یعنی چچا مراد ہیں

نکہ والدِ حقیقی سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ، چنانچہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا :-

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا (پارہ ۱۰۰۰ رکوع ۱۰)

ترجمہ :- اور ہم عذاب دینے والے نہیں جب تک کہ رسول نہ بھیجیں۔

چونکہ والدین کریمین ایامِ فطرت میں تھے اس لئے ان کی نجات کے لئے اعتقادِ توحید ہی کافی تھا کسی شریعت اور احکامِ الہی کا اس وقت موجود نہ ہونا ثابت ہے۔ کوئی شریعت ہوتی تو بے فرمانی اور بے عملی سے کوئی گناہ صادر ہوتا یا اس بُرے کام سے بچنا ضروری قرار ہوتا لہذا ان کے حق میں استغفار کا نہ ملنا ثابت کر لیتے کہ خبرِ وارِ کھسی کا ذہن ان کے گناہ کا وہم بھی پیدا نہ کرے۔

مخاوراتِ عرب میں چچا پر اب کا اطلاق اکثر ہوتا آیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاللّٰهُ اَبَاؤُكُمْ اَبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ عِيْلًا وَاِسْحٰقَ

یعنی سیدنا یعقوب علیہ السلام کے حقیقی والد اسحاق علیہ السلام ہیں جو چچا ہیں انہیں بھی

”اب“ کہہ کر آباء میں شامل کر دیا گیا ہے۔

حدیثِ مذکورہ میں چچا پر اطلاقِ باپ کا بدنیوجہ بھی ممکن ہے کہ آپ ابو طالب کی کفالت میں رہے یہاں تک کہ ابو طالب نے نبوت کا دور پایا اور اپنی پوری زندگی میں اس حضورِ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و حفاظت فرماتے رہے۔ چنانچہ ایک دن سردارانِ قریش، ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تیرا بیٹا ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہتا ہے اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ بتلا رہا ہے اور ہمیں احمق ٹھہراتا ہے تم اس کو منع کر دو یا بیچ میں سے ہٹ جاؤ ہم اس سے بچ لیں گے۔ الخ جب قریش نے دیکھا کہ ابو طالب اس طرح نہیں مانتا تو عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو ساتھ لے کر اس کے پاس گئے کہنے لگے آے ابو طالب یہ عمارہ قریش میں نہایت حسین توی اور خوبصورت نوجوان ہے ہم یہ تجھے دیتے ہیں تو اس کو اپنا بیٹا بنالے اور اس کے عوض میں اپنے بیٹے کو ہمارے حوالے کر دے ابو طالب نے کہا اللہ کی قسم! تم مجھے بڑی تکلیف دیتے ہو کیا تم مجھے اپنا بیٹا دیتے ہو کہ میں اُسے تمہارے واسطے پال لوں اور اپنا بیٹا تمہیں دیدوں کہ اسے قتل کر ڈالوں اللہ کی قسم ایسا بگڑنا نہ ہوگا۔

مَا يُؤَسِّفُ خُودَ نَمِي سَرُوشِيم!

توسیم سیاہ خود نگہ دار!

درج واقعہ سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ ابوطالب پر آنحضرت کے لئے چچا کے بجائے
باپ کا اطلاق اکثر و بیشتر ہوتا تھا ازافاضات حافظ سیوطی فی الرسائل الستہ اور شیخ
ابن حجر مکی کی شرح ہمزہ اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کی تصنیف فتح القوی۔ امام اعظم ابوحنیفہ
نعمان بن ثابت کی کتاب فقہ اکبر میں سے یہ لفظ أَنَّ ابُوَی رَسُوْلِ الشَّيْخِ مَا مَانِي الْكُفْرِ
کی تویح و تشریح اور اس پر بحث کے پانچ وجوہات

وجہ اول سے۔ علامہ ابن حجر مکی نے اپنے فتاویٰ میں واضح کر دیا ہے کہ فقہ اکبر میں
نبی پاک کے والدین ماجدین کے متعلق درج الفاظ کی نسبت امام الناس ابوحنیفہ نعمان بن
ثابت کی طرف، مردود ہے غیر مقبول ہے۔ کیونکہ جس فقہ اکبر میں یہ الفاظ پلٹے جاتے ہیں
وہ امام موصوف کی تصنیف نہیں بلکہ محمد بن یوسف ابوحنیفہ بخاری کی تالیف ہے۔

علامہ محمد برزنجی "سداوالدین" میں درج بالا عبادت نقل کر کے تبصرہ فرماتے ہیں کہ علامہ
ابن حجر مکی کی تحقیق بالکل صحیح ہے کہ فقہ اکبر متنارح منہ سیدنا ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی
رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف نہیں ہے۔

در اصل لوگوں کو اشتباہ میں ڈال دیا گیا وہ یوں کہ فقہ اکبر نام کی دو کتابیں ہیں اور ابوحنیفہ نام کی
دو کتیبیں ہیں۔ ایک فقہ اکبر کے مؤلف محمد بن یوسف ابوحنیفہ بخاری ہیں اور دوسری فقہ اکبر کے
مُصَنَّفِ نعمان بن ثابت ابوحنیفہ کوفی ہیں۔ اندرین اشتباہ لوگوں کو وہم ہوا کہ جس فقہ اکبر میں
درج بالا الفاظ موجود ہیں، وہ ہی ابوحنیفہ کوفی کی تالیف ہے حالانکہ وہ محمد بن یوسف ابوحنیفہ
بخاری کی تالیف ہے۔

اس اشتباہ پر تحقیق۔

علامہ محمد برزنجی رحمۃ اللہ علیہ سداوالدین تالیف میں فرماتے ہیں کہ مجھے ایک نسخہ
صحیح فقہ اکبر تصنیف نعمان بن ثابت ابوحنیفہ کوفی دستیاب ہوا ہے جس کی روایت
ابو مطیع البانی سے منسوب ہے جو کہ ان کے مخلص دوست ہیں اور اس نسخہ صحیحہ پر

بڑے بڑے حفاظ علماء اور فضلاء کرام کی تقریظات موجود ہیں۔ میں نے اس کی ایک نقل اپنے پاس محفوظ کر لی ہے اور اس کی سند، امام اعظم نعمان بن ثابت ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ، تک مجھے اتصالاً نصیب ہے اللہ الحمد! اور اس کے علاوہ ایک دوسرا نسخہ بھی ہے جو کہ فقہ اکبر کے نام سے لوگوں میں شہرت یاب ہے۔ اندر میں حالت، حافظ ابن حجر مکی کا قول درست ہے۔

وجہ دوم۔ بالفرض، کتاب کی نسبت امام اعظم نعمان بن ثابت الکوئی رضی اللہ عنہ کی طرف اگر تسلیم کر لی جائے تو صاف ظاہر ہے کہ متنازعہ الفاظ آپ کے نہیں بلکہ بعض اعدائے دین نے، امام پاک کی شان میں نقص ڈالنے کے لئے، از خود وضع کئے ہیں اور کتاب میں لکھ دیئے ہیں جیسا کہ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”درہ فائزہ“ میں جھوٹے اور مدسوس الفاظ لکھ کر ان کی طرف منسوب کر دیئے گئے ہیں۔

امام اعظم نعمان بن ثابت ابو حنیفہ الکوئی رضی اللہ عنہ کے کمال زہد، خالص تقویٰ، حسن اُوب اور عشق رسول سے انتہائی بعید ہے کہ آپ دین کے اعتقادات پر مشتمل ایک ایسی کتاب تصنیف فرمائیں جو کہ شریعت حقہ کی اساس و بنیاد ہو اور لوگوں کو اسے پڑھنے، گھر میں رکھنے اور مطالعہ کرنے کی ترغیب دیجائے مگر اس میں یہ بہتان و بجا اس لکھی ہو کہ حضور والا شان رحمۃ للعالمین کے والدین کفر پر جئے اور کفر پر مری جسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم او آپ کے نام لیواؤں کے لئے خالص ایذا رسائی ہے۔ نعوذ باللہ من هذه الخرافات

جبکہ ذکر متذکرہ، اعتقادات ضروریہ سے بھی نہیں ہیں پر عقیدہ رکھنا لازم اور ضروری

ہو

ہمارے درج بالا دعویٰ تدسیس کی تائید شارح مناقب ابو حنیفہ علامہ حافظ الدین نے کر دی ہے جو علامہ احناف میں عظیم المرتبت مانے جاتے ہیں آپ نے صریح لفظوں میں فرمایا کہ والدین ماجدین نجات یافتہ ہیں اور انہیں دوبارہ زندہ ہونے اور کلہ طیب پڑھنے کے متعلق حدیث پاک بھی روایت کر دیتے ہیں اس میں شک نہیں اگر الفاظ متنازعہ آپ کی تصنیف میں سے ہوتے تو ان کے مقلد جناب علامہ حافظ الدین رحمۃ اللہ علیہ شارح مناقب ابو حنیفہ

آپ کے عقیدہ کی قطعاً مخالفت نہ کرتے۔

علامہ کمال الدین ششمنی محققین احناف میں سے ہیں وہ بھی ابن العربی مالک کا قول نقل کرتے ہیں کہ والدین ماجدین کی طرف کفر کی نسبت کرنا اور انہیں دوزخ کی آگ سے نجات یافتہ تسلیم نہ کرنا ایذا رسانی ہے جو کہ موجب لعنت ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ الفاظ متذکرہ کو امام اعظم نعمان بن ثابت ابو حنیفہ الکوفی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرنا، دشمنان دین کلبتان وافترا ہے۔

وجہ سوم۔ فقہ اکبر کی عبارت میں مضاف کا حذف پایا جا سکتا ہے۔ عبارت دراصل یوں ہو۔ مَا تَأْتِي عَلَى الْعَهْدِ الْكُفْرُ يَعْنِي وَالِدِينَ ماجدین، آنحضرت کی نبوت اور اسلام کے ظہور سے پہلے والے عہد میں وفات پا گئے، یہ وہ عہد ہے جو کفر و جاہلیت کا عہد اور زمانہ تھا۔ یہ نہیں کہ معاذ اللہ وہ بحالت کفر مرے ہوں یعنی زمانہ فترہ پر کفر کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔ یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ جلیل الشان امام کے ساتھ حسن ظن رہے۔

وجہ چہارم۔ الفاظ متنازعہ، اگر صحیح تسلیم کر لئے جائیں، تب بھی ابون شریفین کا دوبارہ زندہ ہونے کے بعد ایمان لانا، اس کے منافی نہیں ہے۔ یہ چاروں وجوہ سید محمد بزنجی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف سداؤ الدین میں بیان فرمائے ہیں۔

[آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے والدین ماجدین کا زندہ ہونے کے بعد ایمان، اس لئے نہ تھا کہ معاذ اللہ وہ کفر پر مرتب تھے۔ بلکہ صرف اس لئے ان کو زندہ فرمایا گیا تاکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آئے اور کلمہ شہد پڑھنے کی فضیلت انہیں حاصل ہو جائے۔ (مترجم)]

وجہ پنجم۔

مان لیتے ہیں کہ فقہ اکبر میں موجود لفظ ”اَنَّ اَبِيَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ مَا تَأْتِي الْكُفْرُ“ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ الکوفی رضی اللہ عنہ کے ہیں مگر ایک اصول از اصول فقہ بھی لکھے دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب کبھی فقہی امر میں امام ابو حنیفہ اور باقی مجتہدین علماء کرام میں اختلاف

واقع ہو جائے تو مصلحت وقت اور دینی ضرورت کے تقاضا کے تحت، امام اعظم نعمان بن ثابت ابو حنیفہ الکوئی رضی اللہ عنہ، کا قول ترک بھی کر دیا جائے اور اس کے بجائے دوسرے علماء کرام کے فتویٰ پر عمل کیا جائے۔

کتاب فقہ میں ”مسئلہ مزارعت“ بہترین مثال ہے جس میں ابو حنیفہ و باقی مجتہدین میں اختلاف پایا جائے اور وقتی ضرورت کے تحت جناب ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ، کا قول چھوڑ کر دوسرے مجتہدین کی اتباع کی جاتی ہے۔

متنازعہ مسئلہ اسلام ابوین شریفین میں ادب احترام اور عشق و محبت کا تقاضا ہے کہ سید الکائنات محبوب رب العالمین کی نسب مبارکہ میں تنقیص نہ کی جائے جبکہ یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے بھی نہیں ہے۔ — اندرین ضرورت، قول امام ترک کر دیا جاتا ہے۔

نیز مجتہد وقت پر خود اپنے اجتہاد کے مطابق یہ اشد ضرورت حال پر عمل کرنا واجب ہے۔ ضروری ہے۔ اور اسے اجتہادی صوابدید میں دواجر ملا کرتے ہیں۔ اور اگر اس کے اجتہاد میں خطا اور غلطی پائی جاتی ہو تو پھر بھی ایک اجر ضرور مل جاتا ہے۔

متنازعہ فیہ مسئلہ میں جمع جمہور علماء کرام میں ابوین شریفین کے ایمان و توحید پر اجتہاد ثابت ہو چکا ہے۔ کتاب و سنت اور اجماع امت سے کوئی دلیل نہیں مل سکی جس سے ابوین شریفین کا کفر ثابت ہو۔

پس لازم ہے کہ امام عالی مقام نعمان بن ثابت ابو حنیفہ الکوئی رضی اللہ عنہ، کا قول، جناب سید النبیین محبوب الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ و بارک و سلم کے حضور ادب و احترام کے تقاضا کے تحت، ترک کر دیا جائے اور دوسرے مجتہدین کی تقلید کی جائے۔

”فتح القوی باصلا ب النبی“ تصنیف منیف جناب مخدوم محمد ماشم

ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا ہے۔

جناب حافظ محبت الدین طبری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ”ذخائر العقبیٰ فی سواد ذوی

القرنی“ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت فرماتے ہیں ایک دن سبیع بنت ابیہب سید

دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے حضور شکایت لائی کہ لوگ مجھے (طعنہ دے کر) کہتے ہیں "أَنْتِ بِنْتُ حَطَبِ النَّارِ" تو اس شخص کی بیٹی ہوتے جو دوزخ کا ایندھن ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراضگی ہوئی اور منبر شریف پر بیٹھ کر خطبہ دیا اور فرمایا:

مَا بَالُ أَقْوَامٍ تُوذُونََنِي فِي قَوَابِئِي مِنْ آذِي قَوَابِئِي فَقَدْ آذَانِي وَمَنْ

آذَانِي فَقَدْ آذَى اللَّهَ نَعَاهُ

اس قوم کا کیا انجام ہوگا جو مجھے میری قرابت کے بارے میں اذیت دینے کے درپے ہے یا دیکھو! جس نے میرے عزیز واقارب کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی تو اس میں شک ہی نہیں ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی۔

نیز علامہ ابن فتحون نے بھی قَدْ مِثْلُ الْإِسْتِيعَابِ دَرَجَةٌ سَبِيْعًا بِنْتِ ابِي

سہب میں درج بالا حدیث روایت فرمائی ہے۔

جاننا چاہیے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سبوعہ بی بی کی خاطر اس کے باپ ابولہب کو اذیت دینے جانے پر جو کہ بقول قرآن مجید بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل کیا گیا ہے اتنی شدت سے غصہ فرما رہے ہیں، تو خود اپنے والدین ماجدین کے اذیت دینے جانے پر آپ کے غیظ و غضب کی کیا حالت ہوگی؟ جب کہ والدین کریمین بعثت مبارکہ سے پہلے وفات فرما گئے تھے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا (پارہ ۲۲، رکوع ۳، الأحزاب)

بیشک جو اذیت دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو۔ ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

علامہ محبت الدین طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تائید میں معجم صغیر میں علامہ محدث طبرانی ایک

حدیث روایت فرماتے ہیں۔ حضرت عکرمہ بن ابو جہل بارگاہ حبیب میں شکایت لائے

کہ لوگ اُسے بطور طعن اس کے باپ ابو جہل کی گالیاں دیتے ہیں تو آپ نے فرمایا:

لَهُ تُوذُوا الْأَحْيَاءَ بِأَنَّ قَوَابِئِي مُرْدُونَ كَسَبِ زَنْدِ لُكُوكِ كَوِ اِيْذَانِي پھنچایا کرو۔

علامہ ابن حجر مکی نے یہ روایت اپنی کتاب النعمۃ الکبریٰ میں درج کی ہے اور علامہ محمد
برزنجی رضی اللہ عنہما جو کہ مدینہ طیبہ کے اکابرین صاحب علم لوگوں میں شمار ہوتے ہیں، اپنی کتاب
”سداؤالدین“ میں فرماتے ہیں کہ ایک مہاجر شخص حضرت عباس بن عبدالمطلب سے ملا اور
کہنے لگا اے ابوالفضل میں نے خواب میں عبدالمطلب اور کاہنہ قیطلہ یعنی ان دونوں کو دوزخ
میں دیکھا ہے۔ آپ نے اس شخص کی بات سنی ان سنی کر دی، اور دوبارہ بھی اور تیسری بار
جب اس نے وہی واقعہ خواب دہرایا تو آپ نے اس شخص پر ہاتھ اٹھایا اور اس کا ناک زخمی
کر دیا۔ وہ شخص زخمی حالت میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گیا۔ جناب عباس رضی اللہ عنہما کو
بلوایا گیا۔ اندرین اثنا قوم قریش بمعہ اسلحہ اس شخص سے انتقام لینے اٹھ کھڑی ہوئی تو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا بَالُ أَحَدِكُمْ يُؤْذِي أَخَاهُ فِي شَيْءٍ وَإِنْ كَانَ حَقًّا (فی ربيع الأبرار للزحشری)

لوگو! تم اپنے بھائی کو کسی خاص وجہ سے کیوں ایذا دیتے ہو اگرچہ حق بھی ہو، علامہ برزنجی
تھوڑی تفصیل میں جا کر فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف پر بیٹھ گئے خطبہ دیتے
ہوئے فرمایا:

لوگو! تم سب میں سے اعلیٰ واولیٰ کون ہے؟ سبھی لوگوں نے جواب دیا آپ ہم سب میں
اعلیٰ اور اولیٰ ہیں۔ پھر فرمایا۔ اِنَّ الْعَبَّاسَ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُمَا فَلاَ تَسْبُوا اَمْوَالَنَا فَتُوذُوْا اِجَانًا.
بیشک عباس مجھ سے ہے اور میں عباس سے ہوں تم ہمارے مردوں کو گالیاں دے کر
ہمارے زندوں کو ایذا نہ دیا کرو۔

تمام لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ کے غضب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔
اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد برزنجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ خاندان نبوت میں سے
مردوں کو گالیاں دینا حرام ہے۔ اس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا ہوتی ہے
چنانچہ اس مرد مہاجر نے حد سے تجاوز کیا اور طمانچہ مارنے میں، عباس کو کیم حق پر تھے
ورنہ بھلا بق شریعت مطہرہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے ضرور قصاص دلاتے
اپنے چچا عباس سے قصاص لینے میں آپ کو کیا تھجک ہوتی جبکہ خود آپ اپنا قصاص لینے

دینے میں ذرہ برابر فریغ نہ فرمایا کرتے تھے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ شیخ امام تقی الدین کے والد گرامی علامہ کمال الدین الشیبکی کے چند رسائل کا مجموعہ مجھے دستیاب ہوا۔ جس میں تحریر تھا کہ قاضی ابو بکر بن عربی مالکی سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ پیغمبر خدا کے والد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو دوزخی قرار دیتا ہے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ وہ ملعون ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا۔ (سورة اضراب رکوع ۳)

بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا میں اور آخرت میں اور ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار ہے۔

قاضی ابو بکر بن عربی مالکی نے زور دے کر فرمایا کہ اللہ اور رسول کے لئے اس سے بڑی ایذا اور کیا ہو سکتی ہے کہ کہا جائے نبی پاک کے آباؤ اجداد دوزخی ہیں۔

علامہ ماجی رحمۃ اللہ علیہ شرح موطا میں فرماتے ہیں ہر عام و خاص کو بامر مباح کچھ ایذا و تکلیف پہنچے تو شریعت میں، نہ تو یہ گناہ ہے اور نہ قابل گرفت ہے۔ مگر اوب گناہ نبوت میں ایذا رسانی حرام ہے۔ خواہ امر مباح کے ساتھ ہو، خواہ امر غیر مباح کے ساتھ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سیدہ فاطمہ پر سوکن بنا کر ابو جہل کی اسلام یافتہ لڑکی سے شادی نکاح کرنے سے روک دیا تھا۔ اور فرمایا تھا۔

إِنَّ بَنِي هَاشِمٍ مِنَ الْمُغْيِرَةِ اسْتَذُتُّوا عَلَيَّ أَنْ يَنْكِحُوا ابْنَتَهُمْ
عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَقَالَ أَفَاذِذُنُ ثُمَّ لَا أَذِنُ إِلَّا أَنْ يُطَلِّقَ عَلِيٌّ بِنْتُ
أَبِي طَالِبٍ ابْنَتَهُمْ وَيَنْكِحَ ابْنَتَهُمْ أَوْ كَمَا قَالَ — فَقَالَ فَاطِمَةُ،
بُضِعَتْ مِنِّي فَمَنْ أَبْغَضَهَا فَقَدْ أَبْغَضَنِي — اَلِ اجْرَه (مشکوٰۃ شریف)۔

مسور بن مخزوم کی روایت ہے پیغمبر کے بیٹے ہاشم کی اولاد نے مجھ سے اجازت مانگی کہ علی بن ابی طالب سے وہ اپنی بیٹی بیاہ دین۔ میں اجازت نہیں دیتا۔ سولے اس کے

کہ عسل بن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دیدیں اور پھر ان کی بیٹی سے نکاح کر لیں۔
 دوسری روایت ہے کہ جس چیز کو اللہ نے حلال کیا ہے اسے ہی حرام نہیں کر سکتا
 لیکن قسم بخدا رسول اللہ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی، کسی شخص کے دل ایک ہی
 نکاح میں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔

اس حدیث پاک کے تحت ثابت ہوتا ہے کہ نبی پاک کو ایذا پہنچانا جو کسی بھی وجہ سے ہو،
 ہر حالت میں حرام ہے خواہ امر مباح سے کیوں نہ ہو۔ (جیسا کہ فاطمہ زہرا کے ساتھ دوسرا نکاح حرام
 ہے اگرچہ مباح ہے۔)

سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہ اپنی ذات والاصفات کی طرح
 فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو بھی بامر مباح، ایذا پہنچانا حرام اور ممنوع قرار دیا ہے (الناجی شرح موطا)
 حافظ ابن عساکر اپنی تالیف "تاریخ دمشق" میں جو اسٹی جلدوں پر مشتمل ہے اس میں عبد اللہ
 بن یونس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ایک کتاب
 تعینات کیا گیا جو آپ تو مسلمان تھا مگر اس کا باپ کافر تھا۔ حضرت نے فرمایا کاش میرا کتاب
 مہاجرین میں سے ہوتا۔ کتاب نے کہا کہ مجھ سے نفرت نہ کریں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کے والد بھی کافر تھے (نعوذ باللہ) جب حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے
 اس کی گستاخی سنی مرد آہ کھینچی سر جھکا کر فکر مند ہو گئے۔ بالکل ہوش نہ رہا۔ آخر بہت دیر
 بعد بولے۔ دل چاہتا ہے تیری زبان، تیری گدی سے نکال لوں۔ ہاتھ کاٹ دوں یا تجھے قتل
 کر دوں یا جلتے؟ آخر الامراء سے دفتر سے نکال دیا گیا اور اسے کہہ دیا کہ تم کو میری زندگی تک دوبارہ
 یہاں نہیں آنا ہوگا۔ جاؤ اور جھاگ جاؤ (حلیۃ الاولیاء ابو نعیم)

فیذا! مخدوم محمد شمس صاحب علیہ الرحمۃ کی مبارک تصنیف فتح القوی میں علامہ بزرگی
 سے منقول ہے کہ ملا علی قاری پر سخت تعجب ہوتا ہے۔ متاخرین حنفیہ میں ہونے کے باوجود
 حضور علیہ السلام کے والدین معظمین کے گھر پر شدت اور بہت غلو سے کام لیا ہے۔ فقہ اکبر
 مولفہ ابو حنفیہ البخاری کو امام اعظم ابو حنیفہ کوئی کتاب تالیف سمجھ کر اس کی شرح لکھتے وقت
 والدین کریمین کے بارے ایسی دل آزار باتیں ذکر کر دیں جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے

ایذا کا موجب نہیں۔

مزید برآں حضور علیہ السلام کے والدین کا کفر ثابت کر کے میں ملا علی قاری نے شدت اور غلو سے کام لیتے ہوئے ایک رسالہ بھی لکھ ڈالا، اہل علم حضرات، منتضیہ اور شافعیہ وغیرہ سبھی لوگوں نے پُر زور تردید کی، اور جواباً رسائل لکھے، اور جن لوگوں نے اپنی اپنی تصنیفات میں ضمناً اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی، اور سید دو عالم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین کا زندہ ہونے کے بعد بھی ایمان ثابت کیا، ان کے نام یہ ہیں، شیخ عبدالقادر طبری، امام مکہ، شافعی الذہب علامہ مصطفیٰ بن فتح اللہ، مسکی الجموی، شیخ حسن بن علی حنفی، مسکی، ان کے علاوہ اور بھی بہت لوگ ہیں، جو مکہ اور مدینہ منورہ میں مقیم ہیں، شیخ عبدالقادر امام مکہ الطبری، الشافعی اپنے منفرد رسالہ کے آخر میں اپنا ایک خواب تحریر فرماتے ہیں، کہ میں آپ خود اور ملا علی قاری ہم دونوں باب ابراہیم کی چھت پر چڑھ گئے ہیں، میں نے اپنے ہاتھوں ملا علی قاری کو چھت سے نیچے گرا دیا اور وہ دھڑام سے زمین پر آ رہا، بیدار ہوا تو علی الصبح خبر ملی، کہ ملا علی قاری چھت سے نیچے زمین پر گر پڑے، اور بہت کچھ چوہیں آئی ہیں، یہاں تک کہ پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے، چنانچہ تھوڑے دن زندہ رہ کر وفات فرما گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔۔۔ منتہی کلامہ

علامہ مصطفیٰ بن فتح اللہ، مسکی الجموی، اپنی تصنیف، نوادر الرحلة، میں فرماتے ہیں کہ، ملا علی قاری آخر عمر میں مصائب و تکالیف میں گھر گئے، اور انہیں فقر و مسکنت نے گھیر لیا، یہاں تک کہ اپنا کتب خانہ بیچ کھایا مکان تک نیلام ہو گیا، غرضیکہ ان مصائب و شاکل کے کشف و اظہار کے بجائے، افضل ہے، کہ پردہ میں رہنے دیا جائے، لَعُوْدِ بِاللّٰہِ الْوَاحِدِ

السَّارِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ (ہکذا فی فتح القوی)

[عرض ہے کہ ملا علی قاری نے آخر عمر میں رجوع کر لیا، اور توبہ کر

کے دنیا سے رخصت ہوئے، حاشیہ فبرس ص ۵۲۶ پر ہے، وَنَقَلَ تَوْبَتَهُ مِنْ

ذَالِکَ فِی الْقَوْلِ الْمُسْتَحْسِنِ (۱۲) لِلّٰہِ الْحَمْدِ) چنانچہ اہل علم پر مخفی نہیں کہ

اتنی پر زور بغزشش کے باوجود بھی انہیں توبہ کا توفیق نصیب ہونا، اس بات

کی دلیل ہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس مسئلہ کے سوا باقی

تمام مسائل میں خوش عقیدہ تھے، ظاہر ہے کہ خوش عقیدگی ضائع ہونے والی چیز نہیں ایسے اللہ جل شانہ کی توفیق ان کے شامل حال رہتی، اور وہ اس قول شیح سے تائب ہوئے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تعلق کے علاوہ بھی جن خوش عقیدہ لوگوں سے ایسی لغزش ہو گئی ہے ان کے حق میں بھی یہی حسرت ظن رکھنا چاہیے، مرنے سے پہلے اللہ جل شانہ نے ان کو بھی توفیق توبہ عطا فرمادی گئی ہو، وَمَا ذَاكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ - (مترجم) [المبحث الثاني]۔

اس بحث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد کے اسماء گرامی بیان ہوں گے اور ساتھ ہی اجمال و تفصیل کے ساتھ انکے متعلقہ فوائد بھی بیان ہوں گے جو کہ دو طریق پر مشتمل ہے۔

طریقے اول :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد کے اسماء مبارکہ کا اجمال کے ساتھ ذکر ہے جس میں ناموں کی تعداد تا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان اسماء مبارکہ کے معانی کی تحقیق کا بیان ہے۔

طریقے دوم :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بون سے لے کر سیدنا آدم کریم تک سبھی کا اہل اسلام اور پیغمبروں کے پیغمبر ہونے کی تحقیق میں آیات الہیہ اور احادیث نبویہ و اقوال قویہ سے استہادہ ہے۔

الطریقہ الاولیٰ :-

آباؤ اجداد کے اسماء مبارکہ اجمالاً ذکر کئے جاتے ہیں۔

نسب مبارک :- حضرت سید الانبیاء والمرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن ایاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان رضوان اللہ علیہم۔

فائدہ :- ہم نے نسب نامہ جناب عدنان تک لکھا ہے کیونکہ اس کے بعد نسب بیان

زنیوالوں کے بارے کہا جاتا ہے کذب النسائون اور محتاط علماء کرام نے بھی یہیں تک
پ کا نسب مبارک لکھا ہے جو کہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۱۔ قِصَى، قاف پر پیش صاد پر زیر اور یلے تختانیہ پر شد پڑھی۔ تصغیر کا صیغہ ہے
صی بفتح قاف، بعید کا معنی دیتا ہے یہ لقب آپ کو ملا کیونکہ اپنے وطن اصل سے
ہت دُور چلے گئے تھے یہ آپ کا لقب ہے اصل نام ”زید“ ہے۔

کَلَاب، کاف کے نیچے زیر اور لام تخفیف سے پڑھا جاتا ہے مکالبہ کے معنی میں
استعمال ہوتا ہے یعنی جنگ کرنا، جبکہ مصدر، اسم فاعل بن کر استعمال ہوتا ہے۔ اندر میں حالت
کَلَاب بمعنی جنگ کرنیوالا یعنی مکالبہ ہے اور یوں بھی ممکن ہے۔ کَلَاب جمع ہے کلب
کی معنی کتا عرب لوگوں میں رسم تھی کہ وہ نظربند کے دفاع کے طور پر اپنی اولاد کا لقب
کلب ”کر لیا کرتے تھے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ۔

کَعْب، کاف پر زیر عین مہملہ پر جزم ہے۔ معنی ہے ٹخنہ یعنی ایک ایسی ہڈی جو
قدم میں کہیں اُونچی نظر آتی ہے جسے فارسی میں شتالنگ اور اردو میں ٹخنہ کہتے ہیں۔ اپنی
قوم میں رفیع الشان ہونے کے باعث فال کے طور پر، نام اور لقب، کعب رکھ دیا گیا۔
لُؤی، لاء کی تصغیر ہے۔ ہمزہ پر زیر اور یلے تختانیہ مشد پڑھی جاتی ہے۔ وجہ تسمیہ
میں تین قول ہیں مشہور یہ ہے کہ لُؤی، لاء (اول لام دوم الف اور پھر ہمزہ) سے
اسم مصغر ہے اور لاء دیر کے معنی دیتا ہے تو اس حالت میں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو
کام کرنے میں جلد بازی سے نہیں بلکہ سوچ سمجھ کر کام کرنے میں دیر لگ جایا کرتی۔ اس
لئے آپ کا لقب بن گیا، لُؤی“

زَبْر، فاء کے نیچے زیر ہائے مہملہ پر جزم ہے اور آخر میں رائے مہملہ سے شک دراز
کے معنی دیتا ہے۔

مَالِک اسم فاعل ہے اہل عرب کا مالک ہونے کی وجہ سے آپ کو مالک پکارا جاتا ہے
نصرت نون پر زبر صاد معجم بر جزم اور آخر میں رائے مہملہ سے اصل نام قیس ہے۔
ترو تازگی کا معنی دیتا ہے۔ خبر و اور حسن و جمال نے آپ کو نصرت کا لقب دیا ہے۔

کنانہ، کاف کے نیچے زیر اور دونوں نون زبر والے آخر میں ہٹے مہلہ ہٹے ترکیب کے معنی دیتا ہے جس طرح ترکش اپنے اندر تیروں کو ڈھانپ کر رکھتی ہے۔ اسی طرح آرا بھی اپنے پاؤں تک کو ڈھانپ کر رکھا کرتے تھے تو لقب کنانہ پڑ گیا۔

خزیمہ، خاپر پیش اور زاو پر زبر ہٹے تختا نیر پر جزم ہٹے اور ایاس بروفا فیال انس سے مشتق ہے جس کے معنی کمزور عقل کے ہیں اور کچھ عرب لوگ اپنی اولادوں کو حقیر ناموں سے موسوم کر دیتے جیسا کہ غافل، اثم، عاصی حمار و کلب وغیرہ مقصود نظر بد کا دفاع ہوتا تھا اور اسی سبب سے ایاس بھی ہٹے۔

مضمر، میم پر پیش ضاد پر زبر ہٹے یہ ماضی سے معدول ہٹے جیسا کہ عمر، عامر سے اور یہ غیر متصرف ہے، مضمرہ سے اشتقاق کر کے "ترشی" کا معنی بھی مراد لیا جاتا ہے اپنے مقالہ سے ترشی اختیار کرنے کی وجہ سے آپ کا نام مضمر شہور ہوا۔

ننزار، نون کے نیچے زیر زاو پر زبر اور تخفیف سے پڑھی جاتی ہے اور ننزر سے متعلق ہٹے قلت کے معنی دیتا ہے اپنے زمانہ میں آپ جیسا دوسرا فرد معدوم تھا اس لئے آپ کو ننزار کہا جاتا ہے یعنی عکیم المثال اور قلیل الوجود۔

عدنان، عین پر زبر وال پر جزم اور آخر میں الف دونوں زائد تان ہیں مشتق از عدنان یعنی اقامت۔

چنانچہ علامہ شامی اپنی سیرت شامی میں لکھتے ہیں کہ جمیع نساب میں کا اتفاق ہے کہ نسب مساک عدنان تک صحیح ہے اور اس کے بعد آئیولے آباؤ اجداد میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یعنی عدنان سے اسمعیل علیہ السلام تک شدید اختلاف پایا جاتا ہے الفاظ میں بھی اور آباؤ اجداد کی تعداد میں بھی جیسا کہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں اس بات کی تصریح کر دی ہے۔ اور علامہ شامی بھی اسی طرف گئے ہیں مگر بعض دوسرے نساب کچھ یوں کہتے ہیں کہ عدنان تا اسمعیل کچھ معلوم نہیں ہو سکتے۔ اور ایک جماعت کا خیال ہے کہ آباؤ اجداد کا علم تو ہے مگر ان کے تعین میں اختلاف ہے مثلاً آٹھ ہیں نو ہیں دس ہیں پندرہ ہیں تیس ہیں اڑھتیس ہیں اثنالیس ہیں یا چالیس ہیں یا اکتالیس ہیں وغیرہ چنانچہ ابن جریر، ابن جبان اور

من مسعود رضوان اللہ علیہم نے اپنی اپنی تصنیف و تالیف میں اس بحث کو بڑی بسط و کشادگی سے لکھا ہے۔

علامہ ابوعلی محمد بن اسعد جوانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت نے نسب درج بالا میں اختلاف کا سبب یہ ہے کہ قدیم دور کے عرب لوگ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے اس لئے یہ صرف اپنے حافظہ پر اپنی یادداشت پر بہارا لیا کرتے تھے امور و مقاصد میں ایک دوسرے کی طرف حافظہ اور دل کی روشنی کی بنیاد پر رجوع کیا کرتے تھے۔۔۔۔۔ اتنی ہی کلامہ لیکن اکثر و بیشتر علماء کرام کا اختیار کردہ فیصلہ یہ ہے کہ از عدنان تا اسمعیل علیہ السلام صرف آٹھ واسطے ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں۔

عدنان بن اذبن اؤدبن الیسع بن الہمیسع بن سمان بن بنت بن حمل بن فہار بن اسمعیل علیہ السلام اور اکثر و بیشتر اہل کشف و مشاہدہ، مشائخ عظام، کامسکٹ بھی ہے۔

علامہ شامی اپنی تصنیف سیرت شامی میں فرماتے ہیں کہ علامہ ابوعلی محمد بن اسعد جوانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ عدنان بن اسمعیل علیہ السلام کی اولاد مبارکہ اطراف عالم میں پھیل گئی اور قبائل عرب وجود میں آئے اور ان میں سے اکثر و بیشتر فوت ہو گئے اور ان کے بیچے اسمعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے سولہ اولاد قنار کے اور کوئی بھی زندہ نہ رہ سکا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمعیل علیہ السلام کی مبارک اولاد کو ادھر ادھر بکھیر دیا کہ وہ جا کر اپنی زبان اور بولی سکھائیں چنانچہ آپ کی اولاد میں سے قنار بیچ رہا جو کہ آپ کا بیٹا بنے اور عرب کا باپ "ابوالعرب" کہلاتا ہے۔

بعض علمائے کبار اور مؤرخین فرماتے ہیں عدنان بن اودبن مقوم بن نامور بن شیرح بن یعرب بن لیثج بن نابت بن حضرت اسمعیل بن حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام اس قول کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسب مبارک از عدنان تا اسمعیل صرف سات پشت پر مشتمل ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال والیہ المرجع والمآل۔

فائدہ :- از عدنان تا اسمعیل علیہ السلام پر علمائے کرام کے نزدیک سوال و جواب ہیں

جنہیں تفصیل وار ”فتح القوی بالنسب النبوی“ میں بیان کیا گیا ہے۔ میرے اس مختصر رسالہ میں انہیں شرح وار درج کرنے کی گنجائش نہ ہے۔ لہذا اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

فائدہ۔ سیدنا ابراہیم اور آدم علیہما السلام کے درمیان والی نسب میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ ابن اسحاق کے نزدیک نسب مبارک یوں ہے۔
حضرت ابراہیم بن تارخ بن نامور بن شاروح بن راغوب بن تاسخ بن عیبر بن شاعر
بن ارفخشذ بن سام بن نوح بن لامک بن مشوشاخ بن خنوخ کہ مشہور اور یس ہے علیہ السلام
بن برد بن ہملائیل بن قینان بن یافش بن شیت بن آدم علیہم السلام۔ بخذانی سیرت ابن اسحاق
علامہ ہبیلی نے اپنی شرح روض الالف میں نسب نامہ یوں ہی بیان کیا ہے۔ البتہ طبری
سے منقول ہے کہ عیبر اور شاعر کے درمیان ایک اور باپ ہے جس کا نام ہے ”قینن“
آپ ساعر تھے اس لئے تورات میں آپ کا ذکر ندر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں زیر آیت وَاتَّخَذَ اللَّهُ ابْرَاهِيمَ
خَلِيلًا (پارہ ۱۰۰ رکوع ۱) نسب نامہ یوں لکھا ہے حضرت ابراہیم بن آذر اور آذر کا نام
تاریخ بتالی ہے۔

لفظی تحقیق۔ تارخ، تاشی فوقانیہ پر زبر، رائے مہملہ پر زبر اور آخر میں حاء
مہملہ ہے۔ ناخون نون پر زبر، حائے مہملہ پر پیش ہے۔
شاربخ شین پر زبر رائے مہملہ پر پیش اور آخر میں خائے مہملہ ہے۔
راغوا میں غین ہے۔

فانخ، فائے اور لام پر زبر اور آخر میں خائے مہملہ ہے۔
عیبر، عین مہمل، یائے تھانیہ اور بائے موحہ ہے اور کچھ لوگ عیبر کو عابر بھی پڑھتے
جاتے ہیں۔ شاعر میں شین اور خائے مہملہ ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام و نوح کو ہم تک نسب میں نامولے لفظی تحقیق اور کوئی اختلاف
نہیں ہے۔ جمہور مؤرخین نسابین اور اہل کتاب میں درج بالا ترتیب میں اتفاق پایا جاتا ہے
البتہ علامہ ابن حبان سے نسب نامہ میں منقول اختلاف مبنی بر شاذ ہے۔ حافظ ہبیلی علیہ

کا طبری سے عبیر اور شالخ میں مزید ایک باپ کا اضافہ میں نقل کرنا بھی مبنی بر شاد ہے۔
 علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ابن درید کی تصنیف کتاب الاشتقاق میں آئی ہے کہ ازا براہیم تا
 آدم نسب صحیح ہے اور ان میں قطعاً اختلاف نہیں ہے تو رات میں ان کی نسبت اور
 مدت عمر بھی درست ہے۔ علامہ نساب ابوعلی محمد بن اسعد الجوانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقدمہ
 میں نسب نامہ مذکور کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ البتہ ضبط اسماء میں اختلاف واقع ہے جس کا
 سبب، صرف زبان و بولی کی گرائی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ انتہی کلام الجوانی

مخدوم محمد ہاشم فتح القوی میں فرماتے ہیں ابن درید اور جوانی کے بقول نسب نبوی میں
 صرف دو جگہ پر اختلاف موجود ہے۔ ایک از عدنان تا اسمعیل اور دوسرے مقام پر تعداد
 میں نہیں صرف تلفظ میں اختلاف پایا جاتا ہے جیسا کہ صاحب کتاب اہل خواجہ خواجگان
 امام بخش بن خواجہ غلام فرید رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنے کتب خانہ میں سے سیرت کی تمام کتابوں کا
 مطالعہ کیا جو کہ یہ ہیں سیرت ابن اسحاق سیرت گماذروینہ سیرت شامی تو ان تمام کتابوں میں
 از ابراہیم علیہ السلام تا آدم علیہ السلام اٹھارہ آباؤ اجداد پائے نہ زیادہ نہ کم۔ مگر ان اسماء
 کے تلفظ میں اختلاف تھا اس تفحص و تجسس سے ابن درید اور جوانی کے قول کی تائید
 ہو گئی۔ علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں الفاظ کی آمد و رفت سے تلفظ میں کچھ بڑ
 ہو گئی ہے فتح القوی بالنسب النبی میں یوں بھی لکھا ہے۔

مختصر انیکہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب از سیدنا عبد اللہ
 رضی اللہ عنہ تا عدنان اکیس افراد پر مشتمل ہے اور عدنان سے حضرت ابراہیم تک دس یا نو
 افراد ہیں۔ حضرت ابراہیم اور آدم علیہم السلام کے درمیان بیس شخص ثابت ہوتے ہیں سب
 باون اور ایک قول میں اکاون افراد ہیں جو کہ نسب نامہ مبارکہ میں موجود ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

الطریقۃ الشانی۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ عبد اللہ علم ہے مرکب
 اضافی سے منقول ہے مثلاً عبد معنی بندہ اور اللہ معنی خدا یعنی خدا کا بندہ اور
 آپ کی کیفیت ابو قحتم ہے کیونکہ نبی پاک کے ناموں میں ایک نام قحتم ہے معنی بخشش

ابو محمد ابوالاحمد بھی آپ کی کنیت ہے۔ آپ کا لقب ذبیح ہے واقعہ یوں ہے کہ عبدالمطلب کو زمزم کا کنواں کھودنے کا حکم خواب میں دیا گیا اسوقت عبدالمطلب کے صرف ایک صاحبزادے "حارث" تھے۔ حضرت عبدالمطلب زمزم کھودنے میں مصروف ہو گئے جبکہ یہ کام ان کے لئے عزت و فخر کا کام تھا قوم قریش نے آپ کے ساتھ شریک ہونا چاہا مگر آپ نے انکار کر دیا جھگڑا بڑھ گیا اور طعنہ دیا گیا تم اکیلے اور قلیل الاولاد ہونے کے باوجود بھی ہم پر دست دراز ہوتے ہو اس سلسلہ میں آپ کو کچھ پریشانی لاحق ہوئی تو آپ نے نذرمانی اگر اللہ کریم نے اس کام کو مجھ پر آسان کر دیا اور ایک دوسری روایت کے مطابق نذرمانی کہ اے اللہ تعالیٰ مجھے پورے دس بیٹے عنایت فرما دے اور وہ سب میرے معاون ہوں تو ان میں سے ایک بیٹے کی میں قربانی کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے نذر قبول فرمائی دس بیٹے مل گئے جن کے نام درج ذیل ہیں۔

حارث - زبیر - جمل - خزار - مقوم - ابولہب - عباس -
حمزہ - ابوطالب اور عبد اللہ۔

زمزم کا کنواں کھودنے کے تیس سال بعد آپ کعبہ مطہرہ کے پاس قیام اللیل میں مشغول تھے کہ ایک خواب سیدنا عبدالمطلب نے دیکھا کہ کہنے والا کہہ رہا ہے اے اس گھر کے رب کی جو نذرمانی تھی وہ پوری کیجئے۔ بہت عنکبین ہوئے سب بیٹوں کو جمع فرمایا اور انہیں نذر پوری کرنے کی دعوت دیدی۔ سب اطاعت شعارتھے۔ قرعہ انداز ہوئے تو حضرت عبد اللہ کا نام نکل آیا۔ اپنے بیٹے عبد اللہ کا ہاتھ پٹرا چھری لی اور مقام منیٰ کی طرف چل دیئے۔ سرداران قریش اڑے آئے اور مشورہ دیا کہ خیبر میں فلاں کاہنہ کے پاس چلیں جس کا نام قطبہ ہے بعض نے اس کا نام مجاح کہلے شاید وہ ایسی بات بتا دے جس میں کشادگی اور گنجائش ہو چنانچہ سب لوگ خیبر پہنچے۔ تمام واقعات سے سنوایا گیا تو اس کاہنہ نے کہا تم میں خون کی قیمت کتنی ہوتی ہے۔ کہا گیا دس اونٹ تو اس نے کہا آپ سب لوگ واپس اپنے ملک جاؤ دس اونٹ اور عبد اللہ کے درمیان قرعہ ڈال لیں اگر قرعہ دس اونٹوں کے بجائے عبد اللہ کے نام نکل آئے تو دس اونٹ بڑھا کر پھر قرعہ ڈال لیں

اور جب تک عبد اللہ کا نام نکلتا رہے دس، دس اونٹ بڑھاتے رہیں۔ یہاں تک کہ اونٹوں کے نام کا قرعہ نکل آئے پھر وہ اونٹ بجائے عبد اللہ ذبح کر دیئے جائیں وہ قربانی گویا عبد اللہ کی قربانی ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، قرعہ پر عبد اللہ کا نام نکلتا رہا۔ اور دس دس اونٹ بڑھاتے رہے۔ یہاں تک کہ سو اونٹ تک پہنچے تو جناب عبد اللہ کے بجائے اونٹوں کا نام قرعہ میں نکلا سرور ان قریش نے بیخ بجا کر مزید دو تین دفعہ قرعہ ڈالا تب بھی ہر بار جناب عبد اللہ کے بجائے اونٹوں کا نام قرعہ میں نکلتا رہا سو اونٹوں کو قربان کر دیا گیا یہ قربانی اونٹوں کی نہیں بلکہ جناب عبد اللہ والد آنحضور کی قربانی قرار پائی اور یہی وجہ ہے کہ آنحضور نے فرمایا کہ ”میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں“ یعنی سیدنا اسمعیل علیہ السلام اور سیدنا حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کا۔ اور وہ قربان شدہ اونٹ تھے جنہیں حزند پرند اور انسان نوش کر گئے۔ یحٰٰذ ذکرہ الشامی۔ مواہب اللدنیہ جلد اول ص ۱۶

حضرت زہیر کبار تابعین میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں دیت انسانی میں سو اونٹ کی رسم قوم قریش میں پیدا کرنے والا سب سے پہلا شخص عبد المطلب ہیں اور یہی رسم قریش عرب میں موجود چلی آ رہی ہے۔

عربی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یامین الذریحین کہنے پر آنحضرت نے قسم فرمایا اور بتایا ان میں سے ایک اسمعیل ہیں اور دوسرے ہیں عبد اللہ بن عبد المطلب۔

علامہ ابن حزم نے کہا کہ حضرت عبد اللہ کی اولاد صرف سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور کوئی بچہ یا بچی نہ تھا۔ حضرت عبد اللہ اور حضرت آمنہ نے صرف اور صرف حرمۃ العالین کو جنم دیا اور بس۔ عبد اللہ کی مدت عمر میں اختلاف پایا جا رہا ہے۔ اٹھارہ سال، پچیس سال، بیس سال کی عمر میں حضرت آمنہ سے شادی ہوئی۔ عمل اختلاف اقوال بسن وفات اور اس کے ماہ و ہفتہ میں بھی اختلاف روئےا ہوئے ہے جن کی بنیاد شادی کا سال اور مہینہ ہے۔ اس لئے بقول راجح آپ کی وفات مبارکہ شادی والے سال میں ہوگئی۔ حضرت عبد اللہ

اور حضرت آمنہ رضی اللہ عنہما کی پہلی ملاقات شب زفاف میں ہی سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقدس نور حضرت آمنہ کو منتقل ہو گیا۔ چونکہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ

بی بی آمنہ کے ہاں تین رات قیام پذیر رہے۔ بعد ازاں والد ماجد سیدنا عبدالمطلب کا ارشاد ہوا کہ مدینہ طیبہ کی کھجور لائی جائے۔

سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ، قافلہ قریش کے ساتھ شام کو تجارت کیلئے گئے واپسی پر مدینہ طیبہ میں اپنے ماموں کے پاس ٹھہر گئے ایک ماہ کامل بیمار رہے اور وہیں پر وفات پائی۔ (تاریخ حبیب اللہ)

قول اصح یہ ہے کہ صرف دو ماہ حمل پر گزرے تھے کہ آپ کے والد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی۔ بجز انی کتب التقات

اور جب سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چھ سال کے ہوئے اور ایک روایت کے مطابق جب آپ چار سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ آمنہ کرمیہ رضی اللہ عنہا آپ کو لے کر مدینہ شریف اپنے اقارب سے ملنے گئی تھیں مکہ مکرمہ واپس آتے ہوئے ”ابو“ کے مقام پر آمنہ کرمیہ نے بیس سال کی عمر میں وفات پائی (سیرت ابن ہشام) اس وقت ام ایمن بھی ساتھ تھیں سیوطی و شامی نے بھی یونہی فرمایا ہے (مدارب اللذیہ)

ابو ہمزہ کی فتحاء کی جہیز کے ساتھ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ و مدینہ کے درمیان مدینہ سے دس فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔

سیدنا عبدالمطلب :-

میم پر پیشی طاء مہملہ پر زبر مشدود اور لام پر زبر ہے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ کا نام عامر ہے یا شیبہ حضرت حافظ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ میں افعال حمید بہت موجود تھے اس سے آپ کو شیبہ الحمد کا نام دیا گیا۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ بوقت پیدائش آپ کے سر کے بال سفید تھے لہذا آپ کو شیبہ نام دیا گیا شیبہ کے معنی ہیں ”سفید بالوں والا“ آپ کے والد محترم نے وفات پاتے وقت وصیت کی تھی کہ میرے بیٹے کا نام شیبہ رکھنا۔ آپ کی کنیت ابوالمخارث اور ابوالبطحاء ہے سیدنا عبدالمطلب قریش میں شرف رکھتے تھے اور آپ ہی ان کے سردار تھے عقل و فراست علم و حکمت وافر مقدار میں تھی۔ سبحان العورات تھے جو دو عطا کی بھر پور صفت کے

موصوف تھے لوگوں نے آپ کو فیاض کا لقب دیدیا۔ آپنا کھانا اپرندوں پرندوں کو دیا کرتے تھے۔ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے از خود، ایام جاہلیت میں اپنے اور شراب کو حرام قرار دے دیا تھا اور اپنی اولاد کو ظلم اور بغاوت نہ کرنے دیتے تھے۔ امور دنیا اور خصال خسیہ سے منع کرتے تھے۔ محاسن اخلاق اور مکام اشفاق کی ترغیب دیتے تھے۔ ان کے بہت سے کام ہیں جنہیں قبولیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور انہیں اسلام میں بھی باقی رکھا گیا ہے۔ اور قرآن و حدیث میں ان کی مثالیں وافر مقدار میں پائی جاتی ہیں جیسا کہ نذر پوری کرنا، محام سے نکاح کی حرمت، چور کے ہاتھ کاٹنا زنا حرام ہونا، بغیر سڑھانے طواف کا ممنوع ہونا وغیرہ کذا ذکر چیلٹی

تحلیہ مبارک اور سیرت :-

سیدنا عبدالمطلب جسم تھے وسیم طویل القامت تھے رنگ سفید تھا۔ زبان میں فصاحت و بلاغت تھی جو کوئی انہیں دیکھ لیتا گرویدہ ہو جاتا۔ عظمت و شرافت میں اپنی قوم میں مشہور و معروف تھے۔ ذات و صفات جسم و جان، ادب و کمال میں عدیم المثال تھے جاتے سکونت حسن و جمال اور مکام اخلاق اور حسن افعال میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ جناب عبدالمطلب کے جسم مبارک سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک، ان کی پیشانی مبارک میں چمکتا رہتا تھا۔ آپ میں بیبت کما حقہ پائی جاتی تھی۔

غرضیکہ آپ کے کمالات، جھرو حساب کی حد سے باہر ہیں۔ (مواہب اللدنیہ) کہا جاتا ہے عبدالمطلب کے بال بہت بلند سفید ہو گئے کسی ایک بادشاہ سے ملاقات ہوئی تو اس نے آپ کو خضاب کرنے کا مشورہ دیا آپ نے سرخ مہندی لگانا سگراس بادشاہ نے خدمت میں "ولمہ" خضاب بھیج دیا جو کہ ایک ٹبوٹل بنے اور اس کے بتوں کو بطور خضاب استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ کے بال مبارک گہرے سیاہ ہو گئے۔ والوں نے خضاب کرنا آپ سے سیکھا اس لحاظ سے خضاب لگانے والے آپ سے شکر ہیں۔ آپ ہی پہلے شخص ہیں جس نے بیت میں سو اونٹ مقرر کرنے کی رسم والوں زرمز کا کنواں آپ نے کھودا جب کہ اس کے آباہیٹ چکے تھے پیغمبر کا نام نامی محمد آپ

نے رکھا۔ زندگی تک رحمۃ للعالمین کی خدمت و کفالت کرتے رہے۔ اور اسی طرح ابوطالب کو وصیت کر گئے۔ (کتب سیر، مواہب اللدنیۃ لسان الحیون سیرت ابن ہشام)

اولاد امجاد، جاننا چاہیے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ علیہ کی نرینہ اولاد کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً تیرہ۔ بارہ۔ گیارہ اور دس کی روایات ملتی ہیں (اللسان الحیون جلد اول سیرت ابن ہشام) جناب حافظ محبت الدین طبری اپنی تصنیف ”ذخائر العقبیٰ فی مودۃ القربیٰ“ میں پہلی روایت تیرہ بچے کو اختیار کر کے فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچوں کی تعداد بارہ ہیں اور تیرھویں خود آپ کے والد ماجد سیدنا عبد اللہ ہیں بچوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

حارث، ابولہب، ابوطالب، عبد الکعبہ، ایذاق، مقوم، فرار، قثم، مجمل، عبد اللہ، حمزہ، عباس، رضی اللہ تعالیٰ عنہم (انہی کلامہ) بروایت ثانی بارہ لڑکے مقوم کا دوسرا نام عبد الکعبہ ہے اور بروایت سوم گیارہ لڑکے دوسری روایت کے ساتھ یہ کہا جاتا ہے ایذاق اور مجمل ایک ہی شخص کے دو نام ہیں بروایت چہارم (دس لڑکے) قثم کو زائد قرار دیتے ہیں سیرت شامی اور بلا اختلاف سیدنا عبدالمطلب کی لڑکیاں چھ ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

صفیہ، عاتکہ، امیر، ازوی، بیضی، برہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف چار چچا صاحب اولاد تھے حارث، ابوطالب، ابولہب اور عباس اور باقی چچاؤں کی کوئی اولاد نہ تھی۔ بناء علیہ آپ کے چچا زاد بھائیوں کی تعداد پچیس بنتی ہے۔ صرف دو آدمی ”طالب بن ابی طالب اور عقبہ بن حارث“ کے علاوہ باقی سبھی لوگ اسلام و ایمان لے آئے تھے۔ ہر ایک کی تفصیل و ارزندگی کے حالات سیرت کی کتابوں خصوصاً فتح القوی میں پائے جاتے ہیں۔ (شرح المواہب، سیرت شامی و سیرت پلیمی)

یاد رکھنا چاہیے کہ ولادت نبوی کے آٹھویں سال جناب عبدالمطلب کی وفات ہو گئی۔ بقول اول مدت عمر ایک سو دس سال اور بقول دیگر ایک سو بیس سال ہے حضرت ابو موسیٰ الأشعری رضی اللہ عنہ کے عین سامنے واقع قبرستان حجون میں دفن کر دیئے گئے۔ حجون

حامد پر زبر اور جیم پر پیش بڑھا جاتا ہے۔ (شرح بخاری علامہ عینی)
 حافظ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ "روضۃ الاحباب" میں فرماتے ہیں کہ جب سید دو عالم
 صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ سال کے ہوئے تو اسی ایک ہی سال میں عادل بادشاہ کوشیرواں، سخی
 حاتم طائی اور جناب عبدالمطلب نے وفات پائی۔
 عبدالمطلب کے مسلمان ہونے میں اختلاف واقع ہے مگر اکثر ذہینہ محققین اور
 تمام اہل سیر سے دو قول ملتے ہیں۔

قول اول یہ ہے کہ جناب عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اہل فترہ میں سے ہیں انہیں
 دعوت اسلام نہ مل سکی وہ پہلے وفات پا گئے
 بخاری و مسلم کی ظاہر صحیح حدیث اور عبدالمطلب کی اپنی نیک سیرت کا بھی یہی تقاضا
 ہے جناب امام سیوطی رضی اللہ عنہ بھی اس قول کو زیادہ بہتر و برتر اور اعلیٰ و اولیٰ قرار دیتے ہیں۔
 دوسرا قول یہ ہے کہ جناب عبدالمطلب ملتِ ابراہیمی رکھتے ہیں اور موحد ہیں جناب
 مجاہد و سفیان بن عیینہ سے آثار منقولہ اور فخر الدین الرازی کی تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے
 مسک الخنفاء میں سیوطی فرماتے ہیں رحمۃ اللہ علیہ الف الف مرۃ کہ نبی پاک کے
 آباؤ اجداد کو کفر کی طرف منسوب کرنے کی ممانعت احادیث کثیرہ میں پائی جاتی ہے تو ثابت
 ہوتا ہے جناب عبدالمطلب موحد اور ملتِ ابراہیمی پر قائم تھے ورنہ کیوں کہا ہوتا۔

« اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبٌ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ »

(ہکذانی فتح القوی می الساب النبوی)

ہاشم اسم فاعل ہے اور ہاشم سے نکلا ہے اس کے معنی ہیں سوکھی چیز کو توڑنا،
 ٹکڑے ٹکڑے کرنا خصوصاً سوکھی لکڑیاں توڑنا۔ آپ کا نام عمرو ہے اور بحالت اضافی عمرو
 العلماء بھی کہتے ہیں اس لئے کہ آپ قریش میں عالی مرتبہ اور ان نسب کے سردار تھے۔
 "ہاشم" لقب تھا جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ پہلے شخص ہیں جس نے مکہ معظمہ میں اپنی قوم
 کے لئے روٹی کو "ٹور کر شوربے سے تر کر کے خرید بنایا اور انہیں کھلایا کرتے کینیت
 ابوفضلہ نے نون پر زبر اور ضاد معجم پر جزم ہے۔ نضد آپ کے بیٹے کا نام ہے۔

بیان ہے کہ حضرت ہاشم پہلے شخص ہیں جس نے قریش میں ”دورحلتوں“ کو رواج دیا۔ ایک رحلت اثناءِ جثہ کی طرف اور دوسری رحلتہ الصیف یہ سفر شام کی طرف ہوتا تھا پہلا موسم سرما کا سفر کوچ اور دوسرا موسم گرما میں وطن چھوڑ کر سفر کو چل دینا ہے۔

حضرت ہاشم مالدار تھے بہر حال، بیت اللہ شریف کے حاجیوں کے لئے اپنا بہت سہااں خرچ کرتے اور زمزم شریف والی جگر بڑھڑے کے تیار شدہ حوض رکھ دیتے جو دوسرے کنوؤں کے پانی سے بھرے جلتے تھے۔ اور حجاج کرام وہ پانی اپنے استعمال میں لاتے۔ یہ کام زمزم کو کھودنے سے پہلے کا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ہاشم حجاج کو میر شکنی سے کھانا کھلاتے تھے۔

پہلی دفعہ مکہ معظمہ میں سات ذی الحج کو کھانا کھلایا پھر مزدلفہ اور عرفات میں روٹیاں چورا کر کے، اسے گوشت گھی، خرم اور پستہ و مغزبات وغیرہ میں تر کر کے لوگوں کو کھلایا اور قریش کو بھی حجاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیا کرتے تھے یحکم ذوالحج ہوتے ہی خانہ کعبہ کی دیوار سے باہر، دروازہ کی جانب آکر بیٹھ رہتے اور خطبہ دیتے :

”کرائے اہل قریش! تمہیں گسب کے لحاظ سے سرداری ملی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں بیت اللہ کا محافظ بنا کر اکرام و انعام فرمایا ہے۔

اور تمہیں بنی اسمعیل سے صرف اور صرف تمہیں خانہ کعبہ کی ہمسایگی نصیب

ہوئی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ خانہ کعبہ کے زائرین کو اللہ تعالیٰ کا

بہان سمجھتے ہوئے خوب خدمت کیجئے۔ ان کے بال بھرے ہوئے ہیں۔

گرد و غبار سے اٹے پڑے ہیں اور ان کے بالوں میں جوئیں پڑ چکی ہیں۔

سفر کی مشکلات ان کے ساتھ ہیں اور اپنی جان مال وقت اس راہ میں قربان

کرنے آئے ہیں۔ تمہیں ان کی امداد اور ان کی خدمت کرنا لازم ہے۔“

تمام قریش آپ کے حکم کی تعمیل کر کے حجاج کرام کی تہہ دل سے خدمت بجالاتے

تھے۔ اور اپنا مال و متاع ان پر خرچ کرتے تھے شامی اور سیرت کی کتابوں میں ایسے

لکھا ہے۔

حضرت ہاشم ظاہری باطنی حسن و جمال کے ساتھ شرافت و فراست کا پیکر تھے۔

اہل عرب آپ کو جو دھویں کا چاند (بدر) اور خالص سونا (قرح النضر) کا نام دیتے تھے۔ علامہ ابوسعید نیشاپوری اپنی تصنیف "شرف المصطفیٰ" میں فرماتے ہیں کہ سیدنا ہاشم کے چہرے مبارک میں چمکتے ہوئے چاند کی طرح نورانی عکس نظر آیا کرتا تھا جو کوئی انہیں دیکھ لیتا گر ویدہ ہو جاتا تھا۔

قیصر روم نے آپ کی خدمت ایک قاصد بھیجا اور اپنی لڑکی عقد میں دینے کی درخواست کی مگر سیدنا ہاشم نے اپنے خاندان کی اجازت پر توقف کر کے، انہیں انکار کر دیا۔ (مترجم) ایک بار تجارت کی غرض سے شام گئے دوران سفر، مدینہ طیبہ میں ٹھہرے وہاں سال کے سال بازار لگتا تھا تو آپ نے وہاں ایک عورت کو دیکھا شرافت و فراست حسن و جمال تھا۔ دریافت پر معلوم ہوا خاندان بنو نجار سے ہے اور سلمیٰ نام ہے شادی کی درخواست کی اس عورت نے قبول کیا غرضیکہ نکاح ہو گیا۔

حضرت ہاشم کے چار لڑکے ہیں۔ نضد، عبدالمطلب، اسد اعلیٰ المرثیٰ کے نام (ناجان) اور ابوصفی۔ جبکہ پانچ لڑکیاں ہیں جن کے نام شفا، خالدہ، صفیہ، رقیہ اور حبیبہ ہیں۔

شادی کے بعد آپ شام کو گئے اور شہر غزہ (مضافات دمشق) میں انتقال فرمایا۔ آپ کی عمر مبارک بیس سال اور بعض کے نزدیک پچیس سال ہے۔ عبدمناف میں میم کی زبر اور یہ ترکیب اضافی ہے۔

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ "روض الالف" میں فرماتے ہیں کہ مناف بروزن مفعلاً ہے باب افعال کے مصدر اناف سے ماخوذ ہے یعنی بلند ہونا اور بڑھ جانا۔

اصل نام مغیرہ ہے جس سے مراد ہنس پانے امور مضبوط کرنے والا یا اپنی رائے کو لوٹنے والا والٹ اعلم بالصواب۔ آپ کی کنیت ابو عبد الشمس ہے۔ لقب قمر بطحی ہے۔ نہایت ہی حسن و جمال کا پیکر تھے۔ اپنے والد کی موجودگی میں قریش کے سردار کھلانے لگے۔ اور قریش آپ کے تہر دل سے اطاعت شعار تھے۔ آپ میں خوف خدا

تھا۔ لوگوں کو صلہ رحم کی تلقین کرتے تھے آپ کے پانچ لڑکے تھے۔

ہاشم۔ مطلب۔ (امام شافعی آپ کی اولاد میں) عبد الشمس۔ نوفل اور عبید۔
آپ کی سات لڑکیاں ہیں سلف صالحین کی کتابوں میں بسیار کوشش کے باوجود آپ
کی قبر مبارک اور عمر شریف کا علم نہیں ہو سکا ہے۔
ابنِ قُصَیّی ۔

قاف پر پیش اور صا پر زبر، یلے تختانی پر شد پڑھی جاتی ہے تصغیر کا صیغہ
ہے اور یہ لفظ قُصَیّی دوری اور بُعد کا معنی دیتا ہے۔ یہ لقب آپ کو ملا کیونکہ آپ
اپنے وطن اصلی سے بہت دور چلے گئے تھے اور اصل نام آپ کا "زید" ہے۔ علامہ
ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں لکھا ہے کہ قُصَیّی نے اپنے خاندان کو جمع کر کے آس پاس
بسایا اس لئے آپ کا لقب مجمع بھی منقول ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ قُصَیّی کی والدہ نسماۃ فاطمہ، اپنے خاوند کی وفات کے بعد اپنے بیٹے
قصی کو ساتھ لے کر شام چلی گئیں جب قصی جوان ہوئے تو اپنی والدہ سے، والد بزرگوار اور اپنی
حب و نسب کے متعلق پوچھا والدہ نے اسے معلومات فراہم کئے قصی نے حالات سننے ہی
اپنے وطن اصل مکہ معظمہ کو روانگی شروع کر دی والدہ صاحبہ نے مہلت مانگی چنانچہ موسم حج میں
حج کے قافلے کے ساتھ مکہ معظمہ تشریف لائے حج ادا کیا اور وہاں ہی اقامت اختیار
کر لی قوم قریش نے سیاست و ریاست قصی کے حوالے کر دی اور ان کی قدر و منزلت
حد سے زیادہ کرنے لگے کیونکہ آپ رامت گو سخی اور عفت مآب تھے۔ عقیف پارسا اور
صدق و دیانت میں مشہور تھے۔

جب قصی مکہ شریف تشریف لائے وہاں بنو خزاعہ کی حکومت تھی زمرم کی حمایت
بیت اللہ کی کنجی۔ حجاج کی خدمت، عمرو بن لہی الخزرجی کے وقت سے لے کر اب تک
بنو خزاعہ کے سپرد تھی قصی نے جلال خزاعی سے اس کی لڑکی صبا نامی کا نکاح مانگ لیا
آپ کی شادی ہو گئی اور اب قصی مکہ معظمہ میں مقیم ہو رہے۔ بی بی صبا سے اللہ تعالیٰ نے
حضرت قصی کو بچریت اولاد بخشی، بفضلہ تعالیٰ آپ کے ہاں مال و دولت میں فراوانی آئی

اور عظیم شرف ملا۔ جلیل خزرعی وفات پانے لگے ہجرت کر کے بیت اللہ شریف کی گنجی
 ولایت و سیادت قصی کے ہاتھ کر گئے۔ مگر بنو خزاعہ نے انہیں بیت اللہ کی چابی دینے
 سے انکار کر دیا اور قصی اور قریش سے جنگ چھڑ گئی۔ بنو خزاعہ کو شکست ہوئی اور قصی نے
 انہیں مکہ معظمہ سے شہر بدر کر دیا اور قصی قریش، مکہ معظمہ زمزم، حجاج کوام کی خدمت، حجابت
 سقایت اور ریاست و وفادات کے متولی ہوئے۔ قصی نے اپنی قوم قریش کو چُن چُن کر جمع کر کے
 خاندان کعبہ کے ارد گرد بسایا اس لئے آپ کا لقب ہو گیا۔ مُجَمَّع یعنی اپنی قوم کو جمع کرنے والا۔

قُصَى ابْنُ كَعْبٍ مِنْ بَنِي كَعْبٍ مَجْمَعًا

بِهِ جَمَعَ اللَّهُ الْقَبَائِلَ مِنْ قُرَيْشٍ

قصی تمہارا باپ ہے جس کو جمع کا نام دیا گیا ہے اس لئے کہ اس کے طفیل اللہ تعالیٰ
 قحہ کے قبائل کو جمع کر دیا۔

قصی نے مکہ شریف میں دار المشورہ قائم کیا جس کا نام دار السنہ وہ رکھا۔ قریش جب
 کوئی جلد یا جنگ کی تیاری کرنا چاہتے تو اسی عمارت میں آکر باہمی مشورہ سے قوافل باہر
 بجاتے نکاح شادی میاہ اور باقی تقریبات کے مراسم بھی یہاں ادا ہوتے تھے۔
 بکنذانی فتح القوی منقول از سیرت شامی و سیرت حلبی وغیرہ۔

قصی نے بڑے بڑے کام سرانجام دیئے جو ایک مدت تک یادگار رہے۔ مثلاً
 مکہ کی ولایت و ریاست ملتے ہی سقایہ اور رفاہ جو خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا
 انہی کے ہاتھوں قائم ہوا۔ تمام قریش کو جمع کر کے خطبہ دیا کہ سینکڑوں ہزاروں کو اس کا سفر
 کر کے لوگ مکہ معظمہ کی زیارت کو آتے ہیں ان کی میزبانی آپ کا فرض ہے۔

چنانچہ قریش نے ایک سالانہ خطیر رقم مقرر کی اور اس سے منی مزیلفہ اور عرفات
 میں حجاج کو کھانا کھلاتے تھے۔ اور یہ رسم، اسلام قائم ہونے تک، ایسی قائم رہی قصی کی
 چھ اولادیں ہیں۔

عبد الدار۔ عبد مناف۔ عبد العزی۔ عبد بن قصی (بغیر اضافت) اور

رؤکیاں۔ نحر ابد برہ، ہیں۔

آپ کی وفات مکرپاک میں ہوئی اور حجوں میں دفن ہوئے۔ بکذائی طبقات ابن سعد
ومیرت شامی۔

ابن کلاب۔

کلاب کاف کے بیٹے زبیر اور لام تخفیف والا جس کے معنی طریق اول میں بیان کر
دیئے ہیں۔ آپ کا نام "حکیم" اور بعض کے نزدیک عمرو ہے کفیت ابو زہرہ ہے آپ کا
بڑا لڑکا زہرہ نامی ہے جس سے نسبت کر کے کفیت ابو زہرہ ہے۔
کلاب پہلا شخص ہے جس نے تلواروں کو سونا اور چاندی پہنا کر خانہ کعبہ میں رکھوا دیا
بلاخلاف، کلاب کی دو اولادیں ہیں ایک قُصی (نبی پاک کا دادا) اور دوسرے زہرہ ہیں
جو کہ نبی پاک کے نانا ہیں نسب یوں ہے۔ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن
کلاب۔

ابن مُرہ۔

مُرہ میم پر پیش اور رائے مہملہ پر شد یہ اسم وصفی ہے اور وصف سے نقل
ہو کر اسم بننے میں بہت وجہ منقول ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔
وجہ اول، مُرہ، مرات سے تلخی کا معنی دیتا ہے عرب والے کہتے ہیں رجلٌ مُرہٌ
اور مُرہ میں تا مبالغہ کیلئے ہے۔

وجہ دوم، جناب حافظ سمیع رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ قبائل عرب، جانوروں
درختوں اور پودوں کے نام پر، اپنی اولادوں کے نام رکھتے تھے، مُرہ ایک بوٹی کا نام ہے جس کی
پتے ساگ کی طرح کھلتے جلتے ہیں اور اس کا پودا، کاسنی کے پودے کی طرح ہوتا ہے
اور حضرت ابو حنیفہ دینوری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی خیال ہے۔

وجہ سوم، مُرہ، مُرت سے ماخوذ ہے جس کے معنی قوت کے ہیں۔ کہا جاتا
"رجل ذو مِرۃ" قوت والا آدمی، چونکہ مُرہ بہت قوی اور طاقتور تھے تو یہی نام پڑ گیا
کفیت بڑے لڑکے کا نام یقظ ہے، اس سے ابو یقظ کہلائے اور والد کا نام حشیر
ہے سلسلہ نسب یہ ہے۔

”مخشیہ بنت شیبان بن محارب بن فہر بن مالک بن نصر“

تین اولادیں ہیں۔ کلاب، یقطہ (اور مخزومی قریش آپ کی اولاد ہیں) اُد تکر سے صلح جزاؤ
کا نام ”تیم“ ہے تاہم پرزیر کے لئے تختانیہ پر جزم صدیق اکبر اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ آپ کی
اولاد ہیں۔

ابن کعب۔

کعبہ میں کاف پرزیر اور عین مہمل پر جزم ہے۔ کعب، قدم میں اُبھری ہوئی ہڈی کو
کہا جاتا ہے۔ فارسی میں شتانگک اور اردو میں ٹخنہ کہا جاتا ہے۔ پاؤں میں جیسے ٹخنہ اونچا
ہوتا ہے کعب بھی اپنی قوم میں اونچی شان والے انسان سمجھے جاتے تھے۔

ابن اثیر کی تحقیق یہ ہے کہ کعب کے معالیٰ اونچی اور عالیشان چیز کے ہیں جس طرح
بیت اللہ شریف عالی اور رفیع الشان ہونے کے ناطے، کعبہ کہا جاتا ہے۔ آپ بھی عالیشان
تھے تو نام ”کعب“ رکھ دیا گیا۔ والدہ کا نام ”مادیہ“ ہے جو نبی قضاہ سے تھیں اور کنیت ہے
ابو مصعب، باپ پر پیش صادر پرزیر اسم مصغر ہے۔

اولیات۔ کعب پہلے شخص ہیں جو لوگوں کو عرب کے دن جمع کر کے انہیں وعظ
و نصیحت کیا کرتے تھے اور خطبہ دیا کرتے تھے جاہلیہ کے زمانہ میں جمعہ کو یوم عربہ کہتے تھے۔

کہ اے میری قوم! اپنے وعدوں کو پورا کیا کرو و صلہ رحم لازم کر لو۔ اپنے مال سے خلقِ خدا
کو فائدہ پہنچایا کرو۔ حرم بیت اللہ شریف کی تعظیم و تکریم کرو۔ خبردار رہو کہ بیت اللہ حرم شریف
میں پیغمبر خدا کے ظہور کا وقت قریب ہے قدر و منزلت والے نبی ہیں ان کا نام نامی محمد
ہے اعدان کا دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائبہ یافتہ ہے سیدنا موسیٰ و عیسیٰ علی نبینا

و علیہما السلام اور دولت و انجیل کی بھی انہیں خبر ہے۔ قسم بخدا! اگر میں اس وقت تک
زندہ رہا اور میرے ہاتھ پاؤں صحیح و سالم رہے تو یقیناً میں، کفار کے بالمقابل جنگ کے میدان
میں ٹوٹ کر، سیدنا و دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت و املاؤں کو فرنگا (سیرت شامی)

و پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایام جاہلیت کا بسا ہونا نام عربیہ بدل دیا۔ اور اسے جمعہ
کا نام دیا ہے۔ آپ کی تین اولادیں ہیں، مصعب، قرہ، حدی یہ تینوں بیٹے ایک ہی ماں

سے ہیں۔

ان وفات کعب تابعث نبویؐ پانچ سو ساٹھ سال کی مدت ہے ابو نعیم کی روایت کچھ آگے جاتی ہے کہ حضرت کعب غریب میں عظیم القدر کچھ جاتے تاریخ عام الفیل تک آپ کے وصال سے شمار موقوف رہی بعدہ تاریخ عام الفیل شمار ہونے لگی حضرت عبدالطلب کی وفات تک بعدہ وصال عبدالطلب کی تاریخ ہجرت نبویؐ تک رہی۔ مدتوں بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بالانفاق ہجرت کا سن مقرر کر لیا۔ کذا وکثرہ ابن اسحاق ابن لوطی۔

لام پر پیشس ہمزہ پر زبر اور یلٹے تختا یہ پر شد ہے۔ یہ اسم منقول ہے اور اس میں تین وجوہ بیان کئے جاتے ہیں۔

وجہ اول۔ لوطی لای سے اسم مضر ہے جس کے معنی گائے کے ہیں عرب کے لوگ جانوروں کے نام پر بھی نام رکھنے کے عادی تھے جیسا کہ اُسد ثور کلب غد وغیرہ ابو حنیفہ دینوری کی تحقیق اس طرح ہے۔

وجہ دوم۔ علامہ حافظ حسین رحمۃ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ لوطی تصغیر ہے لاء سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "دیر کرنا" برین تقدیر یہ نام پڑنے کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کام کاج، جلد بازی سے نہیں کرتے تھے بلکہ سوچنے سمجھنے میں دیر کر دیتے تھے۔

وجہ سوم۔ لوطی، لواء سے ماخوذ ہے جس کے معنی علم یعنی جھنڈا کے ہیں حضرت لوطی صاحب علم ہیں حضرت کی کنیت ابو کعب ہے علم و حکمت اور ذہانت کی باتیں، صغیر سن میں کرنے لگے تھے قریش کے ماویٰ ملجائے تھے مقبول و مطاع تھے آپ کی والدہ کا نام سلمی بنت کعب بن عمرو الخزاعی ہے۔ سات لڑکے تھے نام یہ ہیں۔

کعب، عامر، سام، خزیمہ، سعد، عارث اور عوف۔

ابن غالب۔

اسم منقول ہے غلبہ بخشتن ہے آپ کی کنیت ابو تمیم ہے۔ اور والدہ کا نام لیسلی بنت سعد بن بذیل بن مدکرہ بن ایاسس۔ (سیرت ابن ہشام)

وغیر اسم کی تفسیر میں جس شخص نے اس خاندان نبوت کو قریش کے لقب سے نوازا دیا
وہ نضر بن کنانہ ہے۔ نضر بن کنانہ سے پہلے کے لوگوں کو قریش نہیں کہا جاتا۔

قول صحیح و معروف ابو الحسن الاخفش اور عابد بن سلمہ کا بیان ہے کہ قریش کا لقب
الیاس بن مضر بن نزار کو ملے یعنی الیاس علیہ السلام کی اولاد قریش کہلاتی ہے اور آپ
سے پہلے ولے قریش نہیں ہیں۔

قول چہارم: مضر بن نزار کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب
فتح القوی فی الساب النبی مصنف مخدوم میں ہے کہ نضر بن مالک، آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں گیارہویں نمبر پر ہیں، نضر بن کنانہ تیسرے نمبر پر، الیاس بن مضر،
شہویں نمبر پر اور مضر بن نزار اٹھارویں نمبر پر شمار ہوتے ہیں۔

ظاہر یہ دھیان رکھا جائے تو قول ووم جاندار نظر آتا ہے اکثر علمائے کرام کا مسلک یہی
ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تفسیر فقہ اور لغت کی کتابوں میں نضر بن کنانہ کو قریش کا لقب
دیا جاتا، لکھائے تفصیل و اکتب کے نام درج ذیل ہیں۔

کتاب تفسیر، تفسیر ثعلبی، تفسیر کشاف، زمخشری، بیضاوی، مدارک جلالین،
کتاب فقہ، معارج الدرایہ، عینی، غایۃ البیان، ہدایہ کے شروع، بحر الرائق،
شامی اور شرح وقایہ۔

کتاب لغت، صحاح، جوہری، صراح مختصر صحاح اور قاموس وغیرہ۔
ابن ہشام کا بیان ہے کہ نضر بن کنانہ نے خاندان نبوت کو قریش کے لقب
سے ممتاز کیا اور انہی کی اولاد قریشی کہلاتی ہے۔ مگر مؤرخین میں یوں شہور ہے کہ نضر بن
کنانہ کی اولاد میں صرف نہر کی اولاد قریشی ہے اور بس۔

(روضۃ الاحباب اوز زرقانی)

قریش کی وجہ تسمیہ

قریش کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عمرو بن
عاص و محمد بن مسلم رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ قریش ایک دریائے جانور کا نام ہے

جو تمام دریائی جانوروں پر غالب اور قوی ہے اور انہیں کھا جاتا ہے بوجہ قوت و غلبہ اس قوم کو اس زور دار جانور سے تشبیہ دے کر قریش کا لقب دیا گیا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قریش، قرش سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "تجارت کرنا" لیکن دین اور تجارت قریش قوم کا پیشہ تھا اس لئے قریش کہلانے لگے۔ اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قریش، تقریش سے مشتق اور ماخوذ ہے اور تقریش کے معنی تفتیش اور جستجو کے آتے ہیں۔ اسی بناء پر انہیں قریش کہتے ہیں کہ وہ مساکین اور فقراء کو ڈھونڈھا کرتے اور ان کی ضروریات کو پورا کرتے تھے۔ دوسرے وجوہ بھی بہت ہیں نمونہ مشت از خروار پر کفایت کرتا ہوں۔

عشرہ مبشرہ - چونکہ عشرہ مبشرہ حضرت فہر کی اولاد میں ہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے

۱۔ ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ، ابن ابی قحافہ، جاہلیت میں آپ کا نام عبد الکعبہ تھا لیکن ایمان لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام عبد اللہ رکھ دیا۔ کینت ہے ابو بکر اور صدیق و عتیق القاب تھے۔ آپ خاندان قریش کی ایک شاخ بنو تیم سے ہیں آپ کے والد کا نام عثمان، کینت ابو قحافہ ہے۔ مشرف باسلام تھے شجرہ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے۔

عبد اللہ ابو بکر الصدیق بن عثمان ابی قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر رضوان اللہ علیہم

ساتویں پشت میں جا کر آپ کا شجرہ نسب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔

۲۔ عمر رضی اللہ عنہ الفاروق بن خطاب بن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن عبد اللہ بن قرظ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر

آپ کا سلسلہ نسب، آٹھویں پشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے

۳۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر

آپ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔

۴۔ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بن ابوطالب بن ہشتم بن عبد مناف بن قصی بن كلاب بن مرو بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

آپ کا سلسلہ نسب نبی پاک سے دوسری پشت میں مل جاتا ہے۔

۵۔ طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

آپ کا سلسلہ نسب سیدنا ابو بکر الصديق کيطرح ساتویں پشت میں بذریعہ حضرت عائشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملتا ہے۔

۶۔ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بن خویلد بن اسید بن عبد العزی بن قصی بن كلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

آپ کا نسب مبارک پانچویں پشت میں حضرت قصی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسب سے جا کر مل جاتا ہے۔

آپ نبی پاک کی چھوٹی صفیہ بنت عبد المطلب کے بیٹے ہیں روایت میں آئے۔
عَنْ حَسَنِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كُلُّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ وَحَوَارِيٌّ ذُرِّيَّةُ بَيْنِ الْعَوَامِ
روایت حسن نبی پاک نے فرمایا ہر نبی کا ایک رفیق و ساتھی ہوتا ہے اور میرا رفیق زبیر بن عوام ہے۔

۷۔ سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن كلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر رضی اللہ عنہم

چھٹی پشت میں بذریعہ كلاب سلسلہ نسب نبی پاک سے جا کر مل جاتا ہے۔

۸۔ سعید بن زید رضی اللہ عنہ بن عمرو بن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن عبد اللہ بن قرظ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر۔

امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرح آٹھویں پشت میں بذریعہ کعب بن لوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم سے سلسلہ نسب مل جاتا ہے۔

۹۔ عبد الرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف بن عبد الحارث بن زہرہ بن كلاب بن مرہ بن کعب بن لوی

بن غالب بن فہر رضوان اللہ عنہم

سعد بن ابی وقاص کی طرح چھٹی پشت میں بذریعہ کلاب، آپ کا سلسلہ نسب نبوی
ک تک جا ملتا ہے۔

۱۰۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، آپ کا نام عامر سے بن عبد اللہ بن جراح بن ہلال بن
بہ بن حارث بن فہر ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین گیارھویں پشت میں آپ کا سلسلہ
سب بذریعہ فہر بن مالک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم سے جا ملتا ہے۔
(فتح القوی)

درج بالا تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام عشرہ مبشرہ پیدری نسب کے لحاظ سے
ایشیائے عرب میں۔ البتہ مادری نسب میں حضرت سعید اور حضرت طلحہ کی ماں کے سوا باقی سب
ایشیائے عرب میں۔ کیونکہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی والدہ بنی خزاعہ سے ہے اور حضرت طلحہ کی
والدہ بقول بعض قحطان بن عامر کی اولاد ہے۔ واللہ اعلم بالصواب
عشرہ مبشرہ کے باپ اسلام لے آئے تھے سوائے ابی طالب کے۔ ان کا ایمان
اسلام بقول روافض ثابت ہے۔

(شرح المواہب الزرقانی)

البتہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ مسلمان تھیں صحابیات میں سے
ہیں اور ان کی وفات مدینہ منورہ میں واقع ہوئی ہے۔ (سیرت شامی) اس تفصیل کے
بعد ہم دوبارہ نسب نبوی کی طرف آتے ہیں۔
ابن مالک ..

مالک، مالک سے مشتق ہے اسم فاعل کا صیغہ ہے چونکہ آپ عرب والوں کے
مالک تھے اس سے آپ کا نام مالک مناسب رہا۔

کنیت ابو الحارث ہے والدہ کا نام عاتکہ بنت عدوان بن عمرو بن قیس بن عیلان
بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہے۔ اور عاتکہ کا لقب عکرمہ ہے اور آپ کا نرف
بھی عاتکہ تھا نام تھا فہر رضی اللہ عنہ۔

ابن نصر۔ نون پر زبر اور ضاد عجمی اخیر میں زائے مہملہ ہے۔ اصل نام قیس بن حسن و جمال شباب اور جوانی نے آپ کا لقب نصر بنا دیا۔

کہا جاتا ہے کہ نصر بمعنی سونا خالص، ہو تو آپ کو بوجہ خوبصورتی، سرخ سونے شبیہ دیتے ہوئے نصر کا لقب دیا گیا ہے۔

کنیت بڑے بڑے کے نسبت سے ابو یخلد ہے۔ والدہ کا نام، برہ بنت مر بن ابن طاہر بن الیاس بن مضر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

آپ کی تین اولادیں ہیں یخلد، مالک اور قیس کے خلت ہیں۔ ابن کنانہ، کاف کے نیچے زیر، دونوں نون زبر والے اور ان دونوں نون کے

درمیان الف ہے آخر میں ہائے وقف ہے۔ کنانہ کے معنی ہیں "ترکش" جس طرح ترکش اپنے اندر تیروں کو ڈھانپ کر رکھتی ہے۔ اسی طرح آپ بھی اپنی قوم کی پروردگار سے فرماتے تھے۔ اپنے آپ کو چھوٹا اپنے پاؤں تک کو ڈھانپ کر رکھتے تھے۔ اسی سبب سے آپ کا لقب کنانہ پڑ گیا۔ کنیت ابو نصر اور والدہ کا نام، عوانہ بنت سعد بن قیس بن

عیلان بن مضر ہے۔ (ابو اسحاق، زرقانی، سیرت شامی، چلیبی)

آپ بہت خوبصورت اور عظیم المرتبت تھے علم و فضیلت کے سبب دور دور کے لوگ آپ کی زیارت کرنے آیا کرتے اور اپنی قوم کو فرمایا کرتے

"پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور عنقریب ہونے کو مجھے قوم قریش ہوگی اور آپ کا نام نامی "احمد" ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی طرف بلائیں گے اور انہیں ہدایت دیں گے، احسان مکارم اخلاق اور نیکی کی تلقین و تبلیغ فرمائیں گے ضروری ہے کہ آپ کی تابعداری کر کے اپنی عزت و عظمت میں اضافہ کیجئے کیونکہ پیغمبر کا قول و فعل، حق اور سچ ہے کہ ہمیں تکذیب نہ کر بیٹھیں۔"

جناب کنانہ کی چار اولادیں تھیں نصر، ملک، عمرو اور عامر۔ علامہ سہیلی روض الالف میں فرماتے ہیں کہ علامہ محب الطبری نے ان چار بیٹوں کے

علاقہ سہیلی روض الالف میں فرماتے ہیں کہ علامہ محب الطبری نے ان چار بیٹوں کے

علاقہ سہیلی روض الالف میں فرماتے ہیں کہ علامہ محب الطبری نے ان چار بیٹوں کے

علاقہ سہیلی روض الالف میں فرماتے ہیں کہ علامہ محب الطبری نے ان چار بیٹوں کے

علاوہ دیگر نو اولادیں بیان کی ہیں اور ابن ہشام نے اُن کے نام کچھ اسی طرح بتلاتے ہیں۔
 عامر، حارث، نصیر، غنم، سعد، عوف، جرولہ، جلال، غزوان، والشاء علم بالصواب
 ابن خزیمہ، خاد پر پیش، زائے پر زبر اور یائے تختانیہ پر جزم ہے۔ اہم منقول
 ہے خزم سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ایک درخت جس کی کھال سے سیاہ بنائی
 جاتی ہیں۔ (حراج)

بعض محققین کا خیال ہے کہ خزم سے مشتق ہے جو کہ موتی پر ونا اور صلاحیت
 پیدا کرنا کے معنی دیتا ہے۔ اور کچھ لغت والوں نے خزامہ تصغیر بتلا کر معنی کیا
 ہے۔ بالوں کا حلقہ جو اونٹ کی ناک میں مہار باندھتے وقت ڈالا جاتا ہے۔
 علامہ محبت الدین بن شہاب الدین اپنی کتاب "الغیر المضعفہ" میں ذکر فرماتے ہیں کہ
 علمائے کرام خزیمہ کو اسم منقول بتلانے میں بہت وجوہات بیان کرتے ہیں اور میں نے
 کبھی نہیں دیکھا کہ وجہ مناسبت میں کسی نے تعرض بھی کیا ہو۔ البتہ توں کہہ دیا جاتا ہے کہ
 مناسبت ملحوظ خاطر صرف نقل اسماء میں ہوتی ہے۔ نقل القاب میں نہیں ہوتی۔
 (والشء اعلم بالصواب)

جناب خزیمہ کی کینت ابواسد ہے۔ والدہ کا نام سلمی بنت سلمہ بن الخاف بن
 قفاع ہے۔

مکارم اخلاق عزت و اقامت دار حاصل تھا۔ لوگوں نے آپ کی مدح میں بہت قصائد
 لکھے ہیں۔ جنہیں اختصار کے پیش نظر ترک کر دیا گیا ہے۔ شوق و ذوق کی تسکین
 ملحوظ ہو تو دیکھا کیجئے فتح القوی مصنف مخدوم ٹھٹھوی۔

علامہ شامی سیرت میں فرماتے ہیں ابن صیب جتہ سند کے ساتھ حضرت ابن عباس
 سے روایت فرماتے ہیں کہ جناب خزیمہ کا انتقال ملت ابراہیمی پر ہوا۔ آپ کی چار اولادیں
 ہیں۔ کنانہ، اسد، اسدہ اور ہمہون۔

علماء کرام اس بحث میں بہت کچھ سوال و جواب کی شکل میں کہتے آئے ہیں جو کہ
 اختصار پسندی، انہیں ہم نے ذکر نہیں کیا ہے۔

ابن مُدْرِكَة ۔

میم پر پیشی وال پر جزم اور رائے مکسور ہئے آخر میں کاف زیر والا اور ہٹے وقف ہئے۔ مصدر اور اک سے اسم فاعل مُدْرِكَة کا اسم منقول ہئے۔ بخترت علمائے کرام، حلبی و بلاذری، قاسم بن سلام، ابن ورید اور مبرد کی تحقیق کے مطابق بقول صحیح مُدْرِكَة کا نام ”عمرو“ ہئے اور کنیت ابو نذیل ہئے۔ مُدْرِكَة لقب ہئے اس میں دو وجوہ بیان کئے جاتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

وجہ اول ۔ آپ نے ہر اس شرف و عزت کو اپنا لیا تھا جو کہ آپ کے آباؤ اجداد میں موجود تھا۔

وجہ دوم ۔ حضرت ایاس کے تین بیٹے تھے عمرو۔ عامر۔ عمیر، ایک دن تینوں بیٹے اپنے اپنے اونٹ لے کر جنگل پہنچے کہ چل دیئے خرگوش ظاہر ہوا اونٹ ڈر کے مارے بھاگے ان تینوں نے خرگوش کو پھڑنا چلا چنانچہ عمرو نے اس خرگوش کو جالیا اور عامر نے اس کا گوشت پکایا اور عمیر نے القماح کیا یعنی وہ تہا پھڑ کر بیٹھ رہے اور رک گئے جب وہ تینوں بیٹے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا بیان کرنے لگے تو باپ انہیں ان کی کارکردگی کے مطابق نام دیتے رہے۔ چنانچہ اول کا نام مُدْرِكَة دوم طباخہ اور سوم تموع نام لے بیٹھے آپ کے دو بیٹے تھے۔ خزیمہ اور زُندیل (لذا ذکرہ ابن اسحاق) ابن ایاس ۔ ایاس کے ہمزہ میں اختلاف واقع ہئے۔

علامہ ابن انباری فرماتے ہیں کہ زیر بحث ایاس بروزن نعیال میں ہمزہ کو زیر سے بڑھا جا لگے۔ اسی وزن میں تمام اسم مکسور الغاء واقع ہوئے ہیں۔ اسی سے مشتق ہئے ہمزہ اور لام دونوں پر زیر ہو تو اس کے معنی ہیں عقل کا ضعیف ہونا۔ وجہ تسمیر میں کہا جا لگے بعض اہل عرب اپنی اولاد کے نام میں حقارت کو پیش نظر رکھا کرتے ہیں جیسا کہ غافل۔ اشم۔ کلب اور حمار وغیرہ تو یہ نام ایاس یعنی ضعیف العقل، اسی زمرہ میں سے ہئے۔

وجہ دوم جب ایاس بروزن افعال ہو تو ”لئیس“ لام اور یاء پر زیر کے ساتھ

معنی بنتا ہے۔ استقامت اور میدان جنگ میں ثابت قدم رہنا جیسا کہ عرب کلمے کہتے ہیں۔ دَجُلٌ أَيْسُرٌ لَمْ أَشْجَعُ لَا يَفِيءُ اِيسا بہسا اور انسان جو کہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہے اور بھاگنے نہ پائے۔

بعض علماء کرام کی تحقیق کے مطابق اِیَّاس میں پہلا ہمزہ پر زبر ہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پہلا ہمزہ وصل کا ہے جو کہ درج کلام میں گرجا ہٹے۔ بعد ازاں تعریف والے پر زبر پڑھی جاتی ہے۔

علامہ ہبیل اور علامہ چلیپی اس قول کو صحیح قرار دیتے ہیں اور اسے جمہور کا مذہب بتلاتے ہیں۔

درج مذکور تحقیق کے مطابق اِیَّاس دراصل "یاس" ہے جو کہ "رجاء" کا متضاد ہے اور دلیل میں کہا جاتا ہے کہ آپ کے والد محترم جناب مُضَرِّسْنِ رَمِیدہ ہو چکے تھے اولاد سے نا اُمید سی ہو چکی تھی۔ الشَّدْرَتِ الْعَالِیْنِ نے اپنے کرم کے صدقہ ایک بچہ عنایت کیا تو باپ نے اس کا نام "ایاس" رکھ دیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ایاس میں الف لام تعریف کا ہو تو اس کا اصل "یاس" قرار پاتا ہے جس کے معنی ہیں "سل کی بیماری" جو کہ آنتوں اور پھیپھڑوں میں زخم کر دیتی ہے۔ ایاس بن مُضَرِّسْنِ بھی اخیر عمر میں اس بیماری "مرض سل" سے مُبتلا ہو گئے اور وفات پائی۔ (إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)

سوال :- نام اول عمر میں رکھا جاتا ہے جبکہ مرض سل اخیر عمر میں لاحق ہوا وجہ تسمیہ کیونکر درست ہوگی؟

جواب :- ممکن ہے کہ اول عمر میں ماں باپ نے کوئی نام متعین کیا ہو جو کہ مٹ کر رہ گیا ہو اور اخیر عمر میں بوجہ سل مرض "ایاس" کے نام مشہور ہو گئے ہوں جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ سے اول کوئی شخص نہیں مل پایا جو کہ اس مرض سل میں بیمار ہو کر فوت ہوا ہو۔ اور یہ ایاس ہی پہلا شخص ہے جو کہ اس موزی مرض میں فوت ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا نام "ایاس" زبان زد عوام و خواص ہو گیا۔

آپ کی کنیت ابو عمرو ہے والدہ کا نام جناب معد بن عدنان کی اولاد کی نسبت کے نام "معدیہ" ہے۔

جناب الیاس اپنی قوم اور اپنے قبیلہ کے سردار تھے عرب والے آپ کے صلاح و مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کیا کرتے تھے۔

تمام اہل عرب آپ کی دانش مندی کے معترف تھے اور تعظیم بجالاتے جیسا کہ لقمان حکیم، حکمت و علم اور ثنائی و دانشوری کے سبب اپنی قوم میں قابل تعظیم سمجھے جاتے ہیں بلو جو دیکھ آپ کی قوم بنی اسرائیل نے آباؤ اجداد کے رسم و رواج میں تغیر و تبدل کر دیا تھا۔

جناب ہیل نے روضۃ الالف میں فرمایا کہ ہمارے پاک پیغمبر نے فرمایا الیاس کو برا بھلا نہ کہا کرو کیونکہ وہ میں ہے۔

حضرت الیاس کے تین بیٹے تھے ایک عمر و لقب مدکہ دوسرے عامر لقب طباح ہے اور تیسرے عمیر ہیں ان کا لقب قمر ہے۔

ابن مضر، میم پر پیش اور ضاد مجہر پر زبر ہے "ماضی" سے معدول ہے جس طرح عمر عامر سے اور زفر زافر سے معدول ہے اور غیر منصرف کے دو سبب موجود

ہیں "علم اور عدل" الیٰذا مضر غیر منصرف ہے مضر لقب ہے اور نام عمرو ہے۔ علامہ قتبی فرماتے ہیں کہ مضر، مضیر سے مشتق ہے مضیرہ کے معنی ہیں ایک قسم کا کھانا

جو کھٹے دودھ سے ڈر کیا جاتا ہے جناب عمر و کا لقب مضر مشہور ہو گیا صرف اس لئے کہ آپ کھٹے دودھ کی طرح سفید فام تھے۔ یا اس لئے کہ آپ اپنے خاندان میں ترش رو ہونگے۔ (والثرا علم بالصواب)

فیذا آپ کو حمر کی طرف اضاقت کے بطور مضر الحمر بھی کہا جاتا ہے علامہ کوام بختیہ جوہات لکھ جاتے ہیں مگر میں نے بوجہ اختصار انکا ذکر چھوڑ دیا ہے۔

جناب مضر کی کنیت "ابوالیاس" ہے والدہ کا نام سوہ بنت عمک بن عدنان ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جدی جو ایک راگ کا نام ہے جس کی تخلیق جناب مضر

نے فرمائی ہے۔ اس راگ کو سن کر اونٹ مستی پھرتے ہیں۔ اطاعت و القیاد کے ساتھ ساتھ تیز رفتار ہو جاتے ہیں اور آج تک یہی راگ میدان جنگ میں بھی گایا جاتا ہے۔
 وصایا مبارک : زراعت پیشہ لوگوں کو چاہیے اونٹوں سے پیار کریں۔ ملت
 ابراہیمی کو دنیا کے عالم میں رواج دیا اور ان کی شریعت کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے میں
 جناب مضر کا بہت کچھ حصہ ہے۔

ابو عبیدہ البکری نے فرمایا کہ مضر کی قبر روجاء میں موجود ہے جو کہ زیارت گاہ ہے
 اور روجاء مدینہ طیبہ سے دو منزل دور ہے۔ (چلیپی و شامی)
 حدیث پاک میں آیا ہے کہ ربیعہ اور مضر کی بدگوئی نہ کیا کرو وہ دونوں مسلمان تھے۔
 حضرت سعید بن مسیب ایک مضبوط سند کے ساتھ راوی ہیں کہ پیغمبر خدا
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مضر، ملت ابراہیمی پر تھے۔ اور جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما
 فرماتے ہیں کہ اؤڈ جو کہ عدنان کے باپ ہیں اور معد، ربیعہ، مضر، قیس بن عیلان
 تیمم بن اسد، ضمہ اور خزیمہ رضوان اللہ علیہم، یہ سبھی لوگ مومن مسلمان تھے اور
 ملت ابراہیمی کے پیروکار تھے۔ (روض الفلک للہبیلی)

ابن زرارہ۔ نون کے بیٹے زرارہ معجز پر زبیر ہے نزر سے مشتق ہے جس کے
 معنی ہیں "قلیل اور تھوڑا تھوڑا ہونا"

جو دو عطا میں اس زمانہ میں جناب زرارہ کی نظر و مشال نہ ملا کرتی تھی اسلئے آپ کو
 زرارہ کا لقب دیا گیا۔ حضرت سہیل فرماتے ہیں جب زرارہ پیدا ہوئے تو نور نبی از اصلاب
 ما اصلاب منتقل ہوتے ہوئے جناب زرارہ میں نمودار ہوا آپ کے والد اس چمکدار نور
 مبارک کو دیکھ کر خوش ہوئے اور ایک ہزار اونٹ اس خوشی میں ذبح کر ڈالے۔ لوگوں
 کو کھانا کھلایا اور لوگوں نے حضرت معد بن عدنان (والد زرارہ) کو امراف اور مال ضائع
 کر دینے کا طعنہ دیا تو آپ نے جواب دیا ایسے سعادت مند بیٹے کی پیدائش
 کی خوشی میں صرف ایک ہزار اونٹ کی قربانی کچھ زیادہ نہیں یہ تو قلیل نذر ہے اس
 وجہ سے بھی آپ کا لقب زرارہ پڑ جانے کا امکان بجا ہے۔

ابوالحسن ماوردی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب اعلام النبوة میں فرماتے ہیں جناب نزار
میں شوکت و قدرت اور ہیبت و جرات فراوان تھی مگر آپ کا جسم و بدن لاغر اور کمزور
تھا۔ فارس کے بادشاہ جب آپ کو ملے تو گویا ہوئے "اے نزار ترا چہرہ است"
اے لٹنے کمزور ہو تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ فارسی میں کمزور و لاغر شخص کو نزار بھی کہا
جاتا ہے ممکن ہے اس وجہ سے بھی نزار میں شہرت پائی ہو۔ نام نامی "خلدان" ہے
مگر لقب نزار غلبہ کر گیا۔

والدہ کا نام جریمہ ہے آپ پہلے شخص ہیں جس نے عربی زبان میں کتاب لکھی جناب
نزار کی چار اولادیں ہیں۔ مضر۔ ربیعہ۔ ایاد اور انماذ (کذافی سیرت ابن ہشام)
ابن معد۔

میم اور عین پر زبر وال محمد پر شد ہے یہ اسم منقول ہے اور اس کی نقل میں
بخرت و جو پایا ہے جلتے ہیں۔

دبیر اول۔ مَعْدُ بَرُوزِنُ مَفْعَلٌ، فَعْدُ سے نکلے جس کے معنی ہیں گتھی
کونا۔

وجہ دوم۔ عَدَّةٌ سے نکلے جس کا معنی ہیں گھوڑے پر سوار ہوتے وقت قدم کی جگہ
بھی وجہ ہے کہ زین کے دونوں طرف، دونوں پاؤں کو مَعْدِنِ کہتے ہیں۔
وجہ سوم۔ تَمْعَدُؤُ سے ماخوذ ہے جو کہ قوت و قدرت کے معنی دیتا ہے۔
وجہ چہارم۔ روضۃ الصفا میں لکھا ہے معنی تروتازگی اور ہر چیز کا شباب
ہے۔ وجہ مناسبت ظاہر ہے چنانچہ وجہ آخر میں کہا جا سکتا ہے آپ کشادہ پیشانی
اور خوب رو تھے۔ اس لئے آپ کا نام مشہور ہو گیا "مَعْدُ"

فتح القوی میں لکھا ہے کہ جناب معد کی کیفیت ابو قضا عریا ابو نزار ہے۔ والدہ
کا نام ہمدنہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ آپکی والدہ کا تعلق طیم بن لاو بن سام بن نوح علیہ السلام (کذافی ابن ہشام)
علمائے کرام اور مؤرخین میں اختلاف پایا جا سکتا ہے باین طور کہ حضرت معد سیدنا
موسیٰ علیہ السلام کے دور میں نہیں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں۔

علامہ ابن حجر الصقلانی نے متعدد جود سے قول اول کو راجح قرار دیا۔ چنانچہ اختصار اور تکرار سے اجتناب کی بنیاد پر اس رسالہ میں یہ بحث ترک کر دی گئی ہے۔
 علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جناب معد بن عدنان کثیر الأولاد تھے۔
 علامہ عبد الملائک بن حبیب فرماتے ہیں کہ معد کی سترہ اولادیں ہیں جن میں سے آٹھ لڑکوں کی نسل و نسب چلی ہے مگر نو شخص اس دنیا سے لا ولد ہو کر گئے۔ آٹھ بچوں کی اولاد ابھی جاری ساری ہے۔ اور وہ فصیح ذیل ہیں۔

قضاء - نزار - ایاد - نیدان - عبید - جتید - سلیم اور قیس رضوان اللہ علیہم
 یہ آٹھوں میں کی طرف قلب مکانی کر کے چلے گئے۔ مؤرخین، قضاء کو معد بن عدنان کا بیٹا قرار دینے میں اختلاف رکھتے ہیں وَاللّٰہُ اعْلَمُ بِالصَّوَابِ
 علم نحو میں ہے کہ "معد، قریش اور ثقیف" کو بطور غالب الاستعمال مذکر منصرف دونوں طرح پڑھا جاتا ہے یعنی یہ تینوں الفاظ جب قبائل میں استعمال ہوں تو مذکر و منصرف بطور غالب استعمال ہوں گے اور جب یہی اسماء، اشخاص پر اطلاق کئے جائیں تو پھر انہیں مذکر و منصرف پڑھنا لازم ہو جاتا ہے۔
 ابن عدنان :-

عین پر زبر اور ذال مہملہ پر جزم ہے۔ دونوں کے درمیان الف زائد ہے بوجہ الف و نون زائدتان، عدنان غیر منصرف ہے۔ عدن سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "کسی جگہ اقامت پذیر ہونا" عرب کے لوگ کہتے ہیں "عَدَنَ الْوَجِلُ بِالْمَكَانِ اِیُّ قَامَ بِہٖ" یعنی شخص نے کسی جگہ اقامت کر لی۔

منقول ہے کہ حضرت عدنان پہلے شخص ہیں جنہوں نے خانہ کعبہ کو غلاف پہنایا ایک دن جناب عدنان کہیں چلے جا رہے ہیں کہ اسی (۸۰) آدمی دشمنی کی نیت سے آپ پر حملہ آور ہوئے آپس میں سخت معرکہ ہوا۔ گھوڑے سے اتر کر ہیراڑ کی چوٹی پر تشریف لے گئے مگر یہودیوں نے وہاں تک پیچھا کیا تو عدنان نے بارگاہِ الہیہ النجا کی اور اچانک غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوا جس نے حضرت عدنان کو محفوظ مکان تک

پہنچا دیا اور دشمنوں کو ایک بولناک آواز سنائی دی وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے چنانچہ پیغمبر کے معجزوں میں سے یہ بھی ایک معجزہ قرار دیا جاتا ہے۔

شیخ اصفہانی اپنی تصنیف روضۃ میں ذکر فرماتے ہیں کہ درج بالا واقعہ کو معجزہ کا نام دینا ان لوگوں کی تجویز ہے جو کہ بعثت اور ظہور سے پہلے بھی معجزہ صادر ہونے کے قائل ہیں۔ جب کہ دوسرے لوگ اسے کرامت کا نام دیتے ہیں۔

عدنان کے سات بیٹے ہیں معد۔ وبت۔ ابی۔ ابی۔ معد حرث اور ذہب ساتویں بیٹے خوبصورتی میں سونے کے مشابہ تھے اس لئے ان کا نام ذہب رکھا گیا ذہب سونے کو کہتے ہیں جیسا کہ عرب کا قول ہے کہ "فَلَاوَنُ اجْمَلُ مِنَ الذَّهَبِ" فلاں آدمی سونے سے زیادہ خوبصورت ہے۔

حافظ ابوالقاسم سہیلی اپنی تصنیف میں فرماتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عدنان کی اولاد میں ایک بیٹا ضحاک نامی تھا جب کہ دوسرے علماء کرام کے نزدیک یہ بات غلط ہے بلکہ ضحاک، معد کے بیٹے ہیں۔ عدنان کے بیٹے نہیں ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

حافظ محمد بن علی توزری قصیدہ شمر اطیسہ میں شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں عجمی نام جو صرف چار یا اس سے زیادہ حروف پر مشتمل ہو تو وہ اسم بلاخلاف غیر منصرف ہوتا ہے اس میں دو سبب ہوتے ہیں علم اور معرفہ اور اگر عجمی نام، تین حروف والا ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ درمیانی سرف متحرک ہو تو وہ غیر منصرف اور اگر درمیانی حرف ساکن ہو جیسا کہ نوح ہو وغیرہ تو اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مشہور مذہب یہ ہے کہ وہ منصرف ہوتا ہے (شرح جامی اور ہدایۃ النحوی)

ابن اذہ

ہمزہ پر پیش اور وال مہملہ پر شد ہے۔ حافظ ابو عمرو بن عبد البر فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کرام نسلدین کے نزدیک عدنان بن اود مشہور ہے مگر ایک جماعت کہنلہ نے عدنان بن اود بن اود بنے۔ علامہ محب الدین بن الشہاب الدین بن ہاشم غر المرضیہ میں فرماتے ہیں اذ اور اود کا مادہ اشتقاق ایک ہی ہے۔ (کنز ذکرہ الشاہ)

آپ کی والدہ نجابت عمرو بن تبع اسعد بنے۔ جو کہ حمیر بن سبا کی اولاد سے ہے۔
ابن اُود۔

ہمزہ پر پیش اور اس کے بعد دو، فال ہیں جبکہ پہلا وال زبر والا ہے اود کے
مادہ میں بہت سے اقوال پائے جاتے ہیں جو کہ مدح ذیل ہیں۔

قول اقل اُود۔ بروزن فُعل یہ اسم منصرف ہے اس لئے کہ یہ اسم سرر کے ہونے
ہے اور اود، عمر کی طرح معدول نہیں ہے کیونکہ یہ اسم منصرف بھی اسی طرح ہے۔

قول دوم اود، اود سے ماخوذ ہے ہمزہ زبر والا اور زبر والا دونوں طرح ہے۔ معنی
دشوار اور گران معاملہ قرآن مجید میں آئے۔ وَلَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِذَا فِي تِهَابٍ
پاس گران چیز لے کر آیا ہوں۔ شاذ قرأت میں اود پر ہمزہ مفتوح بھی پڑھا جاتا ہے مگر
مفتوح یا مکسور دونوں حالتوں میں معنی یکساں رہتا ہے۔

قول سوم۔ اُود، اود سے ماخوذ ہے بروزن مدّ معنی ہیں۔ دراز کرنا۔ اہل عرب کہتے ہیں
”أَدَّتِ الثَّوْبَ أَيْ مَدَّدَتْهَا“ میں نے کپڑا پھیلا دیا۔

قول چہارم۔ باہر جانا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، مقولہ ہے ”أَدَّتِ الْإِبِلُ
أَيُ أَخْرَجَتْ“ اونٹ باہر نکال دینے کے ہیں۔ یہ اسم منقول ہے لہذا وجہ مناسبت
بھی بنائی جاسکتی ہے۔

آپ کی والدہ کا نام خیمہ ہے بنی قحطان قبیلہ سے تعلق ہے ”خیمہ“ میں حاء
پر زبر اور یائے مشدود پڑھی جاتی ہے۔

صرف دو عورتوں کے نام قدرے مختلف ہیں ایک یحییٰ بن اکثم کی بہن ہے۔
نام ہے ”خیمہ“ خاتمے معجزہ اور نون دوسری مریم بنت عمران کی والدہ جس کا نام ”خیمہ“
ہے۔ حائے پر زبر اور نون پر شد ہے۔

ابن الیسع۔ آپ بنی مرسل ہیں اقل میں ہمزہ وصل کلرے جو درج کلام میں گھر
جاتا ہے۔ اور اس ہمزہ پر زبر پڑھی جاتی ہے۔

الیسع عجمی نامہ نے غیر منصرف ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے یہ عربی نام ہے۔
 وسعت سے مشتق ہے۔ فراخی اور فراخ دستی کے معنی دیتا ہے۔ چونکہ آپ میں
 علم ربانی وسعت سے پایا جاتا تھا نام الیسع مشہور ہو گیا اور اگر "سع" مادہ قرار دیا
 جائے تو امور حقہ میں کوشاں ہونے کے باعث الیسع کے نام سے شہرت پائی۔

ابن ہمیسع۔ مٹے ہملہ اور میم دونوں پر زبر اور یلٹے تختانیہ پر جزم ہے۔ بعض
 علمائے کرام مٹے ہملہ پر پیش پڑھتے ہیں جبکہ اول صواب ہے۔
 ہسلی فرماتے ہیں ہمیسع بمعنی زاری نضرع آتا ہے آپ کی والدہ کا نام عاترہ بنت
 مرداس بن زرعہ ہے جو کہ قبیلہ بنی حمیر سے ہے۔

ابن سلمان۔ علامہ شامی فرماتے ہیں سلمان کا معنی و مطلب مجھے کسی
 تاریخ و لغت میں نہیں مل سکا۔

ابن نبت۔ نون پر زبر ہے اور کچھ لوگ "نابت" پڑھتے ہیں امیر ابو نصر بن ماکولاء
 نبت کو سلمان پر مقدم لاتے ہیں۔ لیکن علامہ جوانی کتاب نسب میں، حافظ ابن الجوزی
 تلمیح میں سلمان کو پہلے اور نبت کو بعد میں لاتے ہیں۔

آپ کی والدہ کا نام ہاتمہ بنت زید بن کہلان بن سباء بن یثرب بن قحطان
 ہے۔

ابن حمبل۔ حا اور میم پر زبر اور اخر میں لام واقع ہے۔ والدہ کا نام عاترہ بنت ملک
 جزم ہے۔

ابن قیندار۔ ذال معجرہ کے بعد الف آتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک بغیر الف بھی
 ہے یعنی ذال پر زبر اور پیش دونوں پڑھے جاتے ہیں۔ علامہ ابو القاسم عبد الرحمن ہسلی
 فرماتے ہیں۔ قیندار اونٹ والے کو کہتے ہیں و جب تسمیہ میں کہا جاتا ہے کہ حضرت اسمعیل
 اونٹ والے (ساربان) تھے اور قیندار کے معنی بادشاہ بھی ہیں چونکہ قیندار اپنے
 زمانے میں بادشاہ تھے۔

علامہ جوانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کی اولاد میں کے

اطراف و جوانب میں پھیل گئی اور بہت لوگ فوت بھی ہو گئے اور نسا میں نے ان کی اولاد در اولاد تک کا ذکر نہیں کیا صرف جناب قینار کی اولاد باقی رہ گئی تو رب العالمین نے آپ کی اولاد کو ہر طرف زمین کے کونے کونے میں بسا دیا اور انہوں نے اپنے باپ کی زبان عربی سیکھ لائی۔ اس وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ جناب قینار "ابو العرب" ہے۔

آپ کی والدہ کا نام، ہارہ بنت حرت بن مضاض جرمی ہے۔

ابن اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

اسمعیل کے معنی "مطیع" کے ہیں اور قاسم لغت کی کتاب میں لکھا ہے کہ اسمعیل بنی آدم میں پہلا شخص ہے جو اس نام سے موسوم ہے صرف فرشتگان میں اسمعیل نامی ایک فرشتہ پایا جاتا ہے جو کہ امیر الملائک ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اسمعیل نامی فرشتہ زمین میں رہنے والے فرشتگان کا امیر ہے۔ واقعہ معراج الرسول میں اس فرشتہ کا ذکر ملتا ہے۔

الشد رب العالمین نے جناب پیغمبر سیدنا اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، جرم کے بہالوں اور عمالیق قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا۔ ان میں سے کچھ ایمان لے آئے اور بہت کچھ کافر رہ گئے۔ جرم ایک قبیلہ ہے جرم کے نام پر اپنے واوا سے نسبت ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ جرم بن قحطان بن عامر بن شامخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح۔

عمالیق۔

عملیق بن لاو بن سام بن نوح کی اولاد میں اور اسمعیل نے لکھا ہے کہ عمالیق مصر کے بادشاہوں میں سے ہیں جنہیں فرعون کہا جاتا ہے جیسا کہ فرعون لعین کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام ان کے زمانے میں معوث ہوئے تھے۔

اور فرعون کا نسب۔ ولید بن مصعب بن عمرو بن معویہ بن راسد بن معویہ بن عملیق بن امام بیہقی، ابو فہم اور ابن ہشام، حضرت اسمعیل علیہ السلام کا حلیہ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا اسمعیل علیہ السلام، سفید رنگ، نائل بصری، ناک بلند اور اچھے قد و قامت

والے تھے اور آپ کے چہرے پر نور نبوت چمکتا تھا۔ خشوع و خضوع آپ میں بجزرت پایا جاتا تھا۔ حضرت اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے والد محترم سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔

خصوصیات :- آپکی دس خصوصیات تھیں جنہیں صاحب مطلع اور دوسروں نے بیان کیا ہے۔

۱۔ آپ کی بولی عربی تھی۔ امام حاکم مستدرک میں حضرت عباس کی روایت بیان فرماتے ہیں کہ آپ پہلے شخص ہیں جس نے عربی زبان میں کلام فرمایا۔

۲۔ سیدنا اسمعیل علیہ السلام، نور محمدی کے مرکز تھے۔

۳۔ اپنے والد محترم کی سب سے بڑی اور پہلی اولاد تھے۔

۴۔ بیت اللہ شریف کی تعمیر میں اپنے والد صاحب کے ساتھ ساتھ رہے۔

۵۔ عرب کے تمام نسب و نسل کا آخری مرجع حضرت اسمعیل ہیں۔

۶۔ بوقت امتحان آپ نے فصح ہونے کیلئے اپنی گردن رکھ دی

۷۔ اور اس میں شک نہیں کہ قربانی کا معاملہ مکہ معظمہ میں پیش آیا۔ اس لئے مکہ شریف

میں دسویں ذی الحج کو منی میں قربانی دی جاتی ہے۔ اور رمی جمرات کی رسم یادگار منائی

جاتی ہے۔ صفا و مروہ کے درمیان دوڑ لگائی جاتی ہے۔ اور یہ سعی، سیدہ ماجرہ

کی یادگار ہے۔ اندرین حالات معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ماں بیٹا

(ماجرہ اور اسمعیل) مکہ شریف میں مقیم تھے نہ کہ شام میں۔

آپ کی والدہ صاحبہ کا نام ماجرہ ہے جو کہ خاتون اول سارہ کی باندی تھی۔ سیدہ سارہ نے

اپنی باندی ماجرہ اپنے خاوند حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کر دی تھی۔

یاد رہے کہ ماجرہ کسی قبیلے جابر بادشاہ کی لڑکی تھی۔ حضرت ماجرہ کی والدہ مصر کے قریب

ایک بستی "خضن" کی رہنے والی تھی۔

۸۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمعیل علیہ السلام کو "وَفَدَيْنَاهُ بِذَبْحٍ عَظِيمٍ" سے خلعت

بخشی۔

۸۔ ہمارے پاک پیغمبر کو حضرت اسمعیل علیہ السلام کی اولاد سے منتخب فرمایا۔

۹۔ حضرت اسمعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر نبی پاک نے فرمایا اور فخر کا اظہار کیا ہے۔ "اَفَا بِنُ الذَّنْبِ يُنْحَتِينَ" میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔

۱۰۔ اللہ رب العالمین نے قرآن مجید میں حضرت اسمعیل علیہ السلام کو بارہ نام دیئے۔ غلام۔ علیم۔ حلیم۔ مستم۔ مستسلم۔ آمر۔ مرضی۔ صادق الوعد۔ رسول نبی۔ مذکور اور صابر علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

علامہ چلیپی سیرت میں لکھتے ہیں سیدنا اسمعیل علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو آپ کے والد محترم کا بڑھاپا تھا عمر میں قدرے اختلاف ہے۔ بروایت اول چھیا سی سال اور دوسری روایت میں آپ کی عمر ستر سال بتلائی گئی ہے۔

روضۃ الصفا میں آئی ہے جب سیدنا اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ کے والد محترم کی عمر مبارک سو سال تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا اسمعیل علیہ السلام اپنے بھائی اسحاق علیہ السلام سے صرف تیس سال اور بقول دیگر چودہ سال بڑے تھے اور بس۔

سیرت چلیپی میں لکھا ہے کہ دونو بھائی اپنے والد محترم کی زندگی میں منصب نبوت پر فائز ہو چکے تھے۔ سیدنا اسمعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے صرف ایک نبی ہوئے۔ امام مبارک ہے سیدنا محمد رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس لئے ابن کثیر اور دوسرے پیغمبر علمائے کرام کا فیصلہ ہے کہ سیدنا اسمعیل علیہ السلام کے بعد عرب میں صرف ہمارے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور بس۔

سوال ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے پیغمبر علیہ السلام کے درمیان حضرت اسمعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے خالد بن سنان علیہ السلام نبی بن کر تشریف لائے تو ابن کثیر کا فیصلہ کیونکر صحیح ہوگا؟

جواب ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری المسمی بفتح الباری میں فرماتے ہیں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ عیسیٰ اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ دریں حالت قدح بالا سوالیہ روایت قابل اعتماد نہیں رہتی۔

سوال۔ ابن کثیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ عرب میں اسمعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے سوائے پیغمبر آخر الزمان کے اور کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا جبکہ اس کے برعکس ایسح علیہ السلام پیغمبر تھے اور سیدنا اسمعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔
جواب۔ ایسح کی مستقل نبوت نہ تھی وہ تو اپنے پیشرو نبی پاک کی شریعت کی اتباع کیا کرتے تھے۔ ابن کثیر کی مراد ہے کہ "مستقل شریعت والا نبی" نہیں ہے۔

منقول ہے کہ سب سے اول جس شخص نے گھوڑوں پر سواری فرمائی وہ حضرت اسمعیل علیہ السلام ہیں آپ کے سوار ہونے سے پہلے گھوڑے، وحشی تھے سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں گھوڑوں پر سواری کیا کرو کیونکہ گھوڑے، تمہارے باپ سیدنا اسمعیل کی میراث ہیں۔

تفسیر عرائس البیان اور سیرت چلبی میں مذکور ہے حضرت اسمعیل علیہ السلام کی خصوصیات میں شمار کرنا، گھوڑوں کی سواری، تیر اندازی اور کشتی گری کو شمار کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ۔ جاننا چاہیے کہ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف "مسائل الحنفیہ" میں واقفی سے ابن سعد کی روایت فرماتے ہیں سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اولاد نہ مل سکی۔ دریں اثنا حضرت ماجر نے حضرت اسمعیل علیہ السلام کو جنم دیا۔ سیدہ سارہ کو بے حد غیرت ہوئی اور آپ نے قسم کھالی کہ حضرت ماجرہ کے تین عضو کاٹ لوں گی۔ بہرینہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سفارش کی قبول نہ ہوئی تو قسم کی ادائیگی ہوئی۔ باین صورت کہ ماجرہ کے دونوں کان چھید لئے جائیں اور اس کا خنڈ بھی کر دیا جائے۔ سیدہ سارہ نے اپنی قسم درج بالا طریق سے درج تکمیل تک پہنچائی۔ تب سے عورتوں کے دونوں کان چھیدے جلتے ہیں اور ان کا خنڈ بھی کیا جاتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سیدہ سارہ کی غیرت و رشک روز بروز زیادہ ہوتی رہی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ آپ براق پر سوار ہو کر حضرت

اسماعیل علیہ السلام کو آگے بٹھا دیں اور حضرت ہاجرہ کو پیچھے سوار کریں حضرت اسماعیل علیہ السلام ابھی شیر خوار تھے۔ اور جبرائیل علیہ السلام ہمراہ تھے۔ چلتے چلتے مکہ شریف پہنچے وہاں خاردار کیسکے درخت تھے جگہ بالکل ویران تھی۔ خانہ کعبہ کے آثار بٹ چکے تھے۔ صرف بلندی اور سیدہ کی شکل میں آثار باقی بچے جاتے تھے۔ کوئی آبادی نہ تھی۔ انسان حیوان کوئی موجود نہ تھا۔ عمالیق قبائل اس زمانے میں عرفات میں اقامت پذیر تھے۔ سب سے پہلے مکہ شہر میں حضرت ہاجرہ اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام نزول فرما ہوئے۔ کھانے پینے کی چیزیں نہ تھیں۔ زمزم کے قریب بیت اللہ کے ٹیلے پر چڑھ کر بیٹھ گئے یہاں اسوقت نہ کوئی آبادی تھی نہ کوئی چشمہ نہ پانی۔ صرف ایک ٹھن میں کھجوریں اور ایک برتن میں تھوڑا سا پانی دے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں ماں بیٹا کو اکیلا چھوڑ کر واپس ہوئے اور واپس جاتے وقت مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ بی بی ہاجرہ نے عرض کیا۔ میرے سرتاج آپ کہاں جاتے ہو اور اس فادی میں بے امنی و رفیق کیوں چھوڑے جاتے ہیں مگر آپ نے کچھ جواب نہ دیا اور نہ ان کی طرف توجہ فرمائی۔ بی بی صاحبہ نے پھر کہا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے حکم دیا ہے آپ نے فرمایا جی ہاں! اسوقت سیدہ ہاجرہ کو اطمینان ہوا اور عرض کیا ہم راضی برضا ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں ہونے دیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے گئے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہِ خدا میں ہاتھ اٹھائے۔ دعا کی اور بروایت دیگر ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی!

فَرِيَا: رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادِرَ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ

لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الشَّجَرِ

لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ۔ (ابراہیم رکوع ۱۸ پارہ ۱۳)

اے میرے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد ایک لمبے میں بسائی جس میں کھیتی نہیں ہوتی تیری حرمت والے گھر کے پاس۔ اے میرے رب اس لئے کہ وہ نماز قائم کریں تو تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں کچھ پھل کھانے کو دے شاید وہ احسان مانیں۔

حضرت ہاجرہ اپنے فرزند اسمعیل علیہ السلام کو دودھ پلانے لگیں اور وہ پانی بھی ختم ہو گیا۔ پیاس کی شدت ہونے لگی۔ صابریہ کے کاحلق پیاس کی شدت سے خشک ہو گیا تو آب پانی کی تلاش اور آبادی کی جستجو میں صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا شروع کر دیا۔ وہاں نہ کوئی انسان نہ آبادی نہ پانی ملا۔ ایسا کرنے سے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا سنت ہاجرہ اور ان کی یادگار ہے۔ جب ہاجرہ ناامید ہو کر واپس آئیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے بلایا آب فرشتے کے پر مارنے سے اور بروایت دیگر، خود حضرت اسمعیل علیہ السلام کے قدم مبارک رگڑنے سے اس خشک زمین میں سے ایک چشمہ نکل آیا۔ نام رکھا گیا "زمزم" حضرت ہاجرہ ڈر گئیں مبادا پانی ضائع نہ ہو جائے۔ اپنی اڑھی رکھ دی اور فرماتی رہی تھیں "زم زم" کہ جا اے پانی رک جا سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے آواز دی کہ فرمت کیجئے۔ آپ کے خاوند حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کا بیٹا بڑا ہو کر دونو باپ بیٹا، بیت اللہ شریف کی تعمیر کریں گے۔ جب حضرت ہاجرہ نے زم زم کا پانی پیا اس کے پینے سے دودھ وافر مقدار میں آنے لگا۔ حضرت اسمعیل علیہ السلام کو پانی پلایا، پانی نہایت میٹھا تھا اور طعام و شربت کا نعم البدل تھا۔

قبیلہ جرہم کے دو آدمیوں نے اپنے گمشدہ اونٹوں کی تلاش میں وہاں سے گزرتے ہوئے ایک پرند کو دیکھا تو انہیں تعجب ہوا کہ یہاں پرندہ کیسے زمین پر اتر رہا ہے۔ شاید کہیں چشمہ ابل پڑا ہے۔ جستجو کی جبل ابو قیس پر چڑھ گئے تو دیکھا زمزم چشمہ نکل رہا ہے۔ وہاں آئے اور حضرت ہاجرہ سے پانی میسر آنے کی کہانی سنی خود بھی پانی پیا اور خوشی خوشی واپس عرفات گئے سب ماجرا من وعن وہاں کے لوگوں کو سنا دیا چنانچہ قبیلہ جرہم کے لوگوں نے عرفات سے نزول کر کے وہاں بسنے کی اجازت چاہی اور ان عمالقہ کو اس شرط پر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دی کہ چشمہ زمزم میں تمہارا حق نہ ہوگا۔ چنانچہ قبیلہ جرہم کے لوگ اور عمالقہ وہاں بس گئے اسی دوران حضرت اسمعیل علیہ السلام جوان ہو گئے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر ماہ براق پر سوار ہو کر شام سے چل کر

مکہ شریف پہنچتے اور اپنی بیوی اور صاحبزادہ اسمعیل علیہ السلام کی خیریت دریافت کے
اسی شام واپس شام کو چلے جاتے تھے۔ عمالقہ کا وہاں آباد ہونا اور پانی کی کثرت اور ان کا
آپ کے اہل و عیال سے انس گھر ہونا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے سرت و شادمانی
کا باعث بنے۔

فائدہ :-

جب حضرت اسمعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو عمالقہ کے لوگوں نے آپ کے تقویٰ و
طہارت کو دیکھ کر اپنے خاندان میں آپ کی شادی کر دی۔ حضرت ہاجرہ کا وصال ہوا اور مدت
بعد، حضرت اسمعیل علیہ السلام نے اپنے والد محترم کے حکم کے مطابق، اپنی بیوی کو طلاق
دے دی۔ کچھ عرصہ بعد میں میں قحط پڑ گیا۔ قطورا اور جرم دونو بھائی بھائی ہیں نسب یہ ہے
جرم و قطورا بن قحطان بن عامر بن شامخ بن ارفخشہ بن سام بن نوح علیہ السلام چونکہ
قبیلہ قطورا بھی میں قحط زدہ چھڑ کر، مکہ شریف، زمزم شریف کے قریب اردگرد سکونت کر
گئے۔ اشجار اور تر و تازگی پانی وغیرہ نے ان کے دل موہ لئے۔ قبیلہ جرم کا پیشوا کا نام
”حضاض بن عمرو“ اور قبیلہ قطورا کا پیشوا کا نام ”سمیدع“ بیان کیا جاتا ہے۔ جب دونو قبائل مل
جمل کر رہنے لگے تو عمالقہ کو ان پر حسد آنے لگا۔ جھگڑا شروع ہوا جنگ چھڑ گئی۔ آخر کار جرم
اور قطورا، ان عمالقہ پر غالب آئے اور انہیں مکہ سے باہر نکال دیا۔ جناب حضاض کی دختر
نیک اختر سے اسمعیل علیہ السلام کی شادی ہو گئی۔ بولانی عربی تھی۔ اور ادھر حضرت اسمعیل علیہ السلام
حسن و جمال اور شباب و شجاعت میں اپنی مثال آپ تھے۔ البتہ اس خاتون کے نام میں
اختلاف پایا جاتا ہے۔

قول اول :- سیدہ بنت مضاض

قول دوم :- رعدہ بنت مضاض

قول سوم :- حذافہ بنت عارث بن مضاض، والثد اعلم بالصواب

کہا جاتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسری بیوی نوبلی بہو کی طبیعت میں
نیک اور شگلی دیکھی تو اللہ رب العالمین کے حضور ان کے لئے دعا مانگی تھی۔

حضرت اسمعیل علیہ السلام کی جب عمر تیس سال ہو گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مکمل عمر ایک سو سال ہو گئی تو دونوں باپ بیٹے نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیت اللہ شریف کو بنایا۔ بیت اللہ کی تعمیر کا واقعہ طویل ہے بوجہ اختصار یہ بحث ذکر نہیں کی جاتی ہے۔ جب خانہ کعبہ تیار ہو گیا تو ہر سال حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سیدہ سارہ اور ان کا بیٹا اسحاق اور آپ کی اولاد امجاد اور انبیاء علیہم السلام خانہ کعبہ کا حج پڑھنے آیا کرتے تھے۔

حضرت اسمعیل علیہ السلام کی اولاد امجاد میں بارہ لڑکے اور ایک لڑکی ہے نابت۔ قینار۔ اوائل۔ منشی۔ مشمع۔ ناش۔ دما۔ آذر۔ طیما۔ نظور۔ نیش۔ قینما یہ بارہ لڑکے ایک ہی ماں کی اولاد ہیں۔

جبکہ علامہ ابوالقاسم عبد الرحمن السہیلی بھی روض الانف میں صراحت فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے۔ اور آپ کی بیٹی کا نام ”نسم بنت اسمعیل ہے“ اور اپنی بیٹی کی شادی اپنے بھتیجے عیصو بن اسحاق سے کر دی۔ روم وفارس اسی عیصو بن اسحاق کی اولاد ہیں۔

سیرت شامی میں ذکر ہے کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام نے مکہ شریف میں وفات پائی اور انہیں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ حجر اسود کے قریب، خانہ کعبہ کے دروازہ کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

عمر مبارک میں اختلاف ملتا ہے ایک سو تیس سال اور زیادہ صحیح روایت میں ایک سو سینتیس سال ہے۔ نوے سال والد صاحب کے بعد جسے آپ کی مدت دعوت اسلامی سینتیس سال اور بعض کے نزدیک پچاس سال بتائی جاتی ہے۔ کنیت ابوالعرب لقب اعراق البشر ہے معجزات حدوتہ سے باہر ہیں۔

ایک مرتبہ ایک جماعت بہان تھی گھر میں کچھ نہ پایا ایک پیالہ میں زرم بھر کر رکھے، اسی دعا کیلئے ہاتھ اٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے لاج رکھ لی انواع و اقسام کے مختلف طعام و شراب کو موجود پایا تمام بہانوں نے کھانا تناول فرمایا۔

ابن ابراہیم علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام رسول تھے اود یہ ابراہیمؑ عجمی نام
ہئے کسی لفظ سے اس کا اشتقاق ثابت نہیں۔ آپ کی کنیت "ابوالضیوف" ہئے کیونکہ
مہانوں کے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہئے کہ آپ کی کنیت "ابوالانبیاء"
ہئے۔ آپ کے بعد آنیوالے انبیاء علیہم السلام آپ کی اولاد میں سے ہئے۔ لقب خلیل اللہ
اور خلیل الرحمن ہے۔

پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جمع انبیاء و مرسلین میں افضل ترین نبی
سیدنا خلیل اللہ شمار ہوتے ہئے چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہئے نبی پاک
نے ارشاد فرمایا۔

خَيْرُ الْأَنْبِيَاءِ، آدَمُ وَنُوحٌ وَابْرَاهِيمُ وَمُوسَى وَعِيسَى وَمُحَمَّدٌ وَخِرْتُهُمْ مُحَمَّدٌ
ابْرَاهِيمُ أَوْ كَمَا قَالَ۔ سب سے بہترین نبی حضرت آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ عیسیٰ
اور سیدنا محمد ہئے۔ اور ان میں سب سے بہتر و بزر صاحب فضیلت نبی سیدنا محمد ہئے
صلی اللہ علیہ وسلم پھر آپ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جلئے پیدائش میں اختلاف موجود ہئے بعض علماء کرام
کا کہنا ہئے کہ دمشق کے مضافات میں ایک "برزہ" نامی بستی میں ہوئی جبکہ کچھ لوگوں کا
کہنا ہئے کہ مملکت عراق کے صوبہ بابل میں "کوٹہ" کے مقام پر آپ کا تولد ہوا ہئے حافظ
ابوالقاسم ہیسلی اور ابن عساکر اسطرح کہتے ہئے۔

منقول ہئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت، آپ کے والد
محترم کی عمر مبارک، ستائیس سال تھی ایک روایت میں آتا ہئے جب وضع حمل کا وقت ہوا
آپ کی والدہ ماجدہ کسی ایک بڑی نہر کے کنارے جا پہنچی جس کا پانی خشک ہو چکا تھا
آپ پیدا ہوئے تو والدہ صاحبہ نے کپڑے میں لپیٹ کر آپ کو وہاں ندی کے کنارے
چھوڑ دیا اور اکیلے گھر تشریف لائیں اپنے خاوند کو حالات بتلائے تو آپ کے والد وہاں
گئے زیر زمین آپ کے لئے ایک مکان تعمیر کیا گیا اور درندوں کے خوف سے اس کے
سوراخ پتھروں سے اچھی طرح بند کر دیئے گئے اور واپس آگئے۔ بعد آپ کی

والدہ وقتاً فوقتاً آپ کی خیریت دریافت کرنے جاتی تھیں، دودھ پلاتی تھیں یہاں تک کہ حضرت علیہ السلام جوان ہو گئے۔

سیدنا آدم علیہ السلام کے دو ہزار سال بعد آپ کی پیدائش ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دس قرن پائے جاتے ہیں۔ حضرت ابن حجر عسقلانی کی تحقیق میں ایک قرن تقریباً ایک سو سال کے برابر ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کا نام ”نویا“ اور بروایت ثانی ”لیونا“ ہے علیٰ خلاف الاقوال، والدہ صاحبہ کے ایمان دار ہونے کی تصریح علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور حضرت ابن جبان رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے وہ شخص ہیں جن کا ختنہ ہوا ہے اور یہی سنتِ ابراہیمی تا قیامت عالم اسلام میں چلتی رہے گی۔

صحیح بخاری میں بروایت ابو ہریرہؓ، اسی سال کی عمر میں آپ کا ختنہ تیشہ سے کیا گیا اور کچھ لوگ ایک سو بیس سال کی عمر بتلاتے ہیں۔ ختنہ کے بعد، اسی سال زندہ رہے اس طرح کل عمر دو سو سال ہوتی ہے۔ بظاہر یہ حدیث پہلی حدیث کے مخالف ہے۔ مطابقت پیدا کرنے کی یوں کوشش کی گئی کہ پہلی حدیث میں ظہور نبوت سے حساب کیا گیا اور دوسری حدیث میں ابتداءِ ولادت سے عمر کی گنتی کی گئی۔ لہذا دونوں روایات اور دونوں عمریں صحیح ہیں۔

اولیات :- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولیات درج ذیل ہیں :

مونچھیں پست بنائی گئیں۔ ناخن کاٹ دیتے۔ آپ نے سونے زیناف کو صاف کر دیا۔ شلوار پہنی۔ منبر پر خطبہ دینا شروع کیا۔ تریا آپ کی تخلیق ہے۔ بوقت ملاقات بغل گیر ہوتے۔ تیر و کمان اور شکار کرنا آپ سے شروع ہوا ہے۔

آپ کی ابتدائی زبان سریانی تھی اور اخیر عمر میں عبرانی زبان میں کلام فرماتے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام زراعت پیشہ کسان تھے۔ بستیاں، قبضے اور شہر بسانا، آپ کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ آپ کے اور آپ کی اولاد کے عہد مبارک میں بڑے بڑے شہر بسائے گئے۔

حلیہ مبارک یہ ہے۔ رنگ سُرخ و سفید۔ قد مبارک موزوں و مناسب اور دونوں آنکھیں سیاہ زردی مائل تھیں۔ سینہ چوڑا اور جسم تھے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

آپ کی اولادیں تیرہ ہیں۔ اسماعیل بن ابرہ۔ اسحاق بن سارہ۔ مین۔ مدان۔ زمران۔ مشوح نقشان۔ نشق یہ چھ برادر ایک ہی والد ماجد سے تھے جس کا نام ”قنطور بنت بقطا“ تھا۔ اور باقی پانچ بچے دوسری بیوی ”حجول بنت آہن“ سے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں اور وہ پانچ ہیں۔ کیسان۔ سورج۔ انیم۔ بعطان۔ ناقص۔ علامہ سہیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کی صلبی اولاد میں صرف دو لڑکے نبی تھے۔ ایک حضرت اسمعیل علیہ السلام اور دوسرے اسحاق علیہ السلام۔ آپ کی تاریخ وصال نو محرم ہے اور جمعرات کا دن بتلایا جاتا ہے۔ آپ کو ارض مقدسہ میں، مزیع معروف کے اندر دفن کر دیا گیا۔ (شامی اور حلبی) مدت عمر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

قول اول: ایک سو پچاسی سال اور علامہ قتبی رحمۃ اللہ علیہ نے معارف میں فرمایا کہ آپ کی مدت عمر دو سو سال ہے۔

قول دوم: علامہ مسعودی رحمۃ اللہ علیہ ایک سو پچانوے سال کی تصریح و توضیح فرماتے ہیں جب کہ تمام روایات مختلفہ میں سب سے زیادہ راجح اور صحیح روایت، مسعودی کی ہے۔ ابن تارح: تلے فوقانیہ اور اخر میں حائے مہمل ہے۔ بعض لوگ خائے معجر پڑھا کرتے ہیں۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ آذر، تارح کا نام ہے اور دلیل میں آیت قرآن پیش کیا جاتا ہے۔ **وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِيَلٰٓئِيۡمِۡنِۡ اٰۤذَرُ** (پارہ ۷، رکوع ۷)

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آذر اور تارح دونوں حضرت ابراہیم کے والد کے نام ہیں نیز یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ”تارح“ تھا جب نمرود نے آپ کو وزیر خزانہ بنا دیا تو آپ نے اپنا نام آذر رکھ لیا۔

مگر اکثر اہل ثقہ اور معتبر اہل علم مثلاً صاحب قاموس مجد الدین بغدادی اور حافظ سیوطی کامسک کچھ یوں بٹے کہ والد کا نام تارح ہے اور آذر آپ کے چچا ہیں اور یہ سب لوگ آیت مذکورہ ”لابیرہ آذر“ کا جواب دوسری آیت کو موید قرار دے کر یوں دیتے ہیں کہ عرب

میں پرورش کر نیوالا چچا بھی "اب" کہلاتے۔ کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ الْمَجِيدِ -

قَالُوا الْعَبْدُ الْهَكَ وَاللَّهُ أَبَاؤُكُمْ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ (پارہ ۱ رکوع ۱۵)

تَوَحُّدًا.. اولاد یعقوب کہنے لگے ہم عبادت کریں گے تیرے رب اور تیرے باپ فادا کے رب کی ابراہیم، اسمعیل اور اسحاق کے رب کی۔

اس آیت میں اسمعیل علیہ السلام کو بھی آباء میں شامل کیا گیا ہے جبکہ آپ یعقوب علیہ السلام کے چچا ہیں باپ نہیں ہیں۔ آپ کو باپ کہنے کی وجہ ظاہر ہے کہ چچا بھی باپ ہوتے تھے۔

علامہ سیوطی اور صاحب قاموس کا قول زیادہ صحیح اور معتبر ہے۔ کیونکہ آذر کو ابراہیم علیہ السلام کا باپ قرار دینے میں آیات الہیہ۔ احادیث نبویہ اور اجماع امت سے تعارض ہو کر مشکلات پیدا ہوتی ہیں تفصیل وار عرض سن لیجئے

۱۔ آیت پاک ہے الَّذِي يَرَانِكَ حَيْرًا قَوْمًا وَتَقَلُّبُكَ فِي السَّاجِدِينَ (پارہ ۱۹ رکوع ۱۵) وَهُوَ اللَّهُ تَعَالَى جُو تہیں دیکھ رہا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو اور سجدہ گزار لوگوں میں تمہارے پیسے پر نگاہ رکھتا ہے۔

سید المفسرین علامہ فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نور، ایک سجدہ گزار سے، دوسرے سجدہ گزار کی طرف منتقل ہوتا رہا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ آباء رسول میں سے آذر کو خارج سمجھا جائے کیونکہ وہ بت پرست تھا سجدہ گزار نہ تھا

۲۔ حدیث مبارک ابو نعیم کی روایت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے۔

لَمْ أَزَلْ الْقَدُّ مِنْ أَصْلَابِ الطَّاهِرِينَ إِلَى أَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ (مواہب اللدنیہ جلد اول) میں ہمیشہ طیب و طاہر پیٹھ سے طیب و طاہر رحم کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں۔

لُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونِ نَبِيِّ آدَمَ قَوْمًا فَقَدْ نَاحَتْ لِعِثَّتِ مِنَ الْقُرُونِ الَّذِي كُنْتُ فِيهَا رواہ البخاری۔ رسول پاک فرماتے ہیں مجھے نبی نوح آدم کے اچھے سے اچھے وفد میں

بھیجا جاتا رہا یہاں تک کہ موجودہ اس دور میں بھی بھیجا گیا ہوں۔

درج بالا احادیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہمیشہ ساجدین سے ساجدین کی طرف، اصحاب طاہرہ سے ارحامِ طیّبہ کی طرف اور خیر القرون سے خیر القرن کی طرف منتقل ہوتا آیا ہے، تو کیسے ہو سکتا ہے کہ آذر بیت پر رت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد قرار پائے جس نے دعوتِ ابراہیم کو نہ تو قبول کیا اور نہ آپ کی ملت کی اطاعت کی۔

۳۔ اجماعِ امت خصوصاً ثقہ اور معتبر و معتمد علماء کرام کا اتفاق ہے کہ نبی پاک کے اباؤ اجداد سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے لے کر سیدنا آدم علیہ السلام تک بھی مومن و مسلمان ہیں۔

اور آیت 'لابیہ آذر' کا جواب بعض لوگوں نے کہا کہ آذر بیت کا نام ہے جو کہ آیت مبارکہ میں فعل مقدر کا مفعول ہے۔ تو آیت کی عبارت دراصل یوں ہوتی ہے، 'و اذ قال ابراهیم لابیہ اذرع آذر'۔ وہ بات یاد کیجئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا کہ آذر بیت کو چھوڑ دیجئے۔ (سیرتِ شامی)

ابن ناہور :- نون کے بعد الف اور پھر حائے پہلے پر پیش آئے۔ علامہ ابن ہشام "تہجدان" میں فرماتے ہیں کہ ناہور کی مدت عمر ایک سو سالہ سال ہے جب کہ ابن حبیب کا قول ہے کہ ایک سو اڑھتالیس سال عمر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

ابن شکاروخ :- شین معمر اور آخر میں خائے معمر ہے۔ رائے پہلے پر پیش پڑھا جاتا ہے۔ آپ کی عمر دو سو سات بیان کی جاتی ہے۔

ابن راغوب :- زا کے بعد غین معمر پر پیش آئے اور ایک قول میں الف اول میں آئے "ارغو" پڑھا جاتا ہے۔ عربی میں تقسیم کنندہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے

علیہ محمد بن اسعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کی والدہ کا نام "میشا ابا" ہے۔ اور ابن حبیب کے قول کے مطابق، آپ کی عمر مبارک دو سو نو سال ہے۔ اور کلبی کے بیٹے نے دو سو نوے سال عمر رکھی ہے۔

اللہ حقیقتِ حال بہتر جانتا ہے۔

ابن عیسر: عین پرزبانی کے تحتانیہ پر جزم، بلے موجدہ پرزبیر اور آخر میں راتے مہملہ
آئے۔ اسے عابر بھی پڑھا جاتا ہے۔ علامہ صوالی فرماتے ہیں کہ عیسر کی والدہ کا نام "مرجانہ" ہے،
جو کہ طیب و طہا ہر تون ہیں۔ سیدنا صوفی علیہ السلام کا نام عیسر کہا جاتا ہے۔ یہی اسقلانی
نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے۔

جبکہ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ سورہ اعراف میں تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابن عمر
اسقلانی کا قول صحیح اور راجح ہے۔ چنانچہ ہود علیہ السلام کا نسب یہ ہے۔
حضرت ہود بن عبد اللہ بن رباح بن جاوہ بن عاد بن عوص بن آدم بن سام بن نوح
حضرت عیسر کی مدت عمر بقول ابن کلبی چار سو تریسٹھ سال اور ابن حبیب کے قول کے مطابق
ایک سو چوبیس سال بتائی جاتی ہے۔

ابن شالح: شین معجم اور اخیر میں خائے معجم ہے۔ یہی سیلی فرماتے ہیں عربی زبان میں
"شالح" قاصد اور وکیل کے لئے استعمال ہوتا ہے اور علامہ ابن ہشام نے آپ کی عمر
مبارک میں سو سال لکھی ہے۔

ابن ارفخشہ: ہمزہ پرزبیر اور راتے مہملہ پر جزم فائے کے بعد خائے معجم بعدہ
شین مہملہ پرزبیر اور ڈال پر جزم ہے۔ روشن چراغ کے معنی میں استعمال ہے۔ آپ کی والدہ
کا نام "ازبات" بتایا جاتا ہے۔ ارفخشہ پہلے شخص ہیں جس نے علم نجوم، تنور نوح میں
لکھی ہوئی تحریر سے سیکھ لیا تھا۔ اور وہ تنور طوفان نوح سے کہیں پہلے کا تھا۔ اور یہ علم
نجوم آپ نے اپنی تینوں اولاد کو بھی سیکھ لایا۔ جن کے نام یہ ہیں: عیسر، ملک اور قنیان۔ ابن
ہشام کے بقول آپ کی مدت عمر چار سو تین سال اور ابن حبیب کے بقول چار سو ساٹھ سال
ہے۔

ابن سام: سنیں مہملہ کے بعد الف اور آخر میں میم مخفف آیا ہے حضرت نوح علیہ
الصلوة والکرام کے پہلے بیٹے میں اور اٹھانوے سال قبل طوفان میں پیدا ہوئے ہیں۔
اوپر اپنے باپ کے طرف سے اہل زمین کے والی اور وصی ہیں۔

عمر بن عبد ربیع رضی اللہ عنہما کی روایت، امام احمد اور جامع ترمذی میں موجود ہے کہ

سیدو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نوح علیہ السلام کے تین بیٹے ہیں۔ سام۔ حام۔ اور یافت۔ سام ابوالعرب حام ابوالحبشہ اور یافت ابوالترک ہیں۔

منقول ہے کہ حواریین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت حاضر ہوئے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام حواریین کو ساتھ ملا کر سام کی قبر کو چلے بیٹھے اور تم باذن اللہ فرمایا آپ قبر سے زندہ باہر تشریف لائے۔ سوال جواب ہوتے رہے کلام اور گفتگو ختم ہونے کو تھی کہ پوچھ لیا گیا تیری زندگی کتنی گزری جواب دیا چار ہزار سال۔ پوچھا کیا یہ بتلیے بیٹے حیات دنیوی کیسے گزری جواب دیا حیات دنیوی ایک کمرہ کی طرح محسوس ہوئی اور یوں اندازہ ہوا کہ ایک دروازہ سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے باہر نکل آیا ہوں۔

فقہیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ بستان العارفين میں، ابن سعد طبقات میں اور زبیر بن بکار، توقیفات میں فرماتے ہیں کہ حضرت سام علیہ السلام پیغمبر ہیں۔ مگر شیخ بران الدین دمشقی اپنی کتاب "المواد" میں لکھتے ہیں۔ سام پیغمبر نہ تھے اور لکھ دیا کہ ابواللیث کا قول غلط ہے۔ یاد رہے کہ "کتاب المواد" کا دوسرا نام "کنز الراغبین" ہے۔

جناب حضرت سام مومن مسلمان تھے۔ رسال سیوطی و فتح القوی میں لکھا ہے کہ آپ کی قبر دمشق کے نواحی علاقے میں "نوی" کے مقام پر موجود ہے۔ اور اب اس بستی کا نام "بلد الیوب" رکھ دیا گیا ہے۔ (علامہ یاقوت)

ابن نوح علیہ السلام :- اللہ تعالیٰ کے نبی مرسل ہیں۔ نوح بھی امم ہے اور تین صرف ہونے کے ناطے ساکن الاوسط ہے۔ منصرف پڑھا جاتا ہے۔ البتہ بعض علما نحو کے نزدیک منصرف وغیر منصرف دونوں طرح استعمال ہوتا آیا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں نوح عربی لفظ ہے اور یہ آپ کا لقب ہے۔ آپ کی قوم طوفان میں توبہ نہ کر سکنے کی وجہ سے غرق ہوئی۔ ساری عمر حضرت علیہ السلام اس صدمہ سے روتے رہے۔ بین سبب آپ کا لقب "نوح" پڑ گیا۔ جبکہ آپ کا اصلی نام عبد الغفار بتلایا جاتا ہے اور نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔ طوفان نوح کے بعد، آدم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت نوح علیہ السلام اور تھوڑے سے چند آدمی وہاں رہے جو کشتی نوح میں سوار ہو گئے۔ حضرت انسان کی بھرنی طوفان نوح کے

بعد ہوئی۔ لہذا نوح علیہ السلام آدم ثانی قرار پاتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمُ الْبَارِقِينَ۔ ہم نے ان کی اولاد کو باقی رکھا۔

روضۃ الصفا میں آیلہ ہے۔ بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما، کشتی نوح میں سوار انہی مردوزن تھے۔ اور یہی قول صحیح ہے۔ جب کشتی بچکولے کھاتے جبل جوہی سے جائگرائی تو اس میں سے صرف اسی آدمی زندہ بچ نکلے۔ طوفان ختم ہوا۔

ان لوگوں کے جلنے نزل کا نام ”سوق الثمانین“ مشہور ہو گیا اور جب وہ بستی آباد ہونے لگی و با بیماری آئی کبھی لوگ دار البقا کو چل دیئے صرف سات انسان بچ رہے اور بس حضرت نوح علیہ السلام تینوں بھائی۔ سام حام اور یافث اور ان تینوں بھائیوں کی بیگمات یہ مجموعی تعداد سات ہے۔ علامہ سیوطی اور ابن عساکر نے درج بالا قول کو معتبر اور صحیح قرار دیا ہے۔ (تفسیر درمنشور)

امام ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ عرائس البیان میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو قابیل کی اولاد کی طرف مبعوث فرمایا۔

حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق نبی آدم دو گروہ میں بٹ گئے۔ ایک گروہ زمین پر بسنے لگے اور دوسرا گروہ پہاڑوں غاروں میں رہائش پذیر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کوشمے دیکھتے کہ پہاڑی لوگوں میں جوان خوبصورت تھے اور عورتیں نہایت بدشکل اور زمین پر بسنے والے مرد بدشکل مگر عورتیں حسن و جمال میں اپنی مثال آپ تھیں۔ اسی سبب سے قابیل کی اولاد میں نخش و بدکاری کثرت سے پیدا ہونے لگی۔ قتل و غارت کا چرچا عام ہوا۔ فساد پھیلا۔ اندر میں حالت اللہ رب العالمین نے نوح علیہ السلام کو اولاد قابیل کی طرف نبوت دے کر مبعوث کیا۔ آپ ان میں پنجاہ سال اور بروایت دیگر تین سو پنجاہ سال کی عمر میں نبی بن کر آئے اور ساڑھے نو سو سال دعوت اسلامی کی تبلیغ کرتے گزار دیئے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ آلَافَ سِنِينَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا

(پارہ ۲۰، رکوع ۱۳)

بیشک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس کم ہزار سال مقیم رہا۔ اس تمام مدت میں قوم کو توحید و ایمان کی دعوت جاری رکھی اور ان کی ایذاؤں کو برداشت کیا۔ اس پر بھی وہ قوم باز نہ آئی اور تکذیب کرتی رہی جب آپ کی طرف سے دعوت توحید و ایمان اور ان کی طرف سے ایذا رسانی نے طول کھینچا تو آپ نے اپنی گمراہ قوم کی ہدایت کے لئے دعا کی رب العالمین نے جواب دیا۔

رَبِّهِمْ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ آمَنَ

واقعہ یہ ہے کہ آپ کی قوم میں سے کوئی شخص ہرگز ایمان نہیں لائے گا۔ ماسوا ان کے جو ایمان لپکے۔ جب نوح علیہ السلام کو علم ہوا کہ جو لوگ قوم میں ایمان لاپکے ہیں اب ان کے سوا اور کوئی ایمان لانے والا نہیں۔ تب آپ نے ان کے بارے دعا سے ضرر کی اور فرمایا۔

ذَبِّ لَاتَذُرْ هَلَى الدَّرِيضِ مِنَ الْكَافِرِينَ وَيَا أَيُّهَا (پا ۲۹، نوح رکوع ۹)

نوح علیہ السلام نے کہلے پروردگار روئے زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔ تب رب العباد نے انہیں کشتی تیار کرنے کا حکم دیا۔ حسب الارشاد حضرت نوح علیہ السلام نے ساگوں کے درخت کا شت کٹے۔ چالیس سال تک روت جو ان ہوئے انہیں کاٹ کر تختے تیار کئے گئے اور خشک ہونے پر کشتی تیار ہوئی۔ کشتی کا طول و عرض کچھ اس طرح ہے۔

طول اسی ہاتھ، عرض پچاس ہاتھ اور بلندی عتق میں ہاتھ تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا بڑی اور بھری جانوروں میں سے جوڑے جوڑے کشتی پر سوار ہوتے گئے۔ سب سے پہلا سوار طوطی اور آخری سوار گدھا کشتی پر سوار ہوا اور ساتھ ساتھ اہل اسلام بھی کشتی پر سوار ہو گئے۔

اہل اسلام سواروں کی تعداد میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔

قول اول: سات آدمی تھے حضرت نوح اور ان کے تین بیٹے اور تین بہو کل اہل اسلام سات انسان کشتی پر سوار ہوئے اور بس۔

قول دوم: آٹھ انسان سوار تھے۔

قول سوم۔ میں انسان سوار تھے۔

قول چہارم۔ بہتر آدمی کشتی پر سوار ہو گئے۔

قول پنجم۔ اسی آدمی مردوزن میں سے تھے جو کشتی پر سوار ہو گئے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے تمام انبیاء علیہم السلام کی نسبت بڑی عمر پائی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی مدت عمر ایک ہزار تین سو پچاس سال ہے۔ پس آپ پچاس سال کم ایک ہزار سال توحید و ایمان کی دعوت دیتے رہے۔

روضۃ الصفا میں مذکور ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام بوقت بعثت پچاس سال کے تھے۔ نو سو پچاس سال اپنی قوم کو ہدایت دینے میں مشغول رہے۔ طوفان کے بعد، کچھ اور حصہ عمر اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ رکھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد جناب نوح علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ مشہور قول کے مطابق آپ پہلے درجہ میں اولوالعزم رسول ہیں جبکہ کچھ لوگ آپ کو دوسرے درجہ میں اولوالعزم رسول تسلیم کرتے ہیں۔

اولوالعزم سے مراد یہ ہے کہ ایسا نبی جس کی شریعت دوسری سابقہ شریعت کے لئے ناسخ ہو چونکہ نوح علیہ السلام کی بعثت ہوتے ہی صحائف آدم پر یکسر قلم نسخ پھیر دی گئی۔ منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام غایت درجہ کے عبادت گزار تھے۔ اور رات دن میں سات سو رکعت نفل نماز پڑھا کرتے تھے۔ آپ کا پیشہ ”دروگری“ تھا۔

حلیہ مبارک: رنگ گندمی، انتہائی جسم۔ پنڈلیاں اور کہنیاں باریک تھیں بڑی بڑی آنکھیں۔ دراز قامت اور نہایت غصہ آور تھے۔

آپ کی اولاد میں صرف تین بیٹے ہیں سام، حام اور یافت جبکہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان تین بیٹوں کے علاوہ بھی ایک بیٹا اور تھا کنعان بن نوح جو کفر پر مصر بنا اور طوفان کی بھینٹ چڑھ گیا۔ باقی سب مخلوق حضرت سام، حام اور یافت کی اولاد ہے۔

روضۃ الصفا میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یافت کو گیارہ بیٹے دیئے۔ نام یہ ہیں چین، سقلاب، شیخ، کماری، ترک، خلیج، مزد، روس، سدرسان اور تاریخ یہ کل نام گیارہ ہیں۔

اور حق تعالیٰ نے عام کو نوٹے بیٹے جن کے نام ذیل میں درج ہیں۔
 "ہند۔ سندھ۔ زنج۔ لوبت۔ کنعان۔ کوش۔ قبط۔ سن اور حبش" اور سام کے نسلت
 نیٹے کرامت ہوئے۔ ارغشہ جو کہ ابوالانیا ہیں۔ دوسرے کیو مرث اور یہ ابوالسلاطین
 ہیں۔ تیسرے ارم چتھے اسود پانچویں معن چھٹے بوریخ اور ساتویں لادریں۔ بعض روایات قدر
 مختلف ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد تمام اولاد نے آپ کو بیت المقدس میں
 دفن کیا۔

منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بوقت وصال دو چیزوں کی وصیت فرمائی۔
 ایک "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کا ذکر بجزرت کیا جئے اس لئے کہ دو جہاں ایک پلٹرا میں اور کلمہ طیب
 دوسرے پلٹرا میں رکھ کر وزن کیا جئے تو کلمہ طیب بھاری رہے گا۔
 دوسرے سبحان اللہ و مجدہ کا ذکر بھی کثرت سے کیا جئے کیونکہ اسی کلمہ تسبیح کے
 باعث مخلوق کے رزق میں وسعت ہوا کرتی ہے۔ اور اسی کلمہ تسبیح کے سبب خلق خدا پر
 رحمت کا نزول ہوتا ہے۔

اور دو چیزوں سے سخت منع فرمایا "ایک شرک اور دوسرے تکبر"
 ابن لاکٹ :- پہلے لام پھر الف اور اس کے بعد میم پر زبر اُحد زیر دونوں یکساں روا ہیں
 اور بعض لوگ اسے الف کے بغیر "لکٹ" پڑھا کرتے ہیں مگر "تيجان" میں علامہ ابن ہشام
 نے "لامح" لکھا ہے یعنی آخر میں خٹے معجم ہے دراصل لامح یا لئح سرمانی زبان میں لاکٹ
 یا لکٹ پڑھا جاتا ہے متواضع کے معنی دیتا ہے۔ حافظ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
 کہ آپ پہلے شخص ہیں جس نے پال کے حوض تخلیق فرمائے اور عود و سرود کو اپنایا۔
 بقول ابن ہشام آپ کی عمر مبارک نو سو ستہ سال ۹۷۰ تھی (فتح القوی)

ابن متوشلیخ :- میم پر پیش، تائے فوقانیہ پر شد پیش اور شین پر زبر لام پر جزم
 اور آخر میں خائے معجم ضبط کیا گیا ہے۔ آپ کی والدہ کا نام بہروخا (بائے موصدہ واؤ اور خٹے
 معجم) تھا۔ آپ کے سب بھائی آپ سے پچھڑ گئے مدت عمر نو سو ساٹھ سال بتلائی جاتی ہے
 ابن خنوخ :- اول میں خائے معجم پر زبر، نون پر پیش واؤ پر جزم اور آخر میں بھی خائے معجم

آہستہ آہستہ۔ اول میں ہمزہ زیادہ کر کے اخنوخ اور مخفف کر کے اخنح بھی پڑھا جاتا ہے۔ صاحب مطلع کی تحقیق میں خنوح حضرت ادریس علیہ السلام کا نام مبارک ہے اور اسی عجیب لفظ ہے جو بوجہ علم اور عجز غیر منصرف ہے اور کچھ لوگ اسے عربی لفظ قرار دے کر درس سے مشتق بتاتے ہیں آپ روز و شب کتب خداوندی کا درس دیا کرتے تھے۔ آدم علیہ السلام کے اکیاون صحائف، شہیت علیہ السلام کے بیس صحائف اور خود اپنے بیس صحائف کے حافظ بھی تھے۔ آپ پہلے شخص ہیں جس نے خط ایجاد فرمایا۔ جس نے دوزی گری شروع کی۔ جس نے کپڑوں کو پہننا شروع کیا۔ ورنہ آپ سے پہلے کے لوگ پوستین پہنا کرتے تھے۔ آپ نے علم ہدایت علم نجوم اور علم حساب ایجاد کیا۔

آپ نہایت عابد و زاہد تھے چنانچہ فرشتوں نے آپ کی صحبت میں رہنے کی درخواست کی جو قبول ہوئی۔ اپنی قوم کے ایک ہزار آدمیوں کو توحید و دین اسلام کی دعوت دی جنہوں نے قبول کر لی اور اس کے بعد آپ کو آسمان پر اٹھایا گیا۔ علامہ ابن قتیہ کے بقول رفع آسمان کے وقت آپ کی مدت عمر تین سو پانچ سال بتلائی جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ آسمان پر اٹھائے گئے اور اب تک زندہ ہیں۔ موت کا ذائقہ صرف ایک دفعہ چکھ سکیں گے اور بس۔ جبکہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ ساتویں آسمان پر مقیم ہیں اور بعض کے نزدیک بہشت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَدَفَعْنَا هُمْ مَكَانًا عَلِيًّا (پارہ ۱۷) آپ کو عالی مکان تک رفع کا قبضہ تفاسیر میں موجود ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔ بوجہ اختصار یہاں یہ واقعہ ذکر نہیں کیا جاتا۔

روضۃ الصفاء میں روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وصال کے وقت سے دو سو سال بعد حضرت ادریس علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا اور ان پر بیس صحیفے نازل ہوئے جو کہ اسرار سماوی، تسخیر روحانی اور عجیب و غریب علوم پر مشتمل تھے اپنی قوم کو ڈیڑھ سو سال توحید و ایمان کی دعوت دیتے رہے اور ایک روایت میں ایک سو بیس سال کا ذکر ملتا ہے۔ بعد آسمان پر بلائے گئے۔ آپ کی شریعت، شریعت آدم کے موافق تھی۔ توحید و عدل پر قائل و عمل کا ذکر تھا۔ نماز روزہ باہم مخصوصہ مال کی زکوٰۃ اور جنابت و حیض و نفاس کا غسل آپ کی

شریعت کے اہم ترین رکن ہیں۔ خنزیر گدھا اور گنا حرام تھا۔ اور دماغ و عقل کو نقصان پہنچانے والی چیزیں مسکرات مخدرات بھی حرام تھیں۔

ابن یزید ۱۔ یلئے تختانیہ پر زبر رائے مہملہ پر جزم اور آخر میں وال ہے ابن ہشام میں "یارد" اور انجیل میں "یزد" لکھا ہے جس کے معنی ضبط کے ہیں چونکہ آنجناب نے اپنے والد کے دین کو اچھی طرح مضبوط کر رکھا تھا اس سے آپ کا نام "یزد" رہا۔ مدت عمر آٹھ سو چالیس سال بیان فرمائی گئی ہے۔ ————— والثر اعلم بالصواب

ابن ہبلائسل ۱۔ میم پر زبر طاء پر جزم اور آخر میں لام ہے۔ ابن ہشام میں مھلیل لکھا ہے۔ شیخ ہبیل رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ مدوح کیلئے کیا کیونکہ لوگوں میں آپ کی بیحد مدح و ثنا ہوتی رہی۔ علامہ ابن ہشام "تبیجان" میں فرماتے ہیں کہ انجیل میں آیا ہے۔ سریانی زبان میں آپ کا نام مھلال ہے جس کا عربی میں ترجمہ ہے "الشریبت العالمین کی تسبیح پھر نیوالا" آپ کی عمر مبارک ایک سو بیس سال ہے۔

ابن قینین ۱۔ قاف پر زبر یائے تختانیہ پر جزم بعدہ دونوں ہیں اور قینین بروزن جعفر آلم ہے۔ الف کی زیادتی کے ساتھ قینان بھی پڑھا جاتا ہے۔ علامہ ابن ہشام کے نزدیک یہ عربی لفظ ہے۔ اور "برائر" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جبکہ انجیل شریف میں آپ کا نام "قانیان" لکھا ہے۔ مدت عمر ایک سو بیس سال بتلائی جاتی ہے۔ حافظ برطرن الدین چلبی فرماتے ہیں یہی قینین ہیں جنہوں نے شہر انطاکیہ کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ اپنے والد کے وصی تھے۔

ابن یالنش ۱۔ یلئے تختانیہ کے بعد الف پھر نون اور آخر میں شین ضبط کیا گیا ہے۔ بعض لوگ "النش" پڑھتے ہیں یہ سریانی نام "صدوق" کے معنی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طاعت و مطاعت میں نو سو پچاس سال گزار دیئے۔

ابن شیش علیہ السلام ۱۔ شین کے نیچے زبر یائے تختانیہ پر جزم پھر آخر میں تلئے مہملہ آلم ہے۔ یعنی "ہبتہ اللہ" یعنی اللہ بخش عربی کا ترجمہ بنتا ہے۔ علامہ ابن ہشام فرماتے ہیں اولاد آدم علیہ السلام میں سیدنا شیش علیہ السلام اسن واجمل تھے آپ کے والد نے آپ کو وصی اور ولی مہملہ بنایا تھا۔

روضۃ الصفا میں ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو آدم علیہ السلام اپنے بیٹے کی جدائی میں بہت اُداس و غمگین رہنے لگے۔ جب اُمیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا عنقریب تمہیں ایک صاحب رشد بیٹا عنایت ہوگا جو آپ کی اولاد کا سردار ہوگا۔ قتل ہابیل کے پانچ سال بعد حضرت شیت علیہ السلام تنہا پیدا ہوئے، حُسن و جمال، صورت و یرت کثرت فضائل و عموم نوافل کے ساتھ ظاہری اور باطنی طور پر سیدنا آدم علیہ السلام کے عین شبیہ تھے۔ تمام بہن بھائیوں میں ممتاز تھے سیدنا آدم علیہ السلام کی شریعت کے مطیع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی پچاس صحائف کرامت فرمائے بروایت دیگر، بیس صحائف نازل ہوئے آخر اوقات شام میں مقیم رہے۔ آپ کا تولد بھی اسی مبارک سرزمین میں بتلایا جاتا ہے آپ کی مبارک عمر نو سو بارہ سال (۹۱۲) بیان کی جاتی ہے (سیرت شامی) آپ ہی اپنے والد کے جی تھے

ابن آدم :-

ابوالبزریہ ہیں۔ لفظ آدم میں اختلاف ہے۔ سریانی لفظ بتلایا گیا ہے۔ اور اہل کتاب اسے الف پر مد اور وال پر زبر بروزن فاعل پڑھتے ہیں۔ مگر اتباع کے ساتھ اور طبر منصرف ہے علم اور بحر دو سبب موجود ہیں۔

امام شعبی فرماتے ہیں آدم عبرانی لفظ ہے مٹی کے معنی دیتا ہے۔ جبکہ جوہری اور جوہری اور مصحح کے مُصنّف فرماتے ہیں کہ آدم عربی لفظ ہے۔ مادہ اشتقاق میں اختلاف نہیں! بروایت اول :- بروزن افعَل اذمتہ سے مشتق ہے جس کے معنی گندم گوں ہیں چونکہ آدم گندمی رنگ کے تھے۔ تو آدم نام مشہور ہوا۔

بروایت دوم :- آدم . آدم سے مشتق ہے معنی میں مخلوط کرنا ہے۔ سیدنا آدم علیہ السلام کو پانی اور مٹی سے مخلوط کیا گیا ہے۔ لہذا آدم نام مقرر ہوا۔

بروایت ثالث :- آدم . اوم الارض سے ناخود ہے زمین کی سطح اور تمام روئے زمین کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی انسانوں کا پہلا باپ حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کا لقب خلیفۃ اللہ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفًا (پارہ اول رکوع ۲) میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ خلیفہ احکام و اوامر کے اجلا و دیگر تصرفات

میں اصل کا نائب ہوتا ہے۔ یہاں خلیفہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں آپ زمین میں جنوں کے قائم مقام مقرر ہوئے۔ اقد بقول دیگر فرشتوں کے قائم مقام بنائے گئے جو آدم علیہ السلام سے پہلے زمین میں رہ رہے تھے۔ قاضی بیضاوی اور حافظ سیوطی وغیر ہم اپنی اپنی تفاسیر میں حضرت آدم علیہ السلام کو (جنوں اور فرشتوں کا نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ قرار دیتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام و اوامر کے اجرا و دیگر تصرفات میں، آپ نائب خدا بن کر آئے۔

فیذ: آدم علیہ السلام کا لقب ابو البشر بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ اِنِّیْ خَلَقْتُ لِیْسْرًا مِنْ طِیْنٍ بَیْشَکِّ مِیْنِ مِطِیٍّ سے ایک بشر پیدا کرنا والا ہوں۔ یہاں سے بشر سے مراد آدم کریم ہیں اور کچھ لوگوں نے بڑے بڑے امور سے مباشرت فرمانے کی وجہ سے آپ کا لقب بشر قرار دیا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ بشر "بشر" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں خندہ پیشانی کشادہ رو و رونق دار چہرہ والے تھے تو اس لقب سے مشنور ہوئے۔

فیذ: سیدنا آدم علیہ السلام کو انسان فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

هَلْ اَتٰی عَلٰی الْاِنْسَانَ حَیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ (پارہ ۲۹، رکوع)

بیشک انسان پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام نہ تھا آیت مذکور میں انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں انسان یا تو "انس" سے مشتق ہے معنی محبت و پیار چونکہ انسان اپنی جنس سے پیار کرتا ہے جیسا کہ اس کے متعلق کہا جاتا ہے۔ الْاِنْسَانُ مِنْ اَجْتَمَعِ فِیْہِ الْاِنْسَانِ السُّرْمَعُ مَعَ الْغَیْرِ وَالْاِنْسُ الْغَیْرِ مَعًا۔ انسان وہ ہے جس میں دو قسم کی محبت و پیار موجود ہو۔ ایک اس کو دوسروں سے پیار ہو اور دوسرے یہ کہ دوسروں کو اس سے پیار ہو۔ انسان، انوس سے مشتق ہے تو معنی موتے ہیں بہت انس والا بڑا پیار کرنے والا

اور اگر ایسا اس سے مشتق ہو تو "دیکھنا" کے معنی دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کو یہ فرماتے ہیں۔ اِنِّیْ اَنْسُ مِنْ جَانِبِ الْعُوْدِ نَاۡا (پارہ ۲۹، رکوع) میں جانب طور سے آگ دیکھنا

ہوں۔ بریں حالات، حضرت آدم علیہ السلام ظاہری اور باطنی بصارت و بصیرت سے امور ظاہری و باطنی کو ٹھیک ٹھیک دیکھا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا لقب

”السان“ رکھ دیا (سیرت شامی)

ستینا آدم علیہ السلام جمع کے دن پیدا ہوئے (البوسریہ فی المسلم و ابن داؤد)

علامہ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے آدم علیہ السلام کا حلیہ مبارک بیان فرمایا ہے کہ آپ بے ریش تھے۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ لمبی اور صراحی وار گردن۔ گھنگھر لیلے بال۔ رنگ گدھی۔ قد قامت دراز حسن و جمال میں کمال رکھتے تھے۔ حضرت حوا علیہا السلام بھی صورت و سیرت میں حضرت آدم علیہ السلام سے کمال شایستگی رکھتی تھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا قد مبارک سو گز بتلایا جاتا ہے۔ آپ کی اولاد میں پہلے شخص حضرت شیث، میں جو ڈاڑھی والے تھے۔

فائدہ: حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو بیس دفع حمل ہوا اور ہر بار جڑواں بیٹے ہوئے ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوتی رہی سوائے شیث علیہ السلام کے جو کہ ایک ہی پیدا ہوئے ہیں۔ نقل ہے کہ آپ کی اولاد ذکور و اناث میں بیس لڑکے اور انیس لڑکیاں ہیں اور یہی نقل زیادہ صحیح ہے۔ کہنا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد و احفاد مبارکہ دنیا جہان میں بہت پھلی پھول اور آپ نے اپنی اولاد کی پھل پھول میں چالیس ہزار انسان اپنی آنکھوں سے دیکھے اور پھر وصال فرمایا: (ہکذا فی روضۃ الصفا و روضۃ الاحباب)

کتب تواریخ میں مذکور ہے کہ ستینا آدم علیہ السلام کی عمر مبارک ایک ہزار سال ہے۔ روضۃ الصفاء میں آیا ہے کہ جب آدم کریم کی ہزار سال عمر مکمل ہوئی تو حضرت عزرائیل علیہ السلام روح قبض کرنے تشریف لائے اور جبرائیل علیہ السلام اور دوسرے بڑے بڑے فرشتگان بھی ساتھ تھے۔ بہشت سے کفن و حنوط لایا گیا۔ غسل تکفین تجہیز کے لئے جبرائیل مقرر ہوئے۔ جبل البقیس پر آپ کو دفن کر دیا گیا۔ فرشتگان اور مردوزن بھی لوگوں نے حضرت شیث علیہ السلام کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی۔ ستینا جبرائیل علیہ السلام نے اولاد آدم کو طعین فرمائی کہ موت حق ہے جس طرح آپ سب نے غسل کفن و دفن جنازہ ہوتے دیکھا ہے اسی طرح اپنے مردوں کو غسل کفن و دفن دیا کریں اسی طرح سنت الہی ہے۔ جمعہ کے روز منکر شریف میں وصال فرمایا اور حضرت حوا علیہا السلام ایک سال بعد فوت ہوئیں اور حضرت حوا بھی آدم علیہ السلام کے پہلو میں دفن ہوئیں۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کی تشریح حالات تفصیل وار ختم ہو رہی ہے اور اب ہم مطلب کی بات کرتے ہیں کہ سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوین کریمین عالم فترت میں پیدا ہوئے اور عالم فترت میں فوت ہوئے۔ بعثت سے پہلے والی وفات پر نزول عذاب کا کوئی اصول نہیں ہوتا۔ چنانچہ شیخ عزالدین بن عبد السلام اپنی تصنیف "امانی" میں فرماتے ہیں۔ دو پیغمبروں کے درمیان کا زمانہ "فترت" کہلا گیا ہے۔ البتہ پیغمبر کی ذریت سابقہ پیغمبر کی شریعت کی اتباع کرتی ہے اور اگر شریعت سابقہ کے آثار تک مٹ چکے ہوں تو ذریت اور باقی اقوام عالم سبھی لوگ "اہل فترت" کہلاتے ہیں۔

سوال: سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت ہیں سے ہیں جن پر شریعت ابراہیمی کی اتباع لازم تھی جبکہ انہیں دعوت توحید ایمان بھی ملتی رہی مگر بقول نووی ایام فترت میں وفات پانے والے سبھی لوگ بت پرست تھے۔ اور دوزخ میں گئے۔ وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ یہ بات طے ہے کہ دعوت توحید و ایمان ملنے سے پہلے، دوزخ جانے والا عذاب نہیں دیا جاتا اور بقول نووی "ان لوگوں کا دوزخ جانا، ثابت کرتا ہے کہ انہیں دعوت توحید و ایمان ملتی رہی۔"

المختصر اینکہ ایام فترت میں بھی ذریات نبی ابراہیم دعوت توحید و ایمان وصول کر کے، مُسکّر ہوئے، بت پرست ہونے کے ناطے "دوزخ رسید ہوئے"۔
تو ارجام طیبہ اور اصحاب طاہرہ والی حدیث کہاں رہی؟ بینوا و توجروا۔

جواب: نبی پاک کے ابوین کریمین اگرچہ ابراہیم کی ذریت ہیں لیکن ابوین کریمین اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان کا زمانہ تین ہزار سال طویل ہے۔ مرور زمانہ کے تحت شریعت ابراہیم مندرس ہو چکی تھی اور اس شریعت کا شناسا کوئی نہیں رہا تھا تو ظاہر ہے ابوین کریمین، اہل فترت سے ہوں گے۔ اور یہ بات ہے کہ اہل فترت کو عذاب نہیں ملتا۔

ابن زینبی کا قول: شیخ ابن حجر مکی نے شرح قصیدہ ہمزیہ میں بعید از عقاب و قیاس دے کر رد کر دیا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام عرب میں نبی بن کر نہیں آئے تھے۔ لہذا ان کی شریعت عرب، والوں کے لئے واجب الاتباع نہیں تھی۔ البتہ سیدنا اسمعیل علیہ السلام عرب میں مبعوث ہوئے مگر ان کی شریعت حضرت اسمعیل علیہ السلام کی وفات کے ساتھ ساتھ مٹ گئی اور وفات اسمعیل کے بعد تقریباً دو ہزار سال تک کسی نبی کا عرب میں مبعوث ہونا معلوم ہی نہیں ہو سکا۔ یہاں تک کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

یترت شامی میں، نووی کی پیرزور تردید دیگر وجوہ سے بھی کی گئی ہے "فلتید ربہ علیہم" رضی اللہ عنہم قبل از بعثت، عذاب نہ ملنے پر قرآن و حدیث کو بطور حجت پیش کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔ پہلے آیات قرآنیہ اور پھر احادیث نبویہ ملاحظہ ہوں۔

آیات قرآنیہ :-

۱۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (پارہ ۱۵، رکوع ۲) اور ہم عذاب نہیں کرتے جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔ اہل سنت و جماعت اس آیت پاک سے دلیل لاتے ہیں کہ بعثت سے پہلے مرنے والے کو عذاب نہیں ہوا کرتا۔

۲۔ ذٰلِكَ اَنْ تَكُنْ اَنْ تَكُنْ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقَوٰی بِظُلْمٍ فَاَهْلَهَا غٰفِلُوْنَ (پارہ ۸، رکوع ۳) یہ اس لئے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم سے تباہ نہیں کرتا کہ ان کے لوگ بے خبر ہوں۔ (۱) بلکہ رسول بھیجے جاتے ہیں وہ انہیں ہدایت فرماتے ہیں۔ محبتیں قائم کرتے ہیں اس پر بھی وہ کوشی جب کرتے ہیں تب ہلاک کئے جاتے ہیں۔

۳۔ وَلَوْلَا اَنْ تُصِیْبَهُمْ مُّصِیْبَتٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا وَاِلٰهَآ اَرْسَلْتَ الْاِنۡسَانَ سُوْلًا فَنَتَّبِعَ اَیۡآَاتِكَ وَنَكُوْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (پارہ ۸، رکوع ۸) کہیں ایسا نہ ہو کہ کبھی پہنچتی انہیں کوئی مصیبت اس کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تو کہتے اے ہمارے رب! تو نے کیوں نہ بھیجا ہماری طرف کوئی رسول کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اور ایمان لاتے۔ علامہ ابی حاتم تفسیر میں فرماتے ہیں ابو سعید خدری کی روایت جیت سند کے ساتھ ہے کہ سیدہ دو عالم نے فرمایا اہل فترت قیامت میں کہیں گے کہ اے رب لولا ارسلت الینا رسولا فنسبع آياتک من المؤمنین (پارہ ۱۶، رکوع ۱۷)

درج بالا مضمون میں ابن ابی حاتم، عطیہ ابی ادنیٰ سے ایک اور حدیث کی روایت بھی فرماتے ہیں۔

۴۔ وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنَا هُمْ لِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهَا فَمَا لَوَارِثًا لِّالْوَالِدِ اُرْسَلَتْ اِلَيْنَا سُوْلًا فَنَتَّبِعْ آيَاتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذَلَ وَنُخْزَى (پارہ ۱۶ رکوع ۱۷) اور اگر ہم انہیں کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے اپنے رسول کے آنے سے پہلے تو یہی لوگ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں پر چلتے قبل اس کے کہ ذلیل و رسوا ہوئے۔

۵۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَى حَتَّى يَبْعَثَ فِي اَمْمَارِ سُوْلًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَى اِلَّا وَاٰهْلُهَا ظَالِمُوْنَ (پارہ ۲۰ رکوع ۹) اور تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں تھا جب تک کہ ان کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیج دیتا جو ان کو ہماری آیات سناتا اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے باسی ظالم نہ تھے۔

۶۔ وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ مِّنْ اِلٰهٍ اَمْذَرُوْنَ (پارہ ۱۹ رکوع ۱۵)

ان آیات میں ان لوگوں سے کفر کی نفی ہو جاتی ہے، جنہیں دعوت توحید و ایمان نہ پہنچی ہو۔ جب وہ دنیا میں ہلاکت کے مستحق نہ ٹھہرے تو آخرت میں عذاب آخرت کا انہیں مستحق ٹھہرا جائے گا۔ عیب از عقل و قیاس رہا جیسا کہ اللہ پاک نے خود فرمایا کہ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ، آخرت کا عذاب تو رب سے بڑا ہے۔

۷۔ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنَاهُ مُبٰرَكًا فَاسْتَبْعُوْهُ وَاتَّقُوا الْعَلَمَ الَّذِيْ تُوْحَمُونَ اَنْ تَقُولُوْا اِنَّمَا اَنْزَلَ الْكِتٰبَ عَلٰى طٰلِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلُوْنَ (پارہ ۸ رکوع ۷)

احادیث نبویہ ..

اس بارے میں احادیث مبارکہ حد و عدد اور شمار و حصار سے کہیں باہر نہیں جن کا ذکر بوجہ اختصار ترک کر دیا گیا۔ کوئی شخص تحقیق و تدقیق کا دلدادہ ہو تو ممالک الخفاء کا مطالعہ کرے جو کہ سیوطی کا تصنیف لطیف ہے۔

فائدہ۔ جاننا چاہیے کہ فقہائے شافعیہ اور متکلمین اشاعرہ وغیرہم کا اس بات پر

الفاق ہتے جو شخص دعوت توحید و ایمان پہنچنے سے پہلے فوت ہو گیا وہ عذاب سے نجات پا گیا اور بہشت میں داخل ہو گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ "کتاب الامم" میں دَرَجُ بِالَا فیصلہ پر نص فرما چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے مقلد اصحاب نے بھی یہی فتویٰ دیا چاہیہ امام فخر الدین الرازی بھی اپنے متبعین سمیت یہی کچھ فرماتے ہیں "صاحب حاصل و تحصیل" بیضاوی، قاضی تاج الدین اسبکی، شرح مختصر ابن حاجب میں اور علامہ رافعی وغیر ہم بالصرحت فرماتے ہیں۔

جسے ایمان و توحید کی دعوت نہ پہنچی ہو تو اس پر حجت ثابت نہیں ہو سکتی اور نہ اس کا مواخذہ ہو گا۔ اس لئے قرآن صاف صاف کہہ رہا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا۔ ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔

البتہ ابن ارفع اپنی تصنیف "کنایہ" میں کچھ تاویل کر دیتے ہیں کہ ابوین کریمین ایام فترت میں پیدا ہوئے اور ان سے عناد و فساد ظاہر نہیں ہوا اور نہ ان کے ہاں کوئی رسول آیا جس کا انہوں نے انکار کر کے عذاب کا استحقاق لیا ہو۔ لہذا ابوین کریمین جنہی پھر سے سوال۔ جناب امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات و صفات کی پہچان سے جاہل رہنے کو عذر قرار نہیں دیتے یہی بات ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے پہلے انہیں توحید و ایمان کی دعوت دینا بھی شرط نہیں رکھتے۔ بلکہ دعوت پہنچنے سے پہلے بھی کفار سے مواخذہ کیا جا سکتا ہے اور ان سے جنگ کی جا سکتی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اہل فترت جنہیں توحید و ایمان کی دعوت نہ ملی ہو تب بھی معرفت خداوندی حاصل نہ کرنے پر ان سے مواخذہ ہو گا اور انہیں عذاب ہو گا۔

جواب ہے: سیدنا امام اعظم کا کفار سے جنگ کرنے کے لئے دعوت توحید و ایمان کی شرط قرار نہ دینے کی وجہ یہ نہیں کہ جہالت قابل مواخذہ اور لائق عذاب ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر خدا کی دعوت توحید و رسالت کی تابانیاں مشرق و مغرب تک پھیل چکی ہیں جس سے ہر برجن بشر مستفیض ہو سکتا ہے۔ لہذا دوبارہ ہر کس کفار کو دعوت دینا لازم اور ضروری نہیں رہ جاتا۔ (المحیط البرطانی)

اندریں حالت یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پیغمبرؐ نے تا بانیاں بعثت و رسالت کے ظہور یاتی ہیں۔ لہذا امام اعظم کا قول "لَا عُدْرَةَ فِي الْجَهْلِ بِمَخَالِقَتِهِ" خالق کائنات کی عدم معرفت کوئی شرعی عذر نہیں، اپنی جگہ صحیح ہے جس سے مراد وہ عدم معرفت ہے جو بعثت و رسالت کے بعد ہو۔ البتہ زمانہ جاہلیت اور دور فترت کے لوگ، یعنی قبل از بعثت امام پاک کے نزدیک بھی قابل تعذیب نہیں ہیں۔ فلیتدبر

سوال:۔ اہل فترت کیلئے عدم تعذیب کا حکم، تمام اہل جاہلیت کو شامل ہے یا یہ حکم مخصوص بعض ہے بنیو الوجہ و

جواب:۔ علامہ جلال الدین السيوطی رحمۃ اللہ علیہ "مسالك المنفلة" میں فرماتے ہیں کہ عدم تعذیب کا حکم عام نہیں صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جنہیں کسی پیغمبر کی طرف سے ایمان و توحید کی دعوت نہ ملی ہو۔

مترجم (مزید براں جب انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات مجھو ہو جائیں یا گمراہیوں میں خلط ملط ہو کر وسیلہ ہدایت بننے کے قابل نہ رہیں۔ تب ایسے لوگوں کے لئے یہ عذر پیش کرنے کا موقع پیدا ہو جاتا ہے کہ ہمیں حق و باطل کے فرق سے آگاہ کرنے اور صحیح راہ بتانے کا کوئی انتظام موجود ہی نہیں تھا لہذا انہیں عذاب و مواخذہ چہ معنی دارد۔)

اور جن اہل فترت کو کسی ایک رسول کا پیغام اپنی صحیح صورت میں مل چکا ہو اور ان لوگوں نے دانتہ اس سے اعراض کیا ہو تب ایسے لوگ اپنی مجروری کے ذمہ وار ٹھہرائے جانا سکتے ہیں اور انہیں بیشک عذاب ہوگا۔

سیرت کی تمام کتابوں سے ثابت ہوا ہے کہ ابوین کرمین مشرک نہ تھے وہ حنفی دین ابراہیمی کے پابند تھے۔ موصد تھے جیسا کہ بعض عرب لوگ تھے مثلاً زید بن عمرو بن نضیل، قس بن ساعدہ ورقہ بن نوفل اور ان جیسے متعدد اہل نظر پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے بت پرستی سے توبہ کر لی تھی اور کہا کرتے تھے کہ دین ابراہیم ہیں قبول ہوتے

علماء کرام کی ایک کثیر جماعت اس مذہب پر اعتماد کرتی ہے، ان میں سے ایک نامور مفسر قرآن رازی رحمۃ اللہ علیہ اسرار التنزیل المعروف تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ پیغمبر

علیہ السلام کے آباؤ اجداد حضرت آدم علیہ السلام تک، موجد تھے مشرک نہیں تھے۔ آیات و احادیث اسی مضمون کا تائید بکثرت کرتے ہیں تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ الَّذِي يَرَامُكَ حِينَ تَقُومُ وَتَقْلَبُ فِي السَّاجِدِينَ (پارہ ۱۹، رکوع ۱۵) اس عزت و مہربانی والے پر بھروسہ کرو جو تمہیں دیکھ رہا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو اور سجدہ گزار لوگوں میں تمہارے منتقل ہونے پر نگاہ رکھتا ہے۔ تفسیر مدارک جمل اور کبیر میں فرمایا گیا ہے کہ اس آیت میں ساجدین سے مراد مومنین ہیں اور معنی یہ کہ حضور کے تمام آباؤ اجداد ساجدین میں سے تھے۔

سوال۔ اگر کہا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آذر تھا، جس کا کفر آیت "اذ قال ابراهيم لاهبى اذر" سے ثابت ہے تو جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد المحترم کا نام تارخ ہے اور آذر آپ کا چچا تھا۔ چچا کو اب کہنا، کلام عربیہ میں اکثر آتا رہتا ہے جیسا کہ یعقوب علیہ السلام سے ان کی اولاد کا کہنا ہے قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَالآبَاءَ اَبَاءَكَ اِبْرَاهِيمَ وَاسْمَاعِيلَ وَاسْحَاقَ (پارہ ۱۲، سورہ) انہوں نے کہا کہ ہم تیرے چچا اور تیرے باپ دادا ابراہیم، اسمعیل اور اسحاق کے یہود کی عبادت کریں گے۔

آیت مذکورہ میں یعقوب علیہ السلام کے چچا حضرت اسمعیل علیہ السلام پر بھی لفظ "اب" بولا گیا ہے۔ نیز صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام سے یکسر حضرت عبد اللہ اور آمنہ ماجدہ خاتون تک آنحضرت کے آباؤ اجداد افضل و اکمل تھے۔

بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونِ بَنِي آدَمَ قَدَرْنَا فَقَدَرْنَا حَتَّى بُعِثْتُ مِنَ الْقُرُونِ الَّتِي كُنْتُ فِيهَا (رواہ البخاری)۔

آپ نے فرمایا مجھے زمانہ بزمانہ بنی آدم کے زمانوں میں سے بہترین زمانہ میں بھیجا گیا جیسا کہ میں اس موجودہ بہتر زمانے میں مبعوث ہوا ہوں۔ ابو نعیم اصفہانی دلائل النبوة میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت لاتے ہیں۔

لَمْ يَنْزِلِ اللَّهُ بِمِثْلِي مِنَ الْأَصْلَابِ الطَّيِّبِ إِلَى الْأَرْحَامِ الظَّاهِرَةِ
میرا نور مقدس اصلااب طیبہ اور ارحام طاہرہ میں منتقل ہوا رہا ہے۔ یعنی میرے والدین ماجدین سے کہ آدم و حوا تک کوئی مرد و عورت ایسا نہیں ہوا۔ معاذ اللہ کہ کسی قسم

کی فحاشی و بے حیائی کا کام کیا ہو سب کے سب مہذب اور صاف و شفاف تھے۔
درج مضمون کی تائید میں بحشر آیت و احادیث وارد ہیں جنہیں بوجہ اختصار ترک کر دیا ہے۔
فیروزہ احادیث و آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین کبھی زمانہ میں، سات شخص مسلمان
یا اس سے زیادہ کی تعداد میں سے کبھی خالی نہیں رہتی۔ اور اللہ رب العالمین ان کے طفیل
زمین والوں کے مصائب و مسائل دفع فرمایا کرتے ہیں (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱)
مؤلف عبد الرزاق اور تفسیر ابن منذر میں صحیح سند کے ساتھ اور شیخین کے شروط
کے مطابق، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

لَمَّا يَزُولُ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ فِي الدَّهْرِ سَبْعَةً مُسْلِمُونَ فَصَاعِدًا أَفْلَاكَ فَالْكَ لَمْ يَهْلِكْ
الْأَرْضُ وَمَنْ عَلَيْهَا۔ روئے زمین پر ہر زمانہ میں سات یا اس سے زائد مسلمان کامل موجود
ہوتے ہیں اگر یہ لوگ نہ ہوں تو زمین اور اس پر بسنے والے تباہ ہو جائیں۔

امام احمد بن حنبل بسند صحیح بطابق شروط شیخین، حضرت عبد اللہ بن عباس کی روایت
نقل کر کے فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کے بعد تا ہنوز، سات کامل انسانوں سے
زمین کبھی خالی نہیں رہی۔ بلکہ ان کے توسل اور ان کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور دشمنوں
پر فتح ہوتی ہے مصائب و آفات دفع ہوتے ہیں۔ یہی مضمون بعد آثار مبارکہ حافظ السیوطی
ابن جریج اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفسیر و تصنیف میں ذکر فرمائے ہیں مثلاً
حاکم مستدرک میں، حضرت عبد اللہ بن عباس سے زیر آیت، كَانَ النَّاسُ أُمَّتًا وَاحِدَةً
فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ (پارہ ۲ رکوع ۱۰)

”لوگ ایک دین پر تھے پھر اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجے جو خوشخبری سناتے اور ڈر سناتے
تھے“ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم اور نوح علیہما السلام کا درمیانی زمانہ دس قرن
ہے۔ جبکہ اسی دوران کے سبھی لوگ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد تھے
حقہ کے منبع تھے۔

درج بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا
نوح علیہ السلام تک، پیغمبر آخر الزمان کے باپ و ابا بھی لوگ موجود ہیں تھے بلکہ وہ

سات قطب مذکور آنحضرت کے آباؤ اجداد میں سے ہوا کرتے تھے۔ ورنہ دو خرابیاں لازم ہیں۔

اول :- یہ کہ دوسرے لوگ اُن سے بہتر ہوں جو کہ صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ (یعنی نور مبین بہترین اور افضل و اعلیٰ صلب و رحم میں منتقل ہوتا رہے۔)
دوم :- یہ کہ یہی خود آباؤ اجداد دوسروں سے بہتر ہوں جبکہ انہیں مشرک بھی قرار دیا جائے جو کہ اجماع امت اور عقل و قیاس کے خلاف ہے۔ جبکہ قرآن مجید کا فیصلہ ہے۔ ولعبد مومن خیر من مشرک، ایمان دار عظام مشرک سے بہتر ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد، بہتر و برتر اور موحد و مومن تھے۔ فلتقید بر۔

فیروز :- امام المتکلمین فخر الدین الرازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر کبیر میں زور دے کر فرماتے ہیں کہ آنحضرت کے آباؤ اجداد ملت ابراہیمی رکھتے تھے مسلمان اور موحد تھے۔ احادیث و آثار سے رسول کریم کے آباؤ اجداد کا موحد و مومن ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ بوجہ اختصار اس رسالہ میں انہیں شرح و آرز ذکر نہیں کیا جاتا اور جنہیں تشریح و توضیح مقصود ہو تو وہ لوگ علامہ مخدوم محمد ہاشم رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف "فتح القوی فی اصلاب النبی" کا بغور مطالعہ کریں۔ آپ نے احادیث صحیحہ اور آیات قرآنیہ سے استدلال قائم کر کے نبی پاک کے آباؤ اجداد از آدم تا این دم کو مومن و موحد ثابت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مخدوم حساب رحمۃ اللہ علیہ کو جلد بریں میں مقام عالی عنایت فرمائے۔ آمین !



مکتوب ۲

۲۲

جناب عالی! بندہ احقر کی گذارش سے کہ چند طلبہ عقلی علم کے کرہمارے علاقہ میں گھس آئے ہیں اور کچھ موضوع احادیث اور چند آیات منسوخہ جن کا مطلب مفہوم توڑ مروڑ کر بطور وعظ و نصیحت عوام کو سنایا کرتے ہیں اور ان کا موضوع وعظ صرف یہ ہوتا ہے کہ دور سابق میں بیری مریدی پائی جاتی تھی لوگ بزرگان دین صاحب ارشاد و ہدایت کی صحبت سے فیض یاب ہوا کرتے تھے چنانچہ شیخ فرید الدین گنج شکر شیخ بہاؤ الدین زکریا غوث پاک محبوب سبحانی یہ ایسے ولی و قطب تھے کہ بے حد و حساب و حیران کن خوارق عادات اور کرامات، ان سے سرزد ہوتی رہیں اور راہ راست کے ناشناس انسان، ان کے فیضان صحبت اور حصول متابعت سے بہرہ گیر اور حصہ پذیر ہوتے رہے۔ مگر اب اس دور میں کوئی شخص مریدی کے لائق ہی نہیں رہا تو پیری کے قابل کہاں سے ملیں گے۔

اب تو طرفہ تماشہ یہ ہے کہ بزرگان دین کی موجودہ اولاد، سالوسی خرقہ اور مکرو فریب کے ساتھ فقیرانہ کلاہ سر پہن کر پیر بن بیٹھی بے اور لوگوں کو اپنے مکرو تنزیر میں پھنسا کر بیعت کر لیتے ہیں جنہیں راہ ہدایت مہینہ نہیں آتی یہ سبھی لوگ، دین کو دنیا سے بیخ کر کھانے والے ہیں۔ اور ان کا کہنا ہے کہ ایسے پیر مریدوں کو قال اللہ و قال الرسول کی طرف قطعاً رغبت نہیں دینا چاہتے اور ایسے دھوکا باز پیر اپنے قول و فعل کو حجت قرار دے کر اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

واجب الاحترام میرے مُرشد! وہ بے دین لوگ، زور دے کر کہتے ہیں کہ لوگو! شریعت پاک کو سزا کھوں پر رکھتے ہوئے موجودہ زمانہ کے پیروں کے قول و فعل کو جیوڑ دو اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرو اور ایسے مکار اور فریبی پیروں کی صحبت سے باز رہو۔ یقیناً ایسے لوگوں کی بیعت میں دین و دنیا کا سراسر نقصان ہے۔

غریب نواز! ایسے نامبارک کلام سن کر اکثر لوگ اپنے پیرانِ عظام کے اُوراو
 و ظائف چھوڑ بیٹھے اور بہت کچھ لوگ بیعت ترک کر کے سلوک کے لحاظ سے مرتد
 ہو رہے ہیں اور عوام، ان مغرب زدہ لوگوں کے زیر اثر ہمیں اذیت دینے پر تمل بیٹھے ہیں۔
 وقت کا تقاضا ہے کہ بیعت کے جواز کو ثابت کیا جائے اور اس کی دینی دُنیاوی
 سعادتوں کو اجاگر کیا جائے۔ براہِ نوازش اپنے مبارک ہاتھ سے پیری و مریدی کے حقوق و شرائط
 لکھ بھیجیں تاکہ ہم سبھی بیہ علم غلام اس پرکار بند رہ سکیں اور دیگر مخلوق بھی ایسے متذکرہ
 گمراہ کار لوگوں کے بہکاوے میں نہ آنے پائے اللہ رب العالمین ہم سب کو راہِ ہدایت نصیب
 فرماوے۔ آمین!



جواب

(۲۳)

برخوردار بعد از سلام سنت خیر الانام۔ آپ کا بھیجا ہوا مراسلہ مشتمل برکوائف حالات دوح بالا، موصول ہوا پڑھا فریب کار اور گمراہ ساز لوگوں کی طبیعت نگاہوں میں دوڑنے لگی جو روحانیت اور حقیقت کے اسرار و رموز کو نہیں سمجھ پاتے ہیں۔

میرے عزیز! ہدایت، نہ ہمارے ہاتھ ہے نہ تمہارے ہاتھ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سعادت ازل ہے جسے نصیب ہو وہ ہدایت پا جاتے ہیں اور ابدی بدبختی میں گرفتار ہمیشہ گمراہوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

ہر سو دو دو انگس کز در خویش براند!

آزرا کہ بخواند مدرکس ندواند! ! !

اللہ تعالیٰ جنہیں اپنے دروازہ سے بھگادے وہ پریشان حالت میں ہر طرف دوڑتا پھرتا رہتے اور جسے اپنے پاس بلائے وہ کہیں نہیں جایا کرتا۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ علامہ ابن المنذر اپنی تفسیر میں بسند صحیح حضرت علیؓ سے روایت فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَزِلَ عَلَيْهِ وَجِبُ الْأَرْضِ فِي الدَّيْرِ سَبْعًا مُسَلِّمُونَ فَصَاعِدًا فَنَوَلَا ذَلِكَ هَلَكُ الْأَرْضِ وَمَنْ عَلَيْهَا أَوْ كَمَا قَالَ۔

نبی پاکؐ نے فرمایا ہر زمانہ میں روئے زمین پر سات یا اس سے زیادہ کھل مسلمان اقطاب رہا کرتے ہیں ایسے ہی اگر یہ لوگ نہ ہوں تو دنیا و مافیہا کا نظام و عہد برہم ہو جاتے۔

نیز: کہو اجا تلب سے کہ جہان والوں کی مثال ریوڑ کی سی ہے اور اللہ دوائے کام انسان چرواہے ہیں جس طرح چرواہے کے بغیر ریوڑ سلامت نہیں رہ پاتا کیونکہ ریوڑ کے شکار

کرنے میں بے شمار بھیڑیے پائے جاتے ہیں اور ریڑ کو ان بھیڑیوں کے شر سے امان میں رکھنا، سوائے چرواہوں کے ممکن نہیں ہے۔ چونکہ ریڑ بکثرت پائے جاتے ہیں ان کے پیچھے گردوغبار آسمان تک پہنچا ہوا ہے۔ اس غبار کی موجودگی میں، چرواہے آنکھوں سے اوجھل ہو کر، نظر نہیں آتے اور گردوغبار کی شدت اور کثرت کے سبب، لوگ ان چرواہوں کو بھی ریڑ کا فرد شمار کرنے لگے، میں اور انہیں بھی بھیڑ بکری سمجھے ہوئے ہیں۔

گدہ بیند بر روز شپہرہ چشم

چشم آفتاب را چہ گناہ

چمکا ڈر، اگر دن میں آنکھیں نہ کھول سکے تو سورج کا کیا قصور؟

مگوار باب دل رفتند و شہر عشق خالی ماند

جہاں شمس تبریز دست کو مڑے چو مولانا؟

نہ کہا جائے کہ دل دلے نہیں رہے اور عشق کا شہر خالی ہو رہا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا جہاں شاہ شمس الدین تبریز سے اڑا پڑا ہے مگر انہیں ڈھونڈ نہ کلنے کے لئے مولانا روم جیسے مرد نہیں رہے۔

سابقہ اور لاحقہ وقت کی قید لگا دینا اور پھر فتوے جڑ دینا کہ پہلے دور میں اہل اللہ بکثرت پائے جاتے تھے اور اب نہیں رہے، محض خطا اور حرف بے جلتے بلکہ حدیث مبارکہ کے خلاف ہے۔ جب کہ سید العالمین پر وحی کا آنا جانا نہیں رہا۔ تو ان مسکریں ولایت کو کیسے علم ہوا کہ پہلے زمانہ میں اہل اللہ بکثرت پائے جاتے تھے اور اب درجہ ولایت منقطع ہو گیا ہے شاید انہیں شیطان ابلیس کا اہام ہوا ہے جو کہ انساں کا ظاہر باہر دشمن ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس زمانہ میں اولیائے عظام پر شخص کو نظر نہیں آتے اور نہ وہ خود اپنے آپ اعلان ولایت کرتے رہا کرتے ہیں۔ البتہ ان کا جاہ و جلال سے بھرا ہوا چہرہ دیکھنے سے مرید صادق کو ان کی شورت و سیرت سے فریفتگی اور شفیتگی ضرور پیدا ہوتی ہے۔ لہذا ان سے بے اعتقاد نہیں ہونا چاہیے۔

جلوۂ حسن و جمالش در جہانت عیاں !
لیک نبود قابل دیدارِ اُو ابصار ما ؛
ان کے حسن و جمال کے جلوے ہر جگہ موجود مگر ہماری آنکھیں اسے دیکھنے کے
قابل نہیں ہیں۔

شیخ کامل کا بظاہر ہمیں نظر نہ آنا، کا سبب ہماری اپنی بے اعتقادی ہے۔ ورنہ
صحیح العقیدہ لوگ، مقصود اصلی تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس لئے کہ شیخ کامل تو مرآة الحق
ہے یعنی حق نما آئینہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال کا عکس موجود ہوتا ہے۔
شیخ فعال است بے آلہ چوں حق بامریان داد بے گفشن سبق
دو مبین و دو مدان و دو مخوان خواجہ را در خواجہ خود محوان
گم کنی ہم متن و ہم دیباچہ را گر جہانی ز حق تو خواجہ را
شیخ کام کرنے والا ہے، غیر ہتھیار کے حق کی طرح مریدوں کو بغیر گفتگو کے سبق
پڑھاتا ہے حق اور شیخ کو دونہ سمجھ، دونہ جان اور دونہ کہہ خواجہ مرشد کو خواجہ حق میں جو جان
متن اور دیباچہ دونوں کو گم کر بیٹھو گے اگر تم نے حق سے خواجہ مرشد کو جدا سمجھا۔
(مثنوی جلد حکایت)

راہ سلوک میں مرید صادق کے صدق ارادت اور مضبوط عقیدت، پہلی شرط ہے
تاکہ مطلوب و مقصود حاصل کیا جاسکے اس میں پیرو مرشد کی عظمت چنداں شرط نہیں
اس مناسبت سے ایک واقعہ ذخیرۃ الشائخ میں نقل ہے۔
ایک شخص تھامساری عمر بیروسیاحت میں گڈری مگر کسی اہل اللہ پر دل نہ
ہکٹ سکا۔ ایک رات ناچار دل میں ٹھانی آج صبح سویرے گھر سے نکلتے ہی اللہ کی
مخلوق میں سے باہر والان میں جو بھی مل جائے گا اور میری دل و نظر میں اچھا لگا سرارادت اس
کے قدموں میں رکھ دوں گا۔ عقیدت کی رسی اس کے ہاتھ پیرد کر کے خود اس کی بیعت
ہو جاؤں۔ صبح سویرے گھر سے نکلا دریا کے کنارے جا پہنچا وہاں ایک خوبصورت اور
اور دل کو بھلنے والا خوش منظر درخت دیکھا۔ فوراً غسل کر کے درخت کا دامن پکڑ لیا اور

کہنے لگا میں تیرا مرید ہو چکا اسے طرح پر صبح اس درخت کے ارد گرد طواف کرنا عقیدت کا اظہار روح و دل سے اپنی ارادت ظاہر کرتا جاتا تھا۔ اچانک دریا کے پانی میں طوفان آگیا درخت کی جڑیں کٹ گئیں اور دریا بڑ ہو گیا۔ مرید صادق نے آہ کھینچی اور اپنے پیرو مرشد درخت موصوف کے پیچھے دریا کے اندر چھلانگ لگادی۔ اس کی ہلاکت سے پہلے ایک شخص صاحب کمال اوصاف حمیدہ سے موصوف، پانی سے نمودار ہوا اور اس مرید صادق سے کہنے لگا کیوں غرق ہونا چاہتے ہو جواب دیا اپنے پیرو مرشد کی اتباع میں! بہتے ہوئے بزرگ نے فرمایا ارے نادان، درخت کبھی پیر ہوا کرتے ہیں؟ مرید صادق نے پوچھا تم کون ہو جواب بلا میں خضر ہوں اور تیری تعلیم کے لئے آیا ہوں تو نے جس کو پیر بنایا وہ تو ایک درخت ہے۔ جواب دیا حضرت! پہلے تو کبھی آپ نہ تشریف لائے جب وہ درخت مرشد ملا تو آپ بھی ملے یہ سب اس مرشد درخت کی کرامت و برکت ہے کہ آج آپ سے ملاقات ہو گئی بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایسے مرشد کا دامن چھوڑ دوں اور اس سے فیض یاب نہ ہوں یہ سب برکت حسن عقیدت اور صدق ارادت کے طفیل ہے اللہ نصیب کرے آمین!

پیر کامل اگر قصور دروست!

اعتقاد مرید ہر اوست!

پیر کامل میں کچھ کوتاہی ہو تو مضاائقہ نہیں مرید کی حسن عقیدت اُسے منزل مقصود تک پہنچنے کی راہ دکھلا دیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ شیخ کامل کی طلب اور اس کی جستجو میں تسابلی کبھی روا نہیں ہے

مَنْ لَاشِيْخٍ لَّكَ فَشَخِيْرُ الشَّيْطَانِ (رواۃ)

خواجگی بے پیر بودن کار ناداناں بود!

ہر کرا پیرے نباشد پیرا و شیطان بود

شیخ کامل کی اجازت و ارادت کے بغیر مخدوق کو مرید کرنا سراسر نادانی ہے جنہیں

پیر مہتر نہ آئے ان کا پیر شیطان ہوتا ہے۔

شیخ کی طلب میں بے شمار فوائد ہیں۔ مَنْ طَلَبَ شَيْئًا وَجَدَ وَجَدَ حَسْبُ كَسْبِ نَے کسی چیز کی طلب میں کوشش کی اُس نے پایا۔

نیز بیعت کے بعض مسائل، نکاح کے مسائل پر مبنی ہیں اور بعض مسائل، امام و مقتدی کے مسائل پر متفرع اور بعض خرید و فروخت کے مسائل پر موقوف ہیں۔ کتب فقہ میں ہے۔ الْمُنْتَظَرُ لِلصَّلَاةِ كَأَنَّهَا فِي الصَّلَاةِ۔ نماز کا انتظار ہی، گویا کہ خود نماز میں ہے۔ اس مقولہ میں صاف ارشاد ہے کہ شیخ کامل کی جستجو، خود شیخ کامل کی صحبت اور اس کا فیضان ہے۔ لہذا جب کبھی کامل انسان میسر ہو فوراً بلاتا خیر اس کا مرید ہو جانا چاہیے۔

مسائل یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اگر مرید اپنے خاندانی بیرو و مرشد کی اولاد میں سے کسی ایک بزرگ شخصیت کا بیعت ہونا چاہتا ہے تو ہزار ہا ضروری کام ہوں، موقوف کئے فوراً شیخ کامل کی خدمت حاضر ہو کر بیعت ہو جائے۔

نابالغ بچے کو بیعت کرنا بھی شریعت میں جائز ہے مگر طریقت میں جائز نہیں ہے بعض مشائخ کا خیال ہے کہ مرید کا بالغ ہونا شرط نہیں۔ ماں باپ یک روزہ بچے کو بھی شیخ کی خدمت میں لے جا کر بیعت کرا دیں (روایت ہے) جب بچہ بالغ ہو جائے اور وہ شیخ فوت ہو چکا ہو تو اسی شیخ کے کسی خلیفہ مجاز سے ارشاد و اجازت اور ادنا حاصل کر کے بیعت پسلی برقرار رہے گی۔ اور اگر اپنے شیخ کامل متوفی کے کسی ایک خلیفہ کے ہاتھ پر تجدید بیعت کر لے تب بھی جائز ہے۔ البتہ ادب و احترام دونوں کا ضروری ہے۔

ایک غلام کو اپنے مالک و مولیٰ کی اجازت کے بغیر کہیں بیعت ہونا جائز نہیں ہے اگر بیعت ہو تو مالک و مولیٰ نے قبول کر لیا تب بیعت جائز ہے ورنہ مردود ہے۔

بعض مشائخ نے فرمایا اگر شیخ کامل میسر آیا ہے تو مالک و مولیٰ کی اجازت ضروری نہیں خاوند کی رضا لٹے بغیر، بیوی کا ہمیں بیعت ہونا جائز تو ہے اس لئے کہ مرید، کا معنی ہے اپنے گناہوں سے توبہ اور اپنی کوتاہیوں کی غذرخواہی کرتے رہنا۔ البتہ اچھا اور بہتر یہ ہے کہ میاں بیوی ایک ہی پیر کامل کے مرید ہوں تاکہ دونوں قیامت میں اپنے شیخ کے طفیل اکٹھے

رہیں۔ اگر۔۔۔۔۔ شیخ کامل، اپنی بیوی کو بیعت کر لے اسے ذکر و شغل کی تلقین فرما دے تو بھی جائز ہے۔

بعض ولفاس کی حالت میں بیعت ہونے میں خرچ نہیں البتہ حالت جنب میں غسل کر لینا ضروری ہے۔

مرید و پیر، ایک دوسرے کی دختر نیک اختر سے شادی کر سکتے ہیں۔

(کذا فی کتب المشائخ)

فائدہ: کتب مشائخ میں لکھا ہے کہ اصحاب ارادت اور ارباب سعادت مرید بیعت ہونے کا ارادہ لے کر جب شیخ کی خدمت حاضر ہونا چاہتے تو حسب استطاعت، مٹھالی اور پھول ساتھ لے جائے اور احترام ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے خادم خاص سے عرض کرے کہ مجھے شیخ کامل کی خدمت لے جا کر شرف بیعت سے نوازا جائے۔ خادم، شیخ کی خدمت ارادت مند مرید کی بیعت ارادت عرض کر دے شیخ قبول فرمائیں تو مرگنہ قد مبوسی ہو۔ مگر مرید کی سچی ارادت کا امتحان لینا ضروری ہے لہذا شیخ عذر معذرت کرتے ہوئے ارشاد فرمائیں گے۔ میرے عزیز! میں نہ تو پیری کے لائق اور نہ مریدی سے واقف و آگاہ ہوں مجھ سے کہیں ہتر و برتر دنیا میں کاملین موجود ہیں آپ ان کی بیعت ہو جائیں۔ جب سعادت مند صادق مرید عقیدت کا پختہ اور اسخ ارادت نکلتے تو شیخ کامل اسے وضو کا حکم دین اور خود بھی وضو فرما لیں گے۔ دو تین دفعہ استغفار کا تکرار کیا جائے۔

بیعت ہونے کا طریق :-

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَيْهِ، بعدہ مرید دوزانو، اپنے شیخ کے روبرو بیٹھ جائے۔ اپنا دایاں ہاتھ، مرید کے دونوں ہاتھوں میں دے کر اس کے کان میں کہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُهُ وَاُوَلُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَدُنَّ اِلٰهٍ اَلْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (پارہ ۳ رکوع ۱۰) اور اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (پارہ ۳ رکوع ۱۰) اللہ تعالیٰ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور عالموں نے بھی انصاف سے قائم ہو کر گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عزت

والا حکمت والہمتے۔ اور بے شک اللہ کے ہاں پسندیدہ دین اسلام ہے۔
 بعدہ مرید آیت قرآنی کی رو سے، **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوَلُّوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا**۔ (پارہ
 ۲۸ رکوع ۲۰) اے ایمان والو اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کی طرف نصیحت ہو جائے
 اپنے معلوم وغیر معلوم گناہوں سے توبہ کرے اور زبان دل و جان سے کہے کہ میں شیطانی کام
 کفر و ضلالت بدعت (سینہ) سے میزار ہوں اور میزار رہوں گا اور اپنے شیخ کامل کی ولایت
 و ہدایت کے مطابق، اللہ رب العالمین کے اوامر و نواہی کی بدل و جان اطاعت و پابندی
 کروں گا۔ **دَبْنَاكَ تَزِعُ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ جَهِدْنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ**
أَنْتَ الْوَهَّابُ (پارہ ۳ رکوع ۹) یہ آیت پانچ دفعہ پڑھی جائے۔ بعدہ مرید ایک دفعہ
 ”محمد رسول اللہ“ کہے اور اب شیخ کامل اسے نصیحت فرمائیں گے کہ شریعت محمدیہ کی پیروی
 ہو اور ہاتھ زبان جو طرح کو ہر طرح سے محفوظ رکھا جائے اور مرید دل اور زبان سے اس
 عہد کو نبھانے کی ذمہ داری عرض کرے گا اور مرید کو مناسب اوراد و وظائف کی اجازت دی
 جائے گی۔

شیخ کو چاہیے کہ مرید سے دریافت کرے کہ کس خاندان اور سلسلہ سے بیعت کرنا چاہتا ہے پس اس سلسلہ
 میں بیعت کرے یعنی مرید سے کہا جائے گا کہ تمہیں جناب سالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے
 خلفاء والا سلسلہ منظور ہو تو تمہیں اس میں بیعت کیا جائے اور اگر مرید کسی سلسلہ کا تعین
 نہیں کرتا تو شیخ کو ضروری ہے کہ اسے چہار سلسلہ میں سے کسی ایک مناسب حال سلسلہ
 میں داخل کرے۔ اور اب اسے مبارک دی جائیگی، **مَا شَاءَ اللَّهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ**،
 موجودہ ٹھکانی شیخ کی نذر گزاری جائے وہ تقسیم ہوگا پھر مرید قدس جو محفل میں
 موجود حاضرین سے مصافحہ کرے تو مرشد کریم رب کے حق میں خصوصاً مرید جدید کیلئے ایمان کی
 سلامتی اور دین و دنیا کی تیر و بیکت کی دعا فرمائیے گا۔

اجازت ہوتے وقت پس پشت تین پارہ قدم نکل کر ہمیں مناسب جگہ بیٹھ جائے
 اور شیخ کے حسن و کمال کو دیکھتا رہے جب تصور شیخ نصیب ہو رہے نصیب اور نہ پھر
 بھی شیخ کامل سے بے توجہ نہ رہے۔ (کذافی کتب المشائخ العظام)

فائدہ :- یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مرد و عورت کی تلقین و تربیت میں چند ان تفاوت
و تجاوز نہیں سوائے اس کے کہ اکیس عورت بیعت ہونا چاہے تو وہ پردہ پوش ہو کر
حاضر ہو اور اسے بیعت کرنے کا طریق یہ ہے۔

رومال کا ایک کونہ شیخ کے ہاتھ میں اور دوسرا کونہ پردہ دار عورت کے ہاتھ ہو اور
درج بالا طریق سے اسے بیعت کر کے سلسلہ میں داخل کیا جائے ہمارے خاندان میں ہی
اسم مروج ہے اور بعض مشائخ کا وطیرہ یوں ہے۔

کلاہ یا دامنی پر کلمہ توحید لکھ کر اس کے گلے میں ڈال دی جاتی ہے۔ اور اگر بہت
سی عورتیں بیعت ہونے کی غرض لے کر حاضر ہوں تو کسی برتن میں پانی بھر کر لایا جائے عورتیں اپنا
سر پنجہ اس پانی میں مع انگشت شہادت رکھ لیں تب شیخ کامل انہیں تلقین و تبلیغ کرتے جائیں
اور دوسرا طریق وہی ہے جو ایک عورت کو بیعت ہونے کے لئے پہلے لکھ دیا گیا ہے۔

فائدہ :-

جب کسی ایک شخص کے دل میں شیخ کامل کے ساتھ اپنی ارادت و انابت کی پیوند کاری
زوروں پر آئے مگر پیر کامل کے حضور پہنچ پانے سے قاصر ہے خواہ سفر دور و راز کا ہو کوئی
طبعی عذر ہو، بدن کمزور ہو یا دوسرے موانعات ہوں تو اپنے کسی خیر خواہ کو پیر کی خدمت بھیجے
جو کہ اپنے موکل کی طرف سے بیعت ہونے کی آرزو کرنے اور شجرہ و کلاہ کی طلب کرے۔
مُرشد کامل سے شجرہ و کلاہ وصول کرنے کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے
خیر خواہ کے دونوں ہاتھوں میں مرید دائیں ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھے گا کیا تمہیں معلوم ہے کہ
مجھے مُرشد کامل نے اپنی مریدی میں قبول کر لیا ہے وہ خیر خواہ اپنے موکل کو جواب دے گا
جی ہاں قبول فرمایا ہے۔ پھر کلمہ استغفار کلمہ طیب اور ایمان مفصل کے کلمات طیبات کا
ورد کیا جائے۔ اَمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ مَدَدْتُ كَلِمَتَهَا وَ رُسُلَهَا وَ كَتَبْتُهَا وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرِ وَ الْقَدْرِ خَيْرًا وَ شَهِدْتُ
مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ اَبْعَثْتُ بَعْدَ الْمَوْتِ — پھر شیخ کا شجرہ، پڑھ کر موکل مرید کو سنایا جائے
اگر قاصد و کیسل اور مرید صادق بھی ان پڑھ ہوں تو وکیل اپنے موکل سے کہے گا کیا تم
نے پیر کامل کی بیعت قبول کر لی ہے۔ مرید جواب دے گا جی ہاں تو بیعت و ارادت پختہ

ہو گئی۔

اب مرید کیلئے ضروری ہے کہ ناقص اور فریب کار لوگوں کے بہکانے پر فضول باتیں اور وسوسے اپنے دل میں نہ آنے دے اور اس کو چڑھانا ان سے ٹمنہ نہ پھیرے بلکہ تین عقیدت اور سچی ارادت کے ساتھ اپنے پیرِ کامل کی اجازت اور تلقین و تبلیغ پر کار بند رہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ مرید دو قسم ہوتا ہے شفاعتی اور حقیقی شفاعتی مرید تو وہ ہے جو صرف سفارش کا طلبگار ہوتا کہ شیخِ کامل کی شفاعت و سفارش سے قیامت کے روز نجات پائی جاسکے اور بس۔ اور ایسے شفاعتی مرید بیعت ہونے کے بعد بار بار شیخ کے حضور نہیں آتے جلتے اور ایسے رسمی مریدوں کے مردود و مقبول ہونے کا بار و مدار پیر و مرشد پر ہے۔

وہی شہاگن ہو جسے پیا چلے

اگر کوئی مرید اپنے شیخ کی زندگی میں کسی اور کی بیعت و ارادت کی جانب توجہ کرتا ہے تو وہ طریقت میں مرد مردود اور حقیقت میں بیدین ہے جس طرح شریعت میں دو مرد ماننا کفر ہے بعینہ اسی طرح طریقت میں دو موجود جاننا یعنی دو پیر بنا لینا بھی مناسب نہیں ہے۔

حقیقی مرید وہ ہے جو مال و متاع اور عیال و اطفال سب نوشی قبیلہ چھوڑ کر پیر و مرشد کی خدمت گزاری اور صبح و شام کفش برداری کو اپنے اوپر لازم کرے آستانہ کی جاوہر کشی کو سعادت سمجھے۔ جی ہاں یہ حقیقی مرید جس نے شیخ کی خدمت میں مطلب انسی اور مقصد معنوی نہ پایا ہو وہ دوسرے شیخ کی خدمت نہجت اختیار کرے تو بنا نہیں ہے۔

اے برادر! ساکان محکم الدین اور طالبانِ راسخہ یقین، سچی عقیدت کے میدان میں جب قدم رکھ لیتے ہیں تو پھیر کبھی بھی ان کے دماغ کے دامن پر گزور اعتقاد کی کاغبار نہیں بیٹھ سکتا اور پیر و مرشد کی ولایت اور بزرگی کی بابت فضول باتیں اور وسوسے قطعاً ان کے دماغ میں نہیں گزرتے کیونکہ انسان جس خلقت کے اعتبار سے اشرف المخلوق ہے تمام کائنات سے بہتر و برتر سمجھا جاتا ہے۔

مزید تحقیق و اعتقاد کے زیر اثر یہ جانتا ہے کہ میرا مرشد و اعلانِ حق میں سے ہے

اور حقیقی محبوب مجھے میسر ہئے و لیکن مجھ میں مطلب و مقصد تک رسائی کرنے کی صلاحیت نہیں ہئے۔

مزید برآں مطلب کا حصول اللہ تعالیٰ کی عنایت پر موقوف ہئے اگر کسی دوسرے بزرگ کی توجہ کی ضرورت ہے تو اندر میں حالات کسی دوسرے بزرگ کی طرف توجہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

چنانچہ مشائخ عظام فرماتے ہیں بعض سالک ایک پیر کے ذریعے ذات حقیقی تک پہنچے اور بعض دو پیروں کے ذریعہ خدا رسید ہوئے حضرت مخدوم جہانیاں جہان گشت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے ایک سو مرشد کے توسط سے ذات حق تک رسائی ہوئی جب کبھی ایک پیر و مرشد سے تاخیر ہوتی دیکھی دوسرا پیر بنا لیا تمیرا اختیار کر لیا مگر پہلے مرشد سے دل برداشتہ بھی نہ ہوا۔ بلکہ سبھی مشائخ میرے مربی و مولیٰ مشفق و مخلص رہے۔
(ذخیرۃ المشائخ)

جاننا چاہیئے کہ دوسرے بزرگ کی طرف عقیدت و ارادت کے ساتھ توجہ کرنا اس شرط پر جائز ہے کہ بندہ سالک، یتیم ہو چکا ہو یعنی اس کا مرشد وفات پا چکا ہو ایسے وقت میں اپنے پیر و مرشد کی اولاد اور اس کے خلفاء کو پیر و مرشد بنا لیا جائے اور ان کے حضور مال و اسباب نذر گزارے نہ متنگاری اور فعل بزوری اپنے اوپر لازم کرے۔ مطلب و مقصد حاصل کرے بشرطیکہ اولاد امجاد اور خلفائے راشدین کو شیخ و مرشد سے متابعت تمام اور نسبت تمام حاصل ہو چکی ہو۔

اگر کوئی مرید اپنے پیر و مرشد کی زندگی میں کسی اور کی پیروی اور تلقین کی جانب توجہ کرتا ہے تو وہ ہمیں سے کوئی حقتہ نہیں پاتا۔ ممکن ہے کہ پیر و مرشد کو یہ بات گراں گزرے اور اگر اپنے پیر و مرشد کی اجازت اور رخصت کے بعد، دوسرے شیخ کی ہمت میں مصروف ہو تو مرید کو یہ چاہیئے کہ جو برکت و نعمت اس پیر سے پائے وہ اپنے پیر و مرشد کی مقبولیت کے آثار سے جانے۔ اللہم ادرنت اخدمتہ الشیخ فی الدارین بحق سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم۔

مکتوب ہدٰی

(۲۵)

جناب عالی! گذارش نیاز آمارہ عجز شاعر اینکہ علم و ہدایت سے بے بہرہ لوگ
 ہوا ہو س میں مُبتلا ہو کر عیش و عشرت کی رغبت میں ساری ساری رات غفلت کی نیند
 سوتے ہیں۔ مگر انوالاشان کے غلام لوگ، باقیماندہ تہائی رات میں اپنے گرم بستروں اور
 نرم بچھینوں سے اٹھ کر نماز تہجد کے بعد، (بہتجی نیت کے ساتھ) ذکرِ جہر میں مشغول ہو جاتے
 ہیں اور غافل لوگ، انہیں ذکرِ جہری سے روکتے ہیں کہ ہماری نیند خراب نہ کریں۔ اللہ
 رب العالمین کی عبادت کرنا ہے تو ذکرِ شفی سے کریں جو سب سے اچھا طریق ہے تاکہ
 تمہاری آواز کی شدت، ہمیں بے آرام نہ کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ علم و بصیر اپنے بندوں
 کے افعال اعمال اور اقوال سے خوب وانا بینا اور شنو ہے اور آپ کے شور و شغف میں
 سولے ریا و شہرت کے اور کیا غرض! ریا آمیز عبادت کا ترک کر دینا تو زیادہ اچھلے۔ الخ
 غریب نواز! آیات و احادیث کی روشنی میں ذکرِ جہر کے بارے میں جو راہِ صواب ہو
 زیب رقم فرما کر بھجوائیے تاکہ ہم بھی غلام آپ کی تحریر کو سزا قرار دیتے جوئے اس پر عمل کریا
 کریں یا اللہ ہم بھی مریدوں کے سر پر آنحضرت کا آفتابِ مکرمیت جہاں تاب روشن رکھے۔
 آمین ثم آمین!



جواب ۲۵

برخوردار بعد از سلام واضح یاد

سب سے بہتر عبادت وہ ذکر الہی ہے جو ریا اور دکھاوے سے پاک ہو۔ اللہ کا ذکر کثرت سے ہونا چاہیے آہستہ آواز ہو یا بلند۔ بیٹھتے اٹھتے سوتے جاگتے جہاں کہیں ہوں ذکر خدا سے غفلت روا نہیں ہے۔ حالتِ ذکر میں گریہ وزاری کرنا سعادت ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کوہ عرفات پر چڑھ گئے میں بھی آپ کے ساتھ تھا دو رکعت نماز پڑھی قبلہ رو،

کلّ طیب الا الا اللہ زبان پر جاری رہا کہ دونوں آنکھیں مبارک اتنی اشکبار ہوئیں کہ آنسو

چشمان مبارک سے گزر کر سینہ پاک اور زانو تکی کہ زمین پر آ رہے انوالاشان کو گریہ فرماتے

میں نے دیکھا تو بلا ساختہ مجھے بھی رقت طاری ہوئی جب تھوڑی دیر بعد خاموش ہوئے اور

مجھے روتا دیکھ کر فرمایا۔ واہ واہ کیا ہی اچھا ہے کہ آج تمہاری آنکھوں میں بھی آنسو ہیں میں نے

عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ کو روتا دیکھ کر مجھے بھی رونا آیا فرمایا: طوبی لمن یحزّک

لسانہ ما یذکرہ وافاضت عیناہ بشوق اللہ اذکما قال۔ مبارک ہے وہ انسان جس کی

زبان ذکر خدا سے حرکت کر رہی ہو اور اس کی دونوں آنکھیں اللہ تعالیٰ کی محبت میں رو

رہی ہوں اور فرمایا اپنے دلوں کو، ذکر خدا سے زندہ رکھئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (پارہ ۱)

رکوع ۲ البقرہ ۱۵۱ اذکرونی اذکرکم تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ مفسرین کے

نزویٰ آیتہ مقدسہ کی تفسیر یوں آئی ہے۔ اذکرونی بالتذکر فاذکرکم بالتفضل تم متواضع

بن کر میرا ذکر کرو میں فضل و بزرگی کے ساتھ تمہارا ذکر کروں گا۔ اذکرونی بالغدرة اذکرکم

بالغضرة۔ اذکرونی بالادب اذکرکم بالافادة۔ تم معذرت کرتے ہوئے میرا ذکر کرو میں

تمہاری مغفرت کر کے تمہارا ذکر کروں گا تم مجھے ارادت و عقیدت سے یاد کرو میں تمہیں

فائدہ دیتے ہوئے ذکر کروں گا۔

عارف لوگ حضور قلب سے ذکر کرتے ہیں پک جھپک بھی ذکر سے غافل نہیں ہوتے کیونکہ ان کی زندگی اللہ کے نام میں ہے اور ان کی خوشی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہے۔

آناں کہ بجان و دل اور یاد کنند

جان و دل خود بسیار اوشاد کنند

شیخ ابوالحسن نورقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تیرن یاد سے غافل ہو کر بھی نہیں رہا

جاسکتا اور اگر تجھے یاد کرنا پناہوں تو تیری اے نیازی سے ڈر سا لالہ سے مجھ جیسے غالی کی زبان پر تجھ جیسے باقی کا ذکر کس طرح جاری رہے؟

پتوں پر گاہ گفتن نام تو رشک آیدم ز وہان خود!

بزبان بر کس وفا کسے ذکر تو بہر چہ را رود

صبح سویرے تیرا نام کہتے ہی اپنے منہ پر رشک کرتا ہوں تیرا ذکر مبارک بر لائق و

الائق کی زبان پر کیونکر ہو سکتا ہے۔

بیان کیا جا رہا ہے کہ کبھی بزرگ نے حضرت ابراہیم بن ادم رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں

دیکھ کر عرض کیا اے خیر و برکت سکھانے والے! مجھے بھی کچھ سکھائیے فرمایا "تسسم کی

خیر و برکت، ذکر الہی میں ہے اور بر قسم کی شرارت و نخورت، دنیا کی محبت میں ہے

یہ بھی جاننا چاہیے کہ تمام اعمال خیر اور عبادات کا مقصود، ذکر حق تعالیٰ کلمے میں

مازبے، مگر وہ بھی اللہ کریم کا ذکر ہے۔ اِنَّ الْقَسْوَةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ

وَالْبَغْيِ وَلَذِكُّ اللّٰهِ الْبَرُّ (پا ۲۱، رکوع ۲۱) بے شک نماز منع کرتی ہے سبے حیوانی اور بری

بات سے اور بیشک اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت بڑی چیز

ہے اس لئے کہ وہ اللہ کا کلام ہے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے میں شہوات و

خواہشات کی شکست و ریخت ہوتی ہے مگر جس وقت دل اور روح تمام حیوانی شہوات خیا

سے بیکر پاک و صاف ہو تو وہ دل اور روح، ذکر الہی کا مسکن اور بنائے قرار بن جاتا ہے

اسی طرح خانہ کعبہ کی زیارت کا مقصد عمل بھی اللہ تعالیٰ کو یاد دہانے اسلام کی بنیاد

کلمہ طیبہ "لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ" ہے مگر وہ بھی اللہ کا ذکر ہے۔ علیٰ ہذا القیاس تمام عبادتوں کیلئے ناکیدی حکم ہے کہ انہیں ہمیشہ کیا جائے اس لئے کہ ان میں اللہ کا ذکر موجود ہے۔ بہر حال ذکر الہی میں فلاح و بہبود پوشیدہ ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تَفْلِحُوْنَ (پارہ ۱ رکوع ۱۰) اللہ تعالیٰ کی یاد کثرت سے کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ اور یہ ذکر خُداوندی کسی خاص وقت کے لئے ہی محدود نہیں لکھتے پڑھتے بولتے چلتے سوتے جاگتے ہر حالت میں رضائے خداوندی کو مقدم رکھا جائے اور اسی کا دوسرا نام ذکر الہی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَالَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَٰمًا وَّسُجُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ (پارہ ۲ رکوع ۱۱) جو لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بیٹھے اور کھڑے کھڑے

پہنچے۔ الخ

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ طُوبٰی لِمَنْ مَاتَ وَوَلِیَّہٗ رَسُوْلٌ یَذْکُرُ اللّٰهَ نَحْوَ شَجَرٍ یَّجْرٰی کَا حَقْدٍ رَہْمَہٗ وَہٗ شَخْصٌ جَمِیْرًا اَوْ اَسْ کِیْزَانِ اللّٰهَ تَعَالٰی کَے ذِکْرِ مِیْنِ تَرْتَحٰی عِیْنِیْ مُشْغُوْلَ تَحٰی۔

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخَيْرِ اَعْمَالٍ کُمْ وَاَزْکَاہَا عِنْدَ مٰلِکِکُمْ وَاَرَفْعُہَا فِی دَرَجَاتِکُمْ وَخَیْرٌ لَّکُمْ مِنَ الْفِئَاقِ الذَّہَبِ وَالْوَرِقِ خَیْرٌ لَّکُمْ اَنْ تَلْتَمِسُوْا عَدْرَکُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقِہُمْ وَاَنْ تَلْتَمِسُوْا اَعْنَاقِہُمْ قَالُوْا بَلٰی قَالَ ذِکْرُ اللّٰهِ اَرَادَ مَا لَمْ یَلْتَمِسُوْا۔ (مشکوٰۃ شریف باب الذکر فصل ثانی)

سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بہتر عمل اور اللہ پاک کے نزدیک پاکیزہ نہایت بلند مرتبہ اور تمہارے لئے سونا چاندی خرچ کرنے سے بہتر عمل اور جہاد میں لڑنے اور مارے جانے سے بہتر عمل کونسا ہے صحابہ نے عرض کیا جی ہاں یا رسول تو فرمایا وہ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

عَنْ مَرْکَبٍ قَالَ بَعَثَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ ذِکْرُ اللّٰهِ فِی الْغَافِیْنِ کَا لَمَقَاتِلِ خَلْفِ الْغَارِیْنِ وَذِکْرُ اللّٰهِ فِی الْغَافِیْنِ کَعِضِّ اُخْصَرِ فِی شَجَرِ یَابِسٍ وَذِکْرُ اللّٰهِ فِی الْغَافِیْنِ مِثْلُ مُصْبِحٍ فِی بَیْتِ مُظْلَمٍ۔ ذِکْرُ اللّٰهِ فِی الْغَافِیْنِ

يُرِيهِمُ اللَّهُ مَقْعَدَهُ فِي الْجَنَّةِ وَهُوَ حَىٰ ذَكَرُوا اللَّهَ فِي الْغَافِلِينَ يُعْفَو لَهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ فَصِيحٌ
وَأَعْجَمٌ وَالْفَصِيحُ بَنُو آدَمَ وَالْأَعْجَمُ الْبَهَائِمُ رَوَاهُ زَيْنُ (مشکوٰۃ) (باب الذکر الفصل
الثانی ص ۱۹۹)

غافلوں میں اللہ پاک کا ذکر کرنا ایسے ہے جیسا کہ مردوں میں کوئی زندہ موجود
ہو یا میدان جنگ سے بھاگنے والوں کے پیچھے ایک شخص جنگ میں ثابت قدم ہو یا غفلوں
میں ذکر کرنا ایسے ہے جیسا کہ سوکھے درخت میں ایک سرسبز ٹہنی ہو، غافلوں میں
ذکر کرنا ایسے ہے جیسا کہ اندھیر خانہ میں دیا جل رہا ہو۔ غافلوں میں ذکر کرنے والے کو
اللہ تعالیٰ اپنا جنت میں ٹھکانہ دکھلا دیتا ہے اور زندہ ہے۔ غافلوں میں ذکر کرنے والے
کے گناہ فصیح و عجم کی گنتی برابر بخش دیتے ہوتے ہیں۔ فصیح سے مراد بنی نوع انسان اور عجم
سے مراد حیوانات ہیں۔ یہ روایت زین کی ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۹۹)

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اہل جنت کو سب سے زیادہ حسرت و ندامت
اس لمحہ پر ہوگی جو خُدا کو یاد کئے بغیر گزر گیا ہو (احیاء العلوم للفرزالی)
نبی پاک فرماتے ہیں جو لوگ ذکر خُدا بکثرت کرتے ہوں انہیں قبر میں کپڑے نہیں
کھائیں گے اور ان کے مُنہ سے ٹور کے شعلے نکال کر چمکیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر، دل کے لئے سب سے زیادہ سہل ہے عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یقول بکل شیئی صقل لہ وصقل لہ الثوب ذکر اللہ
وما من شیئی اُنحی من عذاب اللہ من ذکر اللہ۔ رواہ البیہقی فی الدعوات بحجیر مشکوٰۃ ص ۱۹۹
حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی پاک نے فرمایا ہر چیز کے
لئے پالش ہونے اور دلوں کو جلا دینے والی پالش، اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔ عذاب اللہ
سب سے زیادہ نجات دہانے والی چیز صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

مختصر این کہ ماں روزہ حج اور جہاد یہ سبھی اعمال و عبادات، ذکر اللہ ہی ہیں۔
فائدہ: جاننا چاہیے کہ ذکر، چار طریقوں سے کیا جاتا ہے۔

اول زبان ذکر کرے اور دل غافل ہو اگرچہ یہ طریق کمزور ہے مگر اثر رکھتا ہے۔

دوم زبان ذکر کرے اور دل بھی متوجہ ہو مگر کون و قرار سے نہیں بلکہ تکلف اور زور دیکر دل کو اس ذکر کی طرف دھیان لگانے پر مجبور کیا جائے۔
سوم زبان کے ساتھ دل بھی یاد الہی میں پورے سکون کے ساتھ متوجہ ہو یہ عظیم درجہ ہے۔
چہارم دل میں ذکر کا اس طرح قبضہ ہو کہ ذکر اور مذکور (محققاً) کے سوا ذکر کے دل میں کوئی چیز موجود نہ رہے۔

حضرت واسطی قدس سرہ نے فرمایا کہ ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ ذکر کو بھول کر مذکور کے ساتھ اس طرح جڑ جائے اور اس ذکر میں استقدر ڈوب جائے کہ دنیا جہاں سے زہرِ قاتل معلوم ہو اپنا وجود تک اچھانے لگے۔ آئمہ طریقت اس درجہ چہارم کو "فناء فی اللہ" کا نام دیتے ہیں اور یہ قسم ذکر حقیقی کہلاتی ہے نہ کہ ذکر مجازی (احیاء العلوم)۔
کتب مشائخ میں آیات کے بعض صوفیاء نے ذکر جہر کو اختیار کیا ہے اور بعض نے ذکر خفی کو پسند فرمایا ہے۔ اکثر سادات ارادت اور علماء کلام رحمۃ اللہ علیہم ذکر جہر کو ذکر خفی پر ترجیح دیتے ہیں۔ امثال دے کر سمجھایا گیا ہے کہ کنواں، سونے سے نہیں کھودا جاتا اٹے ہوئے کنویں کو کھودنے کی کدال، ذکر جہر ہے (چنانچہ آیات و احادیث اور آثار لکھتے ہیں جنہیں ذکر جہر کو افضل قرار دینے میں بطور دلیل و تاہید لایا جاتا ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

سَبِّحْ اَمَمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی (آیۃ ۳۰ سورۃ اعلیٰ) آیت مبارکہ کا مفہوم جلتے وقت مفسرین چار طرح کی تاویل کرتے ہیں اور ان تمام کا حاصل ایک ہی ہے کہ اَرْفَعُ صَوْتَكَ بِذِكْرِ رَبِّكَ اللّٰہ تعالیٰ کا ذکر کرتے وقت اپنی آواز اونچی رکھا کرو۔ فقہ کتباوں میں آیت ہے۔
اگر شری اور طبعی عذر نہ ہو تو ذکر جہریٰ سب سے افضل طریق ہے۔

علامہ نووی بستان العارفين میں فرماتے ہیں کہ نبی پاک صحابہ سمیت صبح و شام نماز کے بعد ذکر الہی، آواز بلند کیا کرتے کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ اور
"اَللّٰہُ اِلّٰہُ الْاَحَدُ"

عبد اللہ بن زبیر سے مروی ہے کہ نماز کے بعد آواز بلند نہی پاک ذکر

باینطور فرمایا کرتے : لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْكَفَرَةُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا آيَاتِهِ وَلَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الثَّنَاءُ وَالْحَمْدُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت ابراہیم بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ حج کے دنوں میں بھی بازار چلے جاتے اور آواز بلند ذکر فرمایا کرتے تھے۔

ذکر بالجہر کے ثبوت میں دوسری آیت کریمہ یہ ہے کہ

أَدْعُوا بِكُمْ تَضَرَّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (پارہ ۹، رکوع)

طائف قشیری اور خزانة الجلالی میں آیت میں معنی کئے جاتے ہیں "ظاہر اور پوشیدہ" اپنے رب کو پکارو "تضرع، خضوع سے مشتق ہے اور اس کے معنی ہیں شدت حاجت کا اظہار اور خفیہ کا لفظ متضاد معنی ہے۔ بمعنی "پوشیدہ اور چھپا" لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ کی تفسیر کی گئی ہے۔ لَا يُحِبُّ مَنْ تَعَدَّى بِدَعَا السُّوءِ عَلَى الْمُسْلِمِينَ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو دوست نہیں رکھتا جو مسلمانوں کو بددعا دینے میں مدد سے تجاوز کر جائے۔ تفسیر زاہدی میں ہے۔ وَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَذُكُّوا لِلَّهِ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ یعنی بندہ کا کوئی حال یاد الہی سے خالی نہ ہونا چاہیے جنکل دریا گھر سفر پوشیدہ آہستہ اور بلند آواز غرضیکہ ہر طرح اور ہر جگہ، ذکر الہی کرنا چاہیے۔

تفسیر درمنثور میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول "فَسَبِّحْ بِحَمْدِكَ" میں تسبیح کے معنی میں رفع الصوت بذکر اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر بلند آواز سے کیا جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ إِنَّ أَوْلَىٰ لِغُلَامِكُمْ الْإِنَّمَاءُ بِآبَائِهِمْ وَإِلَىٰ آبَائِهِمْ بَشِيرًا أَوْ نَذِيرًا عَلَيْهِ السَّلَامُ اللہ تعالیٰ کا خوف کرنے والا درگزر کرنے والا ہے تفسیر درمعانی اور درمنثور میں آیت کے آواز کے معنی میں ایسا شخص جس کی آواز، ذکر و دعا تسبیح و تحلیل میں بلند ہو جایا کرتی ہو۔

احادیث مبارکہ ذکر جہر کے بارے میں ۱۔ روضة العلماء باب الیاسی میں حدیث درج ہے

کہ عبد اللہ ابن عمر کی روایت ہے نبی پاک نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی راہ میں آواز بلند "اللہ اکبر" کہہ دیا اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنی بڑی رضا لکھ دے گا اور جس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی بڑی رضا لکھ دے گا وہ سعادت مند شخص اور تینا ابراہیم و باقی انبیاء علیہم السلام ایک ہی مقام پر جنت میں اکٹھے ہوں گے۔

تفاسیر میں ہے جب کفر غالب تھا۔ اذان نماز تلاوت ذکر اور تسبیح و تہلیل آہستہ آواز سے ہوا کرتی تھی جیسا کہ رب العالمین کا ارشاد ہے۔ اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً، دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ اور جب اسلام کو غلبہ ہوا اور کفر مغلوب ہونے لگا تب فرمان خداوندی نازل ہوا کہ سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اپنے رب کریم کا ذکر آواز بلند کیا کرو اور اس باب میں جو احکام وارد ہیں انہیں یاد کرو۔ انہیں میں ایک حدیث جو تفسیر درمنثور میں درج ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں جب میں ذکر خد آہستہ آواز میں کرتا ہوں تو میری توجہ لوگوں کی کلام کی طرف تہلی جاتی ہے اور میں پریشان خاطر ہو جاتا ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِرْفَعْ صَوْتَكَ بِذِكْرِ مَوْلَاكَ اپنے مولیٰ و مالک کا ذکر بلند آواز سے کیا کرو اور پھر یہ آیت پاک پڑھو دئی سبح اسم ربك الاعلیٰ جیسا کہ شیخ فرید الدین عطار فرماتے ہیں۔

مومن! ذکر خد بسیار گو!

تا بیالی در دو عالم آبرو

میرے مومن بھائی! اللہ پاک کا ذکر بہت کیا کر تاکہ تجھے دونوں جہان میں عزت ملے بہر حال دارین میں عزت یابی کا دار و مدار "ذکر خد" پر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ، ذِكْرًا كَثِيرًا وَسَبِّحُوا بُكْرَةً وَأَصِيلًا (پارہ ۲۲، سورہ ۲)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو اور صبح و شام اس کی یادگی بیان کرو۔

اس آیت پاک میں کافروں کو چھوڑ کر مومنوں سے خطاب کرنا دوستی کی خبر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں مومنین و مومنات کا نامی و ناصر ہے کافروں کا نہیں

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اللَّهُمَّ وَلىَّ الَّذِينَ آمَنُوا يَحْضُرُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (پارہ ۳ آیت الکرسی)

اللہ مومنوں کا والی اور مددگار ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالے گا اور یہ بات طے ہے کہ دوست کو کثرت سے یاد کرنا ہر ماہ سے بہتر ہے۔
شَيْئًا فَكَثُرَ ذِكْرُكَ اللَّهُمَّ رَبِّ الْعَالَمِينَ کا اپنے بندگان خدا کو یاد کرنا ہی اس کے لطف و کرم کی شان ہے۔ (رسالۃ الاذکار سیدنا محمد گہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ خیر الاذکار)

فائدہ :- یہ بھی جاننا چاہیے کہ مومن انسان کو مینڈک سے کم درجہ نہیں ہونا چاہیے جس کے بارے میں نبی پاک نے فرمایا لَا تَقْتُلُوا الضُّعَافَ فَإِنَّهَا كَثِيرٌ مِنَ التَّنْبِيحِ مینڈک کو قتل نہ کرو ورنہ اللہ پاک کی پابندی بہت زیادہ بیان کیا کرتی ہے۔ پوچھا گیا مینڈک کی تسبیح کس طرح ہے تو سرکار نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مینڈک روز و شب ذکر خدا میں رویا کرتی ہے اور کہتی رہتی ہے۔ سُبْحَانَ الْمُعْبُودِ فِي لَيْلٍ السَّجَّادِ رِیَاضٍ کی گہرائی میں، اے عبادت کے لائق تجھے پاکی سمجھتی ہے۔

نقل ہے سیدنا موسیٰ علی نبینا وعلیہ السَّلَامُ، ایک دن جنگل میں ذکر خدا کرتے کرتے اس خیال میں رہ گئے کہ کیا اس جنگل میں میرے سوا اب کوئی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہوگا؟ حق تعالیٰ نے وحش و اور زمین و آسمان میں بسنے والی مخلوق خصوصاً رِجَالُ الْغَيْبِ کو علم دیا کہ بلند آواز سے میرا ذکر کیا جائے۔ شور و غل اٹھا اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی آواز ذکر، ان کی بلند آواز ذکر میں محو ہو کر رہ گئی۔ سرزدامت اللہ تعالیٰ کے حضور زمین پر رکھ دیا اور استغفار کرنے لگے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا۔ کیا زمین کے نیچے بھی تیرا ذکر ہوا کرتا ہے؟ حکم ہوا جی ہاں پانی پر عصارے سے جب عصارا پانی پھٹ گیا اور کالا پتھر نکل آیا پتھر حکم ہوا کہ پتھر پر عصارا مار اور پتھر پر عصارا پتھر پھٹ گیا اللہ تعالیٰ کا ذکر باواز بلند کرتے ہوئے اس میں سے ایک ٹرخ نکل آیا۔ موسیٰ کلیم علیہ السلام نے پوچھا کتنی عمر سے یاد خدا میں لگے ہوئے ہو جواب دیا تین سو سال گزرے کیا کام کرتے رہتے ہو جواب دیا اللہ اللہ کیا کرتا ہوں اس سے بہتر عمل اور کوئی نہیں۔ مجھے

طعام و شراب کھانے پینے کو دیا جاتا ہے مگر میں چونچ مکھ نہیں لگاتا ہوں مبادا عزرائیل علیہ السلام روح لے لے اور وہ لمحہ یاد الہی سے غفلت میں لکھا جلتے یہ بات کہتے ہوئے مرغ پتھر میں پتھر پانی میں اور پانی زمین کے نیچے اپنے اپنے مقام کو واپس ہو گئے
 اِنَّ اللّٰهَ اَحْسَنُ الْغَافِلِيْنَ ۔

ہوش کے کان کھول کر سن لیا جائے کہ سات آسمان اور سات زمین کے جانور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف ہیں انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی یاد میں، قرار و آرام آتا ہے۔ ان کا اڑھنا پھوٹنا اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ضروری ہے کہ ہمیشہ ذکر میں مصروف رہیں اور ایک لمحہ بھی یاد خدا سے غافل نہ ہوں۔

لب مجنباں جز بذكر كسر دگار !

زانکہ یا کان را ہمیں بود دست کار !

نظام القلوب میں ہے کہ خواجگانِ چشت اہل بہشت ذکر جہر کے جواز میں آیات و احادیث اور روایات، بہت کچھ بطور استدلال بیان کرتے ہیں لہذا باواز بلند ذکر لغوی و اثبات میں مشغول ہونا چاہیے شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا۔
 کسی سائل نے علماء کرام کی موجودگی میں خواجہ محمود قدس سرہ العزیزیت سے سوال کیا کہ ذکر باواز بلند کس نیت سے کیا جائے؟ آپ نے جواب دیا۔

حَتّٰی يَقُوْمَ النَّائِمُ وَيُنِيْتُ الْغَافِلُ وَيُوَجِّهُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰی وَ اِيْتَقِيْمُ عَلٰى الطَّرِيقَةِ
 وَ الشَّرِيْعَةِ وَيَرْجِعُ اِلَى التَّوْبَةِ السَّيِّئِ هِيَ مِفْتَاحُ الْخَيْرَاتِ وَ اَيُّهَا السَّعَادَاتِ ۔

باواز بلند ذکر اس نیت سے کیا جائے کہ سونے والا بیدار ہو اور غافل متنبہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے اور شریعت و طریقت پر اسے استقامت نصیب ہو اور غافل آدمی ذکر بالجہر سن کر توبہ کی طرف رجوع کرے یہی توبہ خیرات و برکات کن کنجی اور سعادات کی علامت ہے۔

احادیث مبارکہ اور آیات مقدسہ کی روشنی میں ذکر بالجہر سے درج ذیل فوائد حاصل ہیں۔
 ۱۔ ذکر بالجہر سے دل کو جلا ملتی ہے اور اسے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

۲۔ ذکر بالجہر سے غافلوں کو تنبیہ ہو جاتی ہے۔

۳۔ ذکر بالجہر، واصل اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے جنگ کا اعلان ہے۔

۴۔ ذکر بالجہر سے دین اسلام کا اظہار ہوتا ہے۔

۵۔ ذکر بالجہر سے نفسانی اور شیطانی فضول منکرات اور وسوسے دور ہو جاتے ہیں۔

۶۔ ذکر بالجہر سے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ پید ہوتی ہے اور ماسوی اللہ سے رابطہ ختم ہوتا ہے۔

۷۔ ذکر بالجہر سے بندہ ساکٹ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان "حجابات" اٹھ جاتے ہیں۔

۸۔ اعصابی بیماریاں اور قلبی پریشانیوں کا واحد علاج ذکر بالجہر ہے۔

۹۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی توجہ نصیب ہوتی ہے۔

۱۰۔ ذکر بالجہر سے اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان سے حجابات اٹھ جاتے ہیں۔

مولانا حافظ الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکر بالجہر جائز ہے۔

ذکر کے آداب۔ افضل یہ ہے کہ گھر بند کر دیا جائے اور گھر آنا تنگ نہ

ہو کہ قیام و قعود شوار ہو البتہ ہر طرف سے بند ہو تاکہ باہر کا شور و غسل اندر نہ آنے پائے

اور مزاحمت کا خوف نہ ہو۔

اب "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کا ذکر شروع کیا جائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ پیرو مشد

کی روحانیت کو اپنی کارگزاری پر مدد کے لئے حاضر جانے۔ ذکر کرتے وقت معنی کا تصور

کرے۔

کلمہ طیب کے معنی یہ ہیں۔ لا معبود الا اللہ لا مقصود الا اللہ لا موجود الا اللہ

پہلے معنی کا تصور ابتدائی حالت کے لئے ہے اور دوسرے معنی کا تصور درمیانی حالت اور

تیسرے معنی کا تصور، آخری حالت یعنی عین الیقین کے لئے مخصوص ہے اور ہمارے

سلسلہ میں یہی طریق ذکر، باواز بلند مطلوب ہوتا ہے۔

منجملہ ذکر بالجہر کے نفی و اثبات کا ذکر ہے اور اس کا طریق یہ ہے کہ پہلے پہل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے ساتھ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِرِسْمِکَ الَّذِیْ لَمْ یَخْلُقْ شَیْئًا وَّ لَمْ یَلِدْ شَیْئًا وَّ لَمْ یَکُنْ لَکَ کُفُوًا شَیْئًا" میں دفعہ

پڑھا جائے یا بصورت ذکر کیا جائے۔ "لا" کا لفظ ناف سے نکال کر اس کو اوپر کھینچنے کے

فائدہ : جاننا چاہیے کہ ذکر کے خصوصیات میں سے بے کراہی کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے نہ اس کی انتہا اور نہایت ہے۔ بلکہ ذکر کرنے کا حکم ہے۔ مگر اس میں مداومت ہے اور ذکر میں اجر عطا ہونے کا عہد بھی ہے۔ رات میں دن میں سفر میں گھر میں، مالدار ہی ہو یا فقیر، کھتے پیتے غنیمت کے برتال میں ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

البتہ چند اوقات ہیں جن میں ذکر نہیں کیا جاتا مثلاً اٹھناٹے حاجت بشریہ بحالت جماع، خطبہ پڑھتے سنتے وقت، عیدین اور جمعہ کا خطبہ سنتے وقت اور قیام نماز کے وقت غرضیکہ ان اوقات میں ذکر نہیں کیا جاتا۔

البتہ حمام میں تلاوت قرآن باواز بلند مکروہ ہے مگر اہستہ آہستہ جی میں پڑھنا مکروہ نہیں حمام میں تسبیح و تہلیل پڑھنا مکروہ نہیں خواہ باواز بلند بھی پڑھے۔ بے وضو جنین و نفاس کی حالت میں ذکر کرنا بھی پسندنا مکروہ نہیں۔ ریاکاری کے خوف سے ذکر ترک کر دینا مناسب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اللہ پاک کا ذکر ہر وقت جاری و ساری رہنا چاہیے۔

[یہ بات سب کو معلوم ہے کہ حمام میں اکثر تجارت ہوا کرتی ہے اور بعض ستر کھولے ہوتے ہیں تاہم جب تسبیح و تہلیل کا ورد باواز بلند حمام میں جائز ہے تو پھر گھروں میں سجدوں میں گوشوں اور کونوں میں مکان کی خلوٹوں میں ذکر کا باواز بلند جائز ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا۔ (مترجم)]



مکتوب نمبر ۲۶

جناب عالی ادا اللہ تعالیٰ

گزارش نیاز آثار عاجز زار اینک کہ بعض غلام مرید جو کہ نظر آپ سے دور ہیں مگر حسن عقیدت اور صدق معنویت و ارادت کے لحاظ سے حاضر و حضور ہیں، انوالا شان کے لطف و کرم کی بدولت مجھ سے التماس کرتے ہیں کہ گذشتہ زمانے میں بزرگان عالی شان کے آستان عالیہ پر فقر اخلاوت نشین ہوتے تھے اور مطلب پاجاتے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی اگر ہمیں بھی چلہ کشی کی اجازت ہو تو یقیناً حسب ارشاد عمل کریں گے اور جو نصیب مل پائے گا نعمت سمجھ کر راضی رہیں گے۔

حضور غریب نواز! ہم سبھی غلاموں کے حالات، آپ کے روشن ضمیر پر روز روشن کی طرح واضح ہیں۔ بسذا حسب استعداد ماغریباں، ہمیں چلہ کشی کی اجازت عنایت ہو اور چلہ کشی آداب اور طور طریقہ واضح و واضح تحریر فرمایا جائے تو ہم استفادہ کر سکیں گے زیادہ خدا آداب!



جواب (۲۶)

برخوردار بے دُعا و سلام واضح باد کہ چلہ کشی چالیس روز سے کم نہیں ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَىٰ نَحْنُ نَلِيشِيْنَ لَيْلَتًا ۖ وَاتَّمَنَّا هَا بَعَثَرِ فِتْمِ مِيقَاتِ رَبِّهِ ۖ أَرْبَعِينَ
لَيْلَتًا (پارہ ۹ رکوع ۷) اور ہم نے موسیٰ سے تین رات کا وعدہ کیا اور ان میں دس روز
بڑھا کر پوری کہیں تو اس کے رب کا وعدہ چالیس رات کا ہوا۔

چالیس دن میں عجیب و غریب تاثیر پائی جاتی ہے۔ حدیث نبوی میں ارشاد ہے
عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَخْلَصَ
لِللَّهِ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا ظَهَرَتْ بَيْنَا بَيْعِ الْحِكْمَةِ فِي قَلْبِهِ وَعَلَى لِسَانِهِ ۖ أَخْرَجَهُ زُرِّيغَتِ
التَّكْشِفِ لِلتَّهَانَوِيِّ ص ۳۹۹۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو
شخص چالیس روز تک اللہ تعالیٰ کے لئے خلوص (کے ساتھ عبادت) اختیار کرے اس
کے دل سے علم کے چشمنے (جوش زن ہو کر) اس کی زبان سے ظاہر ہوتے ہیں۔ روایت
کیا اسکو زریغ نے۔

یاد رہے کہ طالب کے لئے ہر سال چار چلتے حسب مقدور کر لینے چاہئیں۔ ہوسکے
تو چاروں چلتے روزوں سے ہوں ورنہ جتنی دن روزہ رکھ سکے حسب نصیب خلوت و
عزالت اختیار کرے۔ جو شخص ہر سال ان چار چلتوں کا عادی بن جائے اسے خلوت میں خلوت
میسر آجاتی ہے اور اسے کوئی شغل اشغال، طاعت و عبادت سے غافل نہ کر سکے گا
اور خلوت گاہ میں مراقبہ کی صورت اختیار کرے۔ چار چلتے بزرگوں سے اسطرح منقول ہیں
اول، اکیسویں شعبان المعظم سے لے کر شب عید الفطر تک ہے۔

دوم۔ یکم ذوالقعدہ سے لے کر شب عید الضحیٰ تک ہوتے۔
 سوم۔ چودہ ذوالحج سے محرم الحرام کی چوبیسویں تک ہوتے۔
 چہارم۔ یکم ماہ رجب سے لے کر دس شعبان تک ہوتے۔
 [سبع سنابل مصنف میر عبد الواحد بگرامی میں جلد کی تعداد و ترتیب قدرے مختلف
 ہے جو کہ درج ذیل ہے:]

یاد رہے کہ رسول پاک سے تمام سال میں پانچ چلتے مروی ہیں۔ ایک
 چلہ حضرت آدم اور سیدنا عیسیٰ علیہما السلام کا ہے جسے جمادی الاول کی بیس تاریخ سے
 لے کر ماہ رجب کے ختم ہونے تک ہوتے۔

دوسرا چلہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ہے جسے بیس شعبان سے شروع ہو کر
 شب عید الفطر تک ختم ہوتا ہے۔

تیسرا چلہ سیدنا یونس علیہ السلام کا ہے جسے ذوالحج سے محرم الحرام کی
 پچیس تک ہوتے۔

چوتھا چلہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ہے جسے ذوالقعدہ سے،
 شب عید الضحیٰ تک ہوتے۔

پانچواں چلہ سیدنا عالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیس ماہ
 رمضان سے آخر ماہ شوال تک ہوتے۔ (متزجم) [

آداب :-

چلہ کشی کے لئے، مساجد، خانقاہ اہل اللہ کے حجرات اور روضہ جات بہتر خلوت
 گاہیں ہیں۔ ان چار مقامات کے آداب اور تعظیم و تحکیم بجا لانا ضروری ہے۔

ذخیرہ المشائخ میں آیا ہے کہ دعوت شروع کرنے سے پہلے جلاب لے لیا جائے
 ممکن ہو تو طیب روزہ رکھے یعنی متواتر تین دن کا روزہ رکھے (صرف پانی و کھجور سے
 افطار کرے اور بس غسل پاک کر کے اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ پڑھے۔ پاک
 سے مراد یہ ہے کہ اہل دعوت کو نہ تو اجتلام والا غسل ہو اور نہ جنب والا اور نہ استحارے

پکڑے پن لے عطر اور خوشبو استعمال کرے۔ خلوت گاہ تاریک ہو تو بہتر ہے جس کا طول
و عرض تین ہاتھ ہو اور چھوٹا سا دریچہ ہو تاکہ اس میں روشنی نہ ہو اسکے۔

شرائط :-

چند کشتی کے لئے جو شرائط ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ سیدھا پاؤں حجرہ خلوت
میں رکھے تو پڑھے اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ لِسُبْحَانَ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ
اور پھر پوری سورۃ النّاس میں بار پڑھے اس کے بعد بائیں پاؤں اندر داخل کرے اور یہ
دعا پڑھے۔

اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ
وَ لَیْسَ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ کُنْ لِیْ کَمَا تُحِبُّ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ
وَ اٰلِهِ وَسَلَّمَ وَ اَرْزُقْنِیْ مَحَبَّتَکَ بِرَحْمَتِکَ يَا رَحْمٰنُ الرَّحِیْمِ اَللّٰهُمَّ
اَرْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَ اَسْفِلْنِیْ بِمَحَبَّتِکَ وَ جَمَاعَ لَکَ وَ اجْعَلْنِیْ
مِنَ الْمُخْلِصِیْنَ اَللّٰهُمَّ اَفْتَحْ نَفْسِیْ بِمَجْدَابِ ذَاتِکَ يَا اَنْیسَ
مَنْ لَا اَنْیسَ لِمَا رُبَّ لَا تَذُرْنِیْ فَرْدًا وَاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ۔

اے اللہ کریم میں اپنے نفس امارہ کے شر اور تمام قسم کے شر
سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ دنیا و آخرت میں تو ہی میرا کارساز
اور مددگار ہے جیسا کہ تُو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت
کرتا ہے اور مجھ کو بھی اپنی محبت عطا فرما اور الہی اپنے جلال و جمال میں مشغول
رکھ اور مجھے مخلصین میں سے بنا دے۔ الہی اپنی ذات کے جذبات سے
میرے نفس کو مٹا ڈال۔ اے انیس اس کے جس کا کوئی انیس نہیں اور اے
رب مجھے نہانا چھوڑ تو بہتر وارثوں میں سے ہے۔

اس کے بعد مصدق پر کھڑا ہو کر قبلہ رو ایک دفعہ بروایت شاہ ولی اللہ فی شفاء
العلیل الیس دفعہ پڑھے۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ

میں نے ایک سو ہو کر اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

اس کے بعد دو رکعت نماز جلالت الہی کے لئے پڑھے پہلی رکعت میں فاتحہ شریف کے بعد آیت الکرسی اور دوسری رکعت میں آمین الرسول آخر سورہ تک پڑھے۔ بعد فراغت از نماز، لمبا سجدہ کرے اور دعائیں خوب کوشش کرے جو کہ یوں ہے۔

اللَّهُمَّ أَنْتَ أَنْيَسَانِي خَلَوْتِي وَمَعِينَانِي وَوَحْدَتِي

[الہی میری خلوت میں میرا ایس رہ اور میری تنہائی میں میرا معاون ہو الہی میری اس خلوت کو اپنے مشاہدہ کا موجب بنا دے اور مجھے اس کام کی توفیق دے جو مجھے محبوب اور پسندیدہ ہے الہی میں تیرے غضب سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری رضا چاہتا ہوں۔ الہی مجھے بندگی نفس سے دور رکھ الہی میری آنکھوں سے پردہ ہٹا دے اور میرے دل کا رنگ دُور کر دے تاکہ میں "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کا جمال دیکھ سکوں۔

دعا کے الفاظ یہ ہیں :

[اللَّهُمَّ كُنْ لِي أَنْيَسَانِي خَلَوْتِي وَمَعِينَانِي وَوَحْدَتِي اللَّهُمَّ اجْعَلْ لِي خَلَوْتِي هَذِهِ مُوجِبَةً لِمُشَاهَدَتِكَ وَوَقْفَتِي فِيهَا كَمَا تُحِبُّ وَرَضِي اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ سُخُوطِكَ وَأَسْئَلُكَ رِضَاكَ اللَّهُمَّ جَنِّبِي أَنْ أَعْبُدَ الْهَوَى اللَّهُمَّ اكْشِفِ الْغَطَاءَ عَن عَيْنِي وَأَدْفَعْ الْفَسِينَ عَن قَلْبِي حَتَّى أَشَاهِدَ جَمَالَ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" (مترجم)]

خلوت خانہ میں تنہا رہے قبلہ رو پالتی مار کر بیٹھے ہاتھوں کو زانوؤں پر رکھے خلوت خانہ کو اپنی قبر تصور کرے اور اپنے آپ کو مردہ۔ سوائے ضروری حاجت اور غسل وضو کے اس خلوت خانہ کے باہر قدم نہ رکھے خلوت خانہ، تنگ و تاریک ہونا چاہیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے دروازے پر پردہ ڈال دے تاکہ اس میں ذرہ برابر روشنی تک نہ آسکے اور نہ کسی کی آواز پہنچ سکے کہ وہ آواز جو اس کو دوسری طرف مشغول کر دے دیکھنے

سُننے یا کہنے میں۔ اس لئے کہ جب وہ سالک، محسوسات میں مشغول ہوگا تو عالم غیب کے فیضان سے محروم رہ جائے گا۔ اس کے بعد ذکر میں مشغول ہو مخلوق سے گھبراتے اور پوری طرح حق کی طرف متوجہ ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ با وضو رہے کہ بے وضو ہونا شیطان کے غلبہ کی راہ ہے تاکہ وہ شیطان اس وضو والے سالک پر غالب نہ رہے۔

تیسری شرط ہمیشہ ہمیشہ ذکر "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کرنا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَأُورِثُوا مَنَازِلَهُمْ وَأَلْقُوا فِيهَا كَبَابًا
پایا جاتا ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ اندیشوں کی نفی اور ان کا دفاع ہو۔ چلے کہ جو اندیشہ اور خطرہ دل میں لاحق ہو خواہ نیک یا بد فوراً اسے کلمہ طیب "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" سے نفی کرے اس لئے کہ جس چیز کا نقش دل میں پڑتا ہے (خواہ نیک یا بد) وہ دل کو زنگ آلود بنا دیتا ہے اور نقوش و ہبہ کو قبول کرنے سے سدراہ بن جاتا ہے۔ اور جب تک صفحہ دل، ان شہوانی حیوانی نقوشوں سے بھرپاک و صافی نہ ہو تو وہ دل مشاہدہ غیبی کے نقوش اور علم لدنی قبول کرنے کے قابل نہیں ہوتا اور نہ مکاشفات روحانیہ کے الوار اور تجلیات ربانیہ کو قبول کی استعداد رکھتا ہے۔

پانچویں شرط۔ ہمیشہ خاموش رہنا چاہیے۔ مناسب یہ ہے کہ کسی سے بات تک نہ کرے سولے اپنے شیخ سے اور وہ بھی ضرورت کے مطابق تاکہ واقعہ کا کشف ہو اور عرضِ حال کے لئے کہ
مَنْ سَكَتَ سَلِمَ وَمَنْ نَجَا جَوَّامِشَ رَمَا سَلَامَتَا
اور جو سلامت رہا نجات مل گئی۔

چھٹی شرط ہے کہ اپنے دل میں توجہ شیخ کے دل سے قائم رکھے کیونکہ شیخ کامل کا دل عالم غیب کا پروردہ اور حضرت رب العزت کی طرف متوجہ ہے۔ فضل خداوندی کے فیوضات بہر دم شیخ کامل کے دل میں پہنچتے رہتے ہیں اور شیخ کے دل سے تربیت کے دل تک پہنچتے رہتے ہیں شیخ کامل کی شکل و صورت اور اس کی توجہ باطنی کو ہمیشہ اس راہ کی

دلیل اور رہبر جانے اور جب مرید کو کوئی مشکل آفت یا خوف ہو فوراً ولایت شیخ کی جانب
توجہ کرے اور شیخ کے اندرون دل سے مدد چاہے تاکہ وہ آفت و خوف دور ہو جائے۔
ساتویں شرط ترک جلالی ہے یعنی کھانے پینے کی چیزیں مثلاً گوشت حیوانات جلالی
سے کلیتہاً پرہیز کرے، محرم پیاز پھل مٹھی مولی دودھ دہی وغیرہ ان سب اشیاء سے دور
رہے۔ بہتر ہے کہ روزہ دار ہو کیونکہ روزہ، تعلقات بشریہ اور خواہشات نفسانیہ دور
کرنے میں بہت زیادہ قوی اثر رکھتا ہے۔

آٹھویں شرط خلوت کے دنوں چٹہ کھٹی میں نیند تھوڑی کیا کرے۔ جب نیند کا سخت
غلبہ ہو تو تھوڑی دیر کے لئے بستر پر دراز ہو جائے یا زانووں پر سر رکھ کر نیند کر لیا کرے
جب بیداری ہو فوراً وضو جوڑ کر تہجدتہ الوضو پڑھے اور حسب دستور ذکر میں مشغول ہو جائے
یا درہے کہ خلوت گاہ سے وضو نماز باجماعت خطبہ جمعہ کے لئے باہر جا سکتا
ہے مگر فوراً واپس آئے۔ راستہ میں دائیں بائیں اور لوگوں کے ساتھ باتیں کرنے سے
اجتناب کرے

شیخ محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ "المخلوۃ فی الجلوۃ" میں فرماتے ہیں۔
خلوت تین قسم ہے۔

اول۔ جب کوئی شخص خلوت گاہ میں داخل ہو، روزہ دار ہے اور سبق قرآن و حدیث
بھی پڑھا لیتا ہے۔ تلاوت قرآن مجید اور دعا و نوافل کر لیتا ہے مگر خورد و نوش اور
نیند قلیل برائے نام ہے البتہ لوگوں کے ساتھ بھی میل جول رکھتا ہے حاجت ضروریہ
کے بغیر باہر نہیں جاتا مگر نیت میں، شہرت مطلوب ہے تاکہ مرید اور معتقد بہت
ہو جائیں۔ ندرت حاصل ہو ایسی خلوت سے کیا فائدہ؟

مکن زہد ریائی را طلب کن بادشاہی را!

ہم کن خود نمائی را بروا صلاح باطن کن

نام و نمود کے لئے نیکی نہ کرو دین و دنیا کی بادشاہت مانگو خود نمائی اور شہرت
چھوڑ دو۔ جاؤ باطن (دل و روح) کی اصلاح کر لو۔

تاہم متذکرہ خلوت بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے کیونکہ یہ اچھا کام ہے اور اچھے کام کا معاوضہ دس گنا ملا کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرَ مِثَالِهَا (پارہ ۲ رکوع) جو شخص کوئی نیک کام کرے اس کو دس گنا نیکی ملیگی۔ لہذا نیت فاسدہ (طلب شہرت اور طلب دنیا) بھی دفع رفع ہو جائیں گی۔ بمطابق ارشاد باری تعالیٰ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ بِشَكِّ نِكْيَاں ہر ایشیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

دوم: خلوت میں بیٹھنے والے کی نیت یہ ہو کہ اس خلوت میں جو کام کیا جا رہا ہے صرف اس لئے کہ دین و دنیا کا مطلب و مقصد حاصل ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَيْسَ اتِّقَانِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقَدْ آذَابَ النَّارِ (پارہ ۲ رکوع) اے ہمارے پروردگار دنیا میں ہمیں نیکی دیدے اور آخرت میں بھلائی دے دوزخ کے عذاب سے ہمیں بچالے۔

دنیا کی بھلائی (فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ) یہ ہے کہ رزق مال اور اولاد ملے اور آخرت کی بھلائی (فِي الآخِرَةِ حَسَنَةٌ) سے مراد ہے حور و قصور جنت اور دیدار رب رسول کریم جب کہ دارالآخرہ بہتر باقی اور رہنے والی چیز ہے۔

یہ دوسرے قسم کی خلوت (دارین کی بھلائی کی طلب کی نیت ہو) بہت خوب ہے مگر تفرقہ سے خالی نہیں ہے اس میں شک نہیں کہ اکثر اہل جنت سادہ لوح ہوتے ہیں تو مے زخیال در غرور افتادند!

واندر مطلب حور قصور افتادند

ایک گروہ کو غرور و تکبر نے اس خیال میں مبتلا کر دیا کہ (وہ عابد و زاہد ہیں) اور وہ قصور و حور کی طلب میں ہی رہ گئے۔ ماشاء اللہ اگر ہمارے چہرے سے پردہ اٹھا دیا جائے تو پتہ چلے گا کہ ہم ا غلط نیت کر کے مقصد و مطلب سے بہت دور ہو گئے ہیں۔

سوم: خلوت نشین کا اعتقاد صحیح یوں ہو کہ "كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَدَ اللّٰهُ بَاطِلٌ" کہ

اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی اور باطل ہے۔ خلوت نشین صرف اپنے دل کا تحفظ چاہتا ہو۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف ہو، دنیا و عقبی سے عاری ہو۔ اسے نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک محسوس ہو۔ دنیا اور آخرت کی لذتوں کا طلبگار نہ ہو تو ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک آنکھوں کو لذت و ٹھنڈک دینے والی نعمتیں پوشیدہ کر کے رکھ دی گئی ہیں۔

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آخرت کے طلبکاروں پر دنیا حرام ہے اور دنیا کے پیاسوں پر آخرت حرام ہے جبکہ اہل اللہ کے لئے دنیا و عقبی دونوں حرام ہے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ پر توکل کر لیا اس کے سامنے دنیا و عقبی حقیر چیز ہے۔ بہر حال جنہیں خلوت کی یہ تعمیری قسم مقصود ہو یعنی صرف دل کا تحفظ چاہتا ہو تو نہ ہے نصیب؟ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مَنْ ذَاكَ خَلَاوَةَ الْعِزَّةِ وَالْخَلْوَةِ اسْتَفْنَىٰ مِنْ كُلِّ جَلْوَةٍ

جس شخص نے عزلت و خلوت کا مزہ چکھ لیا وہ ہر قسم کی جلوت سے مستغنی ہو جاتا ہے۔

لہذا جو آدمی دل محفوظ رکھتا ہے وہ گویا کہ خلوت میں بنے اگرچہ جلوت میں رہ رہا ہو۔
نظم اندریں مضمون درج ہے۔

بروشیں تو درکنجے دریں منزل بخش رنجے کہ تابی مگر گنجے برو اصلاح باطن کن

درد بر بند و ہم روزن بد زنجیر کن محکم مزن جز یاد حق حکیم برو اصلاح باطن کن

اگر با تیر او مجلس ہمیشہ باش در خلوت مکن جز صحبت الفت برو اصلاح باطن کن

کسی ایک کونہ میں بیٹھے کر رنج و محنت برداشت کیا کریں۔ شاید کہیں سے کوئی خزانہ مل جائے۔ روشندان دروازہ محکم اور مضبوط زنجیر سے بند کر کے صرف حق تعالیٰ کا ذکر کیا جائے۔

اگر تمہیں محبوب حقیقی کا وصل وصال چاہیے تو ہمیشہ خلوت اختیار کریں اور مقبولان الہی کی

مجالست اختیار کی جائے۔ یہی طریقہ ہے جس سے باطن کی اصلاح ہو اور تمہیں خدا نصیب

کرے! (تم سے بالخیر)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ

عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ

عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ

رَبِّ الْعَالَمِينَ



[اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ كَمَا اس كے حُسْنِ الْفَاقِ وَتَوْفِیْقِ سے ترجمہ "مکتوبات شریف" ۴، سوال ۱۴۱ھ (چودہ سو دس ہجری) میں مکمل ہوا۔ حق تعالیٰ میری بھول چوک اور کج فہمی کو برکت ارواحِ طیّبہ اولیائے کرام رضی اللہ عنہم کے معاف فرماوے اور ان حضرات کے نُورِ باطن سے میرے ظلمت کدہِ دل کو نورانی فرماوے آمین!

شیخ طریقت صاحبزادہ میاں کریم بخش مہاروی حفظہ اللہ جلالہ کے حسبِ ارشاد ترجمہ کتاب مستطاب اختتام کو پہنچا ہے اور تمنا یہ ہے کہ جب طرح میری زندگی مشائخِ عظام قبلہ عالم و عالمیان رضی اللہ عنہم کی یاد میں بسر ہو رہی ہے۔ یوں ہی میری موت بھی ایسی حضرات کے ذکرِ خیر میں آئے۔ آمین ثم آمین

وَصَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ

اجمعین ابد الابدین وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اٰمِنٌ اٰمِنٌ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

آخر میں صرف ایک شعر و عاٹھ لائق ہے جسے جلوت و خلوت میں بار بار پڑھ جانا

ہوں۔

اَنَا نَحْوُ فَاکٍ رَابِظٍ کَمِیْلِ کَنْفٍ

اٰیَا بُودَاہِ گُوْشَہٗ چِشْمِہٖ بَاکَنْفٍ

[از ترجمہ محمد عبد الغفور غوثی]



[بحمد اللہ اکرم و بطفیل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام آج بتاریخ ۲۶ ربیع الاول
۱۴۱۱ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۰ء بندہ گنہگار فقیر حافظ اللہ یار فریدی کتاب
مستطاب نافع شیخ و شاب المعروف بکتوبات شریف کے ترجمہ پر نظر ثانی و تصحیح سے
برقت سات بجے شام بروز بدھ فارغ ہوا۔
لش الحمد اولاً و آخراً و مصیلاً علی سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام
حافظ اللہ یار فریدی۔]



نقشہ تواریح اعراس مشائخ عظام سلسلہ چشتیہ علیہم اجمعین رضوان اللہ

محرم الحرام صفر المظفر ربیع الاول ربیع الثانی جمادی الاول جمادی الآخر

۱	۲۱	۱۷	۳	۱	۲
ناصر الحق والدین احمد بن فرسنا رحمۃ اللہ علیہ	شیخ سراج الحق والدین رحمۃ اللہ علیہ	محبوب جان شاہ عبدالقادر الجیکلانی رحمۃ اللہ علیہ	خواجہ فضل ابن عیاض رحمۃ اللہ علیہ	خواجہ خدا بخش ملانی ثم خیر نوری رحمۃ اللہ علیہ	عزیز مبارک عمر فاروق رضی اللہ عنہ
۵	۲۶	۱۴	۲ تا ۱۲	۷	۴
سزا جلال الدین روم رحمۃ اللہ علیہ	ابراہیم بن اوسم بلخی رحمۃ اللہ علیہ	ابوحاق شامی چشتی رحمۃ اللہ علیہ	عالم علی دہلوی وقائید دوم مل دہم ازدوم تادوازدم مختلف فرامست	شاہ محمد سلیمان تری رحمۃ اللہ علیہ	خواجہ حسن البصری رضی اللہ عنہ
۲۳	۵	۱۸	۱۴	۲۲	۵
سید ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	خواجہ محمد جمال ملانی حافظ رحمۃ اللہ علیہ	سلطان محبوب الہی المشائخ محبوب الہی دھلی رحمۃ اللہ علیہ	نصیب بخاراوی خواجہ بخیار اوسی رحمۃ اللہ علیہ	شیخ محمود عرف ابن رحمۃ اللہ علیہ	خواجہ گنجشکر پاکتن رحمۃ اللہ علیہ
۲۴	۶		۲۴	۲۶	۱۰
سوانا فخر جہاں کریم الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ	خواجہ نور محمد حاجی پور رحمۃ اللہ علیہ		شیخ کلم اللہ جمال آبادی رحمۃ اللہ علیہ	شیخ عبدالحق والدین رحمۃ اللہ علیہ	شہید کربلاستینا امام حسین رضی اللہ عنہ
			۲۷	۲۷	۱۴
			خواجہ غلام فرید ہزاری رحمۃ اللہ علیہ	خواجہ عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ	خواجہ ممشاد دینوری چشتی رحمۃ اللہ علیہ
				۲۹	۲۸
				خواجہ شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ	شیخ یحیی مدنی رحمۃ اللہ علیہ

رجب شعبان رمضان شوال ذیقعد ذی الحج

۳	۱۲	۵	۱۸	۱
قلہ علم خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ	شیخ نظام الدین اورنگ آباد رحمۃ اللہ علیہ	خواجہ عثمان مارونی رحمۃ اللہ علیہ	خواجہ نصیر الدین چراغ دھلوی رحمۃ اللہ علیہ	خواجہ ابو محمد بن ابوالحسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ
۱۸	۱۷	۷	۲۱	۱
ابو یونس عثمان غنی رضی اللہ عنہ	خواجہ سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ	ابو ہریرہ البصری رحمۃ اللہ علیہ	سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ	خواجہ بودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ
۲۰	۱۹	۳	۱۶	۶
شیخ جمال الدین عرف محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ	حافظ محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ	خواجہ سعید الدین ذلیف المرعشی رحمۃ اللہ علیہ	ابو انور محمد محمد پوری رحمۃ اللہ علیہ	خواجہ معین الدین اجری رحمۃ اللہ علیہ
۲۴	۲۷	۱۸	۷۲۱	۱۰
ابو یونس عمر فاروق رضی اللہ عنہ	خواجہ جمال الدین بہاوی رحمۃ اللہ علیہ	خواجہ امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	خواجہ نازک کرم محمد بخش چاچڑات رحمۃ اللہ علیہ	حاجی شریف زبانی رحمۃ اللہ علیہ
	۲۸			۱۳
	شیخ حسن محمد صاحب چشتی رحمۃ اللہ علیہ			خواجہ ناصر الدین ابویوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ
				۳
				خواجہ غلام صدیق بہاوی رحمۃ اللہ علیہ

نوٹ: سلسلہ چشتیہ ہشتیہ اور دیگر سلاسل کے مشائخ عظام اور پیران کلام
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ایام وصال اس نقشہ میں دیکھے گئے ہیں سلسلہ کے
مردان باصفا کو مطلع کیا جاتا ہے کہ حسب امکان اس دن کلام اور دعا کے ساتھ ایصالِ ثواب کیوں اور ہمیشہ اس عمل پر اصرار

حرفِ آخر

الْحَمْدُ لِلَّهِ

کہ ”مکتوباتِ مہاروی“ کی ترتیب و کتابت کا کام مکمل ہوا۔ آج ہم اس قابل ہو گئے کہ اسے طباعت کے لئے پریس کوٹے سکیں۔ مخدومی جناب الحاج خواجہ کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاتہ کی بابرکت سرپرستی اور ان کی کریمانہ دعائیں اگر شامل حال نہ ہوتیں، تو ہم اس کارِ خیر کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکتے۔ جملہ مراحل میں جن حضرات، اجاب اور عزیزان نے اس کارِ خیر میں شرکت کی، یہ خاکسار ان سب کا دلی طور پر شکر گزار ہے۔

شناس نامہ میں چند اجاب کے اسمائے گرامی ویٹے گئے ہیں جنہوں نے ترجمہ، نظر ثانی اور اصلاح کا فریضہ سرانجام دیا۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کا مختصر سآعارف دے دیا جائے:

پروفیسر محمد عبد الغفور صاحب، غوثی، دینی تعلیم کے حصول کے بعد دس بارہ سال درس و تدریس میں مشغول رہے۔ اسی عرصہ میں ایم اے عربی و اسلامیات کیا پھر مدینہ طیبہ چلے گئے اور وہاں سات برس قیام کا شرف حاصل کیا۔ آج کل گورنمنٹ کالج، علی پور، ضلع مظفر گڑھ میں پروفیسر ہیں۔ حضرت خواجہ محمد غوث مہاروی رحمۃ اللہ علیہ سے ارادت رکھتے ہیں۔

پروفیسر حافظ الشہید صاحب فریدی جلال پور پیر والا نزد شجاع آباد کے رہنے والے ہیں۔ آپ حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ (کوٹ مٹھن شریف) کے خالوادہ عالی مقام سے ارادت رکھتے ہیں۔ نظر ثانی کے وقت گورنمنٹ کالج ملتان میں پروفیسر تھے۔

پروفیسر منظور حسین صاحب سیالوی شعبہ عربی گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں عربی کے پروفیسر ہیں اور ایم اے عربی کے طلبہ کو پڑھاتے ہیں حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی ^{رحمۃ اللہ علیہ} سے ارادت رکھتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اختر چیمہ صاحب ایم اے پی ایچ ڈی گورنمنٹ کالج فیصل آباد کے شعبہ فارسی کے صدر ہیں۔ آپ نے تہران یونیورسٹی سے "مقام شیخ فخر الدین عراقی" در تصوف اسلامی کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ہوئی ہے۔ نقشبندی مجددی سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی صاحب ایم اے پی ایچ ڈی گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں شعبہ عربی کے صدر ہیں۔ آپ نے "برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری" کے موضوع پر پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ہوئی ہے۔ نقشبندی سلسلہ میں ارادت رکھتے ہیں۔ میرے تصنیف و تالیف و ترجمہ کے تمام علمی کاموں کے آپ ہی نگران و راہ نما ہیں۔ میں بیس برس گورنمنٹ کالج فیصل آباد کے شعبہ اسلامیات میں پڑھا تا رہا۔ ۱۹۶۵ء میں ریٹائر ہوا۔ اُس وقت سے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوں۔ چشتیہ سلسلہ میں حضرت میاں عبدالصمد دہلوی سے ارادت اور حضرت خواجہ خان محمد تونسوی سے خلافت کا شرف حاصل ہے۔ میں ان تمام مذکورہ بالا حضرات کا دلی طور پر شکر یہ ادا کرتا ہوں کیونکہ مکتوبات کے ترجمہ اور اس کی اصلاح کے سلسلہ میں سب کام تو ان حضرات ہی کے کیلئے ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو احسن جزا عطا فرمائے۔ اس کتاب کی کتابت اور طباعت و اشاعت کے سلسلہ میں جو خدمت میں کر سکا اللہ تعالیٰ اسے بھی قبول فرمائے۔

آخر میں اپنے مخدوم حضرت الحاج خواجہ کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاتہ کو دلی مبارکباد دیتا ہوں کہ ان کی دیرینہ خواہش پوری ہوئی۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں تادیر اہل سلسلہ کے سروں پر سلامت رکھے۔ یہ خادم تو صرف ان کی دُعاؤں کا محتاج ہے:

وارد دل درویش تمنائے زکات ہے
خادم الفقواء
افتخار احمد چشتی سیالوی

۱۶ شوال ۱۴۱۵ھ

تتمہ

خطی نسخہ

بینج گنج فارسی کی فولو کاپی

تصنیف

حضرت خواجہ امام بخش بہاروی رحمۃ اللہ علیہ

پنج گنج (فارسی)

حضرت خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی پانچویں فارسی تصنیف پنج گنج ہے۔ یہ خطی نسخہ بھی حضرت خواجہ الحاج میاں کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاتہ کے ذاتی کتب خانہ میں تھا۔ یہ دراصل مجموعہ اُوراد و وظائف ہے، جو ہمارے مشائخِ چشت کے معمولات میں سے ہے۔

حاجی کریم بخش صاحب دامت برکاتہ نے اپنے ۶ مارچ ۱۹۹۵ء کے مکتوبِ گرامی میں تحریر فرمایا "امید ہے کہ پنج گنج بھی آخر میں لف کر دیا ہوگا۔ شاید اہل سلسلہ اس سے مستفیض ہو سکیں" حسب الارشاد شامل کیا جا رہا ہے۔

(مرتب)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَتَمَّ بِمُحَمَّدٍ

محمد لولیدہ والصلوح علی نبیہ وآلہ واصحابہ اجمعین اما بعد عرضمیدارم
 فقیر امام بخش بہار و راجہ پنڈت کھنڈہ در باب نوافل و وظائف معمول بران مقام
 حضرات خواجگان جنت ابدیست بنا بر پاسخی طریقیہ سیر زاوہ صاحب بخش
 ناگور کہ از اولاد ذالاجہ حضرت خواجہ محمد بن احمد معروف بصوفی و سلطان النورین
 اند بطریق اختصار و قدر ما یحتاج بہ رسید و نہار کہ انرا بعضی از عرفا ریزند
 و طیفہ مقرر نمایند نزدیک شہر طاعادہ تہ نصیب ازلی او نماید و این احتقر دعا
 بدعا یاد فرمایند و ما توفیق اللہ الذی و از اینجہ کہ اوقات غمستند اول مستحب
 وظائف و نوافل اند از ان پنج گنج موسوم خند و ہم شمشیر پنج گنج دانستہ
 کنبہ اول در اول وقت تمجید باطلوع صبح صادق کنبہ دوم از اول صبح تا وقت
 اشراق کنبہ سوم بعد نماز ظهر کنبہ چهارم بعد نماز مغرب کنبہ پنجم بعد نماز عشا
 پس باید کہ از او در ہوا و طیفہ گرفتہ نماند کردہ اید کنبہ اول سنگت باید کہ
 اجزائش بر خیزد و طهارت کاملہ کردہ اول ہو کمانہ تحت البصر گزارد و در ان بر جہ خواہ
 بخواند سجدہ و واروہ رکعت نہ تمجید بخش سلم ادا سازد و بر دو کمانہ در رکعت
 نہ تمجید یکبار ^{دو آیت الکرسی یکبار} بخواند و در رکعت ثانیہ بعد از فاتحہ امن الرسول از زبان

کبار و سوره اخلاص سه بار خوانده شود و اگر این مقدار نتواند خواند پس باید که بر قدر که
 تواند بخواند مگر شریف زد که بعد از فراغ سن و سنن معموله باشد آنکه گویست زیرا که عمل
 تعبد بر پیغمبر محمد رسول الله فرض بود از ماضی تا قطب است اما در او این
 است آنکه گویست حکایت است که فقهی به نافع لک است بیست یک مرتبه بخواند
 بعد از آن در جائزات و نماز یک موضع دور از گوشه هر شروع نماید مثلا اگر
 لا اله الا الله را یکصد بار بخواند بعد از آن الحمد را هم صد بار بخواند بعد از آن
 بقدر چهار صد بخواند و اگر کم تواند کم خواند مگر برین ترتیب خواند و این ذکر است که
 یکی اسم ذات دوم ملاحظه صفات آنها یعنی صمیم صمیم صمیم و اسلمه که از این پنج
 در البته گویند و شرائط همین ذکر هفت است از بیت برزخ و ذات و صفات و
 فدوخت و فوق مینماید طالبان را کل نفس فوق و فوق مراد از برزخ صورت
 شیخ است و مراد از ذات وجود مطلق و مراد از صفات آنها آن و مراد از
 تعبد از تشدید اله است و مراد از مد تدبیر الف اله است و مراد از کت است که
 بمراد از از برزخ شروع کند با قوت و مراد از فوق است که در مانع تمام کند
 و در مراقبه زنده تصور وجود مطلق و صورت شیخ نماید بعد از آن بیست جا پرواز و اگر قدری
 باز بود آرام پذیرد و اگر صبح و صیبا بود لطیارت و نماز مشغول شود تا آنکه آید که

تعمیر

سنت معمول خوانده سوره فاتحه نصیم الرحیم به خود حد و کیا بخواند که بر او فرغ
 عسرت مفید است بپدره بدو کانه فرض بر او اند باید کرد اول وقت جماعت کثیره
 و اگر کثیره می نشود بقلید که از در و پیش سلم کیا بر سبحان و لا یعلم قدر غیره و لا
 ینبغ الواصفون و صفه خوانده آیه الکرسی تا سمیع علیم کیا و آیه کریمه من تق
 الیدیکم له منخرجاتی قوله کل شیء قدر کیا و سوره فاتحه کیا و اخذ هر سه بار و
 قدر و در ایستاده بار بخواند بسور آسمان بدد که در کتب میان عظام مرقوم است که هر
 این و طیفه را بهر نماز عادت نماید بطرف وقت نزع و عذاب قبر از او رفع شود بپدره
 الم شرح هفت بار خواند بر دست راست و می برستد آن حسب حال که در طبع ملک
 از او بدید بعد از مشغول شود باید که دعا مکرر یا سه کرد طلبه که معمول است بر آن با کمال
 بدین سوال است بپدره که بگردد دعا بخیر لطف اللطیم کیا بخواند و دعا اللهم
 لطفکم مستجاب خواند بعد از دعا یا مفتوح فتم تمیمت و کیا بخواند که سر بر
 فراز گذاردن مفید است بعد از آن سلسله مبارک است کدام که از چهار سلسله است
 بخواند و از این که اکثر مردم کعبه است بر آن ما داخل سلسله چشمه بهشتی شود پس
 پیوسته است هر که با جود یا جنت امان و بهشت بر سر او بصدق خواند شوی بر آن
 بعد از آن در روز مستحبات شریف گرفته بخواند و هم این شریف است از روز روز

بخواند باید در اول و آخر هر منزل یکبار سوره فاتحه و هفت بار سوره اخلاص بخواند و در
 آن بروج حضرت غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غفر له و سید سید
 نوروز شاه حقیقی بخواند این سوره را حضرت صلی الله علیه و آله صد و یک بار بخواند بعد
 باقر و لایلی انجیرات بموجب سنبل بخواند باید که آغاز از روز جمعه شب تا یک بعد از آن
 رکعت نماز چاشت بخواند و هر رکعت بعد از فاتحه سوره بار سوره اخلاص بخواند بعد
 از آن سوره الحمد بخواند و اگر عارض بود بخواند این مشغول غرض که بر کار یک روزی باشد
 بکند و بوقت غمی الزوال بقیود بر او طفت وارد که مسنون طریق و بجهت ریاضت
 خیر اسباب توفیق است گنج سیوم بر گاه که آفت از فی الزوال در گذرد و سایه
 داخل مثل اول شوال نماز ظهر بجا است بگذارد اگر چه نزد حضرت امام اعظم علیه
 وقت ظهر تا که شتن هم مثل سوار سایه اصعب است اما معمول است پنج ماور مثل اول
 که در آن اتفاق آمده است و تحقیق سایه اصعب در کتب فقه مسطور است نگاه باید کرد
 و اگر روز جمعه باشد اگر شرائط در این روز باشد بنها و در صورت دیگر هر روز در جمعه
 افضل است که معمول بر این ماهین است و بعد فراغت نماز ظهر کلمه الله شریف
 بموجب سنبل باید خواند اما بقدر یک سیاره و یک بار افضل است و اگر زیاده خواند
 کرد هم جائز است بعد از آن بر مطیبه زعفران برود و اگر وقت ظهر گذشته باشد

پس بیاز علم مشغول شو باید که این چهار رکعت سنت گزارد بعد از آن و انفس کجاوت گزارد
 پنجم خیار و بیگم شام بعد از نماز شام ششم رکعت نماز او این است سلم بخواند و
 در هر رکعت بعد از تسبیح یا سوره اخلاص بخواند بعد از آن چهار مرتبه صوره حفظ الایمان
 خواند شود پس رکعت اولی بعد از تسبیح اخلاص صفت کرت و فتح کبیر و در نماز بعد
 از تسبیح اخلاص صفت بار و مار کبیر بخواند سلم سر سجد زفته حاجی یا تسبیح ششمین
 علی الایمان است یا رکوعید بعد از کجه کما مر ذکره مشغول شود بعد از آن اگر وقت شب باشد پنجم
 بنماز غ مشغول شود و اگر لدام عارضه باشد بیشتر بخواند اما معمول است که بعد از
 نیت شب است اما باید اول چهار رکعت سنت بخواند بعد از انفس کجاوت گزارد
 و بعد چهار رکعت سنت جو رکعت بعد از آن در هر رکعت بعد از تسبیح اخلاص سه بار بخواند
 بعد از سلم یا و کت صفتا و بار و ده مرتبه اذاجا انفراده خواند یا بدیع العجایب
 یا نیکو بدیع یکصد مرتبه بخواند بعد از تسبیح و تسبیح زفته دعا بخواند
 و بعد از هر نماز بیگم تسبیح الایمان سه بار بخواند و الحمد نیز تسبیح بار گوید
 و بعد اگر در صبح چهار بار بخوبید و بعد از آن بوقت خفتن اسم ذات یا ایها الله تسبیح
 یا زده بار بخوبید بعد از آن محاسبه کرده بخوبید و طریق محاسبه است که بیکم خفتن هر کاریکه از
 نیک و بد از اول صبح تا آخر از و سرزنش نماید و آورده و خوب ضبط نماید از اعمال

از اعلا حسنه شکریت جناب ایندو برجا آرد و از اعلا حسنه توبه کما حقہ نماید که از او
 پریشانی و پشیمانی خورد و آئندہ بگرد او کرد و از حساب کمریزه ہر روز با او حساب شود
 کہ التائب عن الذنب کما یذنب واردست آوردہ اند کہ ہرگز کی ایسہ خورد بوقت فجر
 فرمودہ کہ امروز ہر کدام کاریکہ از تو سرزد شود از آن سبب وارد کر بوقت عشا از تو
 خواہم پرسید پس کہ بعنفوان جوانی چنانکہ آئندہ و دامت لہ بود از و یاد کار ہر امور
 گزیدہ ہر گاہ کہ بد از حساب اعلا روز نہ برسد بیان نمود کہ اول اول کہ از خواب
 بیدار شدہ ام فداں کا کردہ ام بعدہ فداں و بعد از ان فداں العرش کہ چند کار کس
 پدر بزرگوار خود بنام نمود از باقر عاخر ماندا گفت کہ مراد دیگر کار بار کردہ خود فراموش
 شدہ اند چگونه بیان زہم پدر بدرد جواریں ار بوالفضول لو کہ از حساب جناب
عاخر ماندا چگونه بروز قیامت حساب عمل تمام عمر خود میدہی بیت
 تو نمیدانہ حساب صبح و شام کہ حساب میدہی عمر تمام

از ان پیران عظام ما ہمیں وظیفہ اطالنا بقدر غنا

تمام میفرمودند بعدہ بر لب البعد اللہ اللہ

کردہ بخواب رود طاووسم

علا فرستہج السد

تت

حاشیہ

ان

دیوانِ عساکر

حضرت امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ
خواجہ

سے چند اشعار بطور تبرک

اے کہ غمِ داوی و غمخواری ہنوز !
دلِ زمین بڑی و دلداری ہنوز
در متاعِ حُسنِ گشتی جلوہ گر
ہم بربختِ خودِ خریداری ہنوز
در لباسِ ماوینِ گشتی عیساں
وینِ عجب از ماوینِ عاری ہنوز
منکبِ دل را در تکتِ کرم
ہمچنان قصدِ دلِ آزاری ہنوز
در حیرتِ سینہ ام جاساختی
ہم بعزیمِ سینہ افکاری ہنوز
ریختی خونِ غریب بے گناہ
خیرتے فارم کہ دینِ داری ہنوز !
صد ہزاراں از نگاہتِ مت شد
طرفہ ترستی و ہشیاری ہنوز
ہمچو عساکرِ اشکِ بار از تو ہزار
بالبختِ داں شکر باری ہنوز

شکر اللہ محمد آں چیز کہ خاطر سے خواست

آخر آمد پس پر وہ تقید پر پدید

(مرتب)

۲ ذوالقعدہ ۱۲۱۵ھ

مکتوباتِ مہاروی

حضرت امام بخش مہاروی ^{رحمۃ اللہ علیہ} کے مکتوبات کا اردو
خواجہ ترجمہ

خواجہ امام بخش مہاروی ^{رحمۃ اللہ علیہ} کی تصنیفِ خمسہ میں سے دو فارسی تصانیف گلشنِ ابرار اور مخزنِ چشت کے اردو تراجم قبل ازیں شائع ہو چکے ہیں۔ مکتوبات آپ کی تیسری فارسی تصنیف ہے جس کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تصنیف خطی نسخہ کی صورت میں الحاج خواجہ کریم بخش صاحب مہاروی ^{رحمۃ اللہ علیہ} کے ذاتی کتب خانہ میں موجود تھی۔ آپ نے اس کا ترجمہ پروفیسر محمد عبدالغفور صاحب غوثوی سے کرایا، نظر ثانی پروفیسر حافظ اللہ یار صاحب فریدی سے کرائی اور کتابت طباعت اور اشاعت کے لئے چشتیہ اکیڈمی کے بانی پروفیسر افتخار احمد صاحب چشتی کے پاس بھیج دیا۔

ہم جناب حاجی کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاتہ کے دلی طور پر شکر گزار ہیں کہ ان کے کرم سے یہ علمی و دینی خدمت ہمارے حصے میں آئی۔ کتابت و طباعت کے مراحل سے گزر کر ہم اب اس قابل ہوئے ہیں کہ اسے مطبوعہ صورت میں اہل علم و مفان کی خدمت میں پیش کر سکیں۔ امید ہے کہ حضرات اور قارئین اس ارمانِ دینی کو پسند فرمائیں گے۔

ناظم

چشتیہ اکیڈمی فیصل آباد
(پاکستان)

پتہ -
کاشانہ چشتیہ فرحت نزل
گل نبرہ، کیلاں والے
چنیوٹ بازار، فیصل آباد
(ٹیلی فون - ۶۲۸۸۵۵)